READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

کراس فائر

طارق اسمٰعیل ساگر

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

تقریظ

جاسوسی اور انٹیلی جنس امور کا شعور اور "اپ ٹو ڈیٹ نالج" رکھنے والے طارق اسماعیل ساگر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جنوبی ایشیا میں اردو زبان کا شاید واحد ایسا لکھاری ہے جس نے بلاشبہ جدید انگریزی ادب کے ہم پلہ ناول لکھے ہیں۔

دنیا بھر میں خصوصاً" انگریزی فکشن کے جتنے ممتاز اور نمایاں نام دکھائی دیتے ہیں وہ اس حوالے سے اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہیں جس کا ذکر میں نے کیا۔ طارق اسماعیل ساگر کو اس کے بہت سے ناولوں کے حوالے سے بلاشبہ اردو ادب کا فریڈرک فورسائتھ کہا جا سکتا ہے خصوصاً" اس نے بھارتی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی کی پاکستان میں جاری مخفی اور مذموم کارروائیوں کے پس منظر میں جو ناول لکھے وہ کسی بھی ملک کے ادب کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ ایسی کتابیں لکھنے کے لئے بے پناہ مطالعہ' مشاہدہ اور متعلقہ امور سے متعلق تکنیکی باریکیوں پر عبور ضروری ہے۔ مجھے اس بات پر قطعاً" حیرت نہیں ہوئی کہ ہمارے ادبی حلقوں میں اسے وہ پذیرائی کیوں نہیں مل سکی جو عوامی حلقوں میں حاصل ہے کیونکہ میرے خیال سے ناول کی جس تکنیک کو اردو زبان میں طارق اسمٰعیل ساگر نے متعارف کروایا ہے اس سے ہمارا نام نہاد نقاد آگاہ ہی نہیں اور بدقسمتی سے ہمارے ہاں علم کی پذیرائی کا رواج ہے لیکن طارق اسمٰعیل ساگر کے لئے کبھی یہ مسئلہ نہیں رہا۔ وہ آج بھی اپنی کومٹ منٹ کے ساتھ اپنے مشن پر کاربند ہے اور "متعلقہ حلقوں" میں اس کا بے پناہ احترام کیا جاتا ہے۔

بریگیڈیئر (ر) محمد اسد خان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

جیپ جھٹکے سے رکی تو اس کی آنکھ بھی کھل گئی۔

چالیس گھنٹوں کے مسلسل سفر نے اسے تھکا ڈالا تھا اور اب تو اس نے باقاعدہ اونگھنا شروع کر دیا تھا جب کہ اس کے دونوں ساتھی گذشتہ دو گھنٹوں سے لمبی تان کر سو رہے تھے۔

طاہر کے لیے مسلسل حالت بیداری میں رہنا تو اب ممکن نہیں رہا تھا کیونکہ جیپ کا ڈرائیور اور ان کا نگہبان شاید بہرے تھے یا پھر انہیں باقاعدہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے علاوہ اور کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

دو تین مرتبہ طاہر نے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر موجود اس نوجوان سے جس نے اپنا نام چکروتی بتایا تھا' بات کرنے کی کوشش کی۔

لیکن اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ چکروتی اسے چکر دے رہا ہے۔

وہ بادل نخواستہ ہی اس کے سوالات کے جوابات ہوں' ہاں میں دے رہا تھا اور اسے بظاہر یہی تاثر دے رہا تھا کہ اگر وہ خاموش رہے تو دونوں کی صحت کے لیے اچھا ہے۔ طاہر نے اس بات کا اندازہ تو بہت پہلے ہی اس سے ابتدائی ملاقات پر لگا لیا تھا کہ اس نے اپنا نام غلط بتایا ہے کیونکہ وہ بنگالی نہیں لگتا تھا جب کہ چکروتی عموماً" بنگال سے تعلق رکھتے تھے۔

"ممکن ہے اس کا باپ بنگالی اور ماں پنجابی ہو....."

اس نے سوچا۔

"جہنم میں جائے۔ مجھے اس سے کیا لینا دینا....."

بالآخر اس نے خود ہی جھنجلا کر اپنے آپ سے کہا اور اس مسئلے پر سوچنا ہی بند کر دیا۔

اچانک بریک لگنے سے اس کے دونوں ساتھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اب وہ وضاحت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کچھ آرام کر لیں۔ آپ لوگ تھک گئے ہوں گے۔"

چکروتی نے ان کی طرف گردن گھما کر بڑی شان بے نیازی سے کہا۔

"تھینک یو مہاراج۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سلیم نے کہا۔

طاہر سمجھ گیا کہ اب وہ اپنے ٹارگٹ ایریا میں پہنچ چکا ہے کیونکہ راستے میں ایک جگہ اس نے سڑک کے کنارے لگے ایک سنگ میل پر ڈیرہ دون بیس کلومیٹر پڑھ لیا تھا۔ وہ جانتا تھا اب ان کا باقی سارا سفر رات کے اندھیرے میں ہو گا کیونکہ دشمن نے انہیں بطور ایجنٹ تو قبول کر لیا تھا۔

لیکن..... بطور دوست وہ انہیں کبھی نہیں اپنا سکتے تھے۔

وہ کسی بھی مسلمان پر خواہ وہ بھارتی ہی کیوں نہ وہ' اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ان کی تربیت تھی۔ انہیں سکھایا گیا تھا کہ مسلمان پر جب اعتبار کرو گے' دھوکہ کھاؤ گے۔

اور..... وہ نسل در نسل اسی مقولے کو مانتے چلے آ رہے تھے۔

جیپ قدرے کشادہ تھی۔

یہ روسی جیپ تھی جسے شاید اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ایجنٹوں کو متعلقہ مقام سے وصول کر کے انہیں ٹارگٹ ایریا تک پہنچائے کیونکہ اس کے شیشوں کا رنگ بہت گہرا تھا' جن کے آر پار بہت کم دکھائی دیتا تھا۔

وہ تو بھلا ہو اس کے ساتھیوں کا جنہوں نے گذشتہ چالیس گھنٹے میں آٹھ دس مرتبہ جیپ کو کبھی کھانا کھانے' کبھی چائے پینے اور کبھی پیشاب کرنے کے بہانے کھڑی کروا کر طاہر کو موقعہ فراہم کیا تھا کہ وہ کھلی ہوا میں سانس لینے کے علاوہ بنظر غائر ماحول کا بھی جائزہ لے سکے۔

آخری مرتبہ جب ڈرائیور نے خود پیشاب کرنے کے لیے جیپ کھڑی کی تو طاہر نے وہاں سڑک کنارے نصیب سنگ میل پر ڈیرہ دون کا نام پڑھا تھا جس سے اندازہ ہوا۔ بصورت دیگر تو انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟

○ ○ ○

اپنی دانست میں انہوں نے بڑا فول پروف سسٹم بنایا تھا۔

تینوں بذریعہ ٹرین سے بھارت آئے تھے۔

دہلی میں وہ پہلے سے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچے جہاں ایک مسلمان بزرگ نے ان کا استقبال کیا اور انہیں ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا کر ان کے لیے چائے' کھانے کا بندوبست کرنے لگا۔ اس نے ان تینوں سے کوئی سوال نہیں کیا تھا' صرف ان کی شناخت ہی کافی تھی۔

اس کی طرف سے کوئی مزید سوال نہ کیے جانے کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ بھی اس سے

کچھ دریافت نہ کریں۔

ابھی وہ بمشکل کھانا کھانے کے بعد کمریں سیدھی کر رہے تھے جب کیپٹن چکروتی وہاں نازل ہو گیا۔ اس نے اپنا تعارف اسی نام سے کروایا تھا۔

شاید سلیم اسے پہلے سے جانتا تھا کیونکہ وہ ان میں سب سے پرانا تھا۔ طاہر کا دوسرا ساتھی مشتاق بھی اس کی طرح نوگرفتار ہی دکھائی دے رہا تھا یا پھر زیادہ پرانا نہیں تھا۔

"تم ہو مسٹر طاہر....."

چکروتی نے ان دونوں کو مصافحہ کرنے کے بعد قریباً" نظر انداز کر دیا تھا اور اب براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"یس سر۔"

اس کے بجائے سلیم نے جواب دیا۔

چکروتی کا مرکز نگاہ اب سلیم بن گیا تھا۔

"ہمارا نیا ساتھی ہے مہاراج..... بڑا شیر دل جوان ہے۔"

"ہوں' ہوں....."

کیپٹن چکروتی نے سلیم کی اس بات پر صرف ایک لمبی "ہوں" کے ساتھ ریمارکس دیئے۔

"شیر جوان ہے سر۔ تین قتل میں درکار ہے۔ اشتہاری ہے سر..... سارا شہر اسے جانتا ہے۔" اس نے پھر کہا۔

جواب میں پھر کیپٹن چکروتی نے "ہوں" کہا۔

طاہر خود ابھی تک خاموش تھا۔

وہ جانتا تھا' ابھی کیپٹن چکروتی اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرے گا جب تک کہ اسے عملی تجربہ نہ ہو جائے۔

"ویل کم ٹو انڈیا۔"

چکروتی نے اس کی طرف دیکھ کر بالآخر منافقانہ سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر چپکائی۔

"میرے خیال سے ہمیں چلنا ہو گا۔"

اس کی اگلی بات نے تینوں کو بوکھلا دیا کیونکہ وہ ابھی آرام کرنے کے موڈ میں تھے۔

"آل رائیٹ انجوائے یور سیلف (Enjoy yourself)"

شاید اس نے ان تینوں کا عندیہ بھانپ لیا تھا۔

"تھینک یو سر۔ ہم واقعی بہت تھک گئے ہیں۔ امرتسر سے یہاں تک کا سفر بڑا تھکا دینے والا تھا۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس مرتبہ طاہر نے خود ہی جواب دیا۔

وہ چاہتا تھا' چکرورتی اس پر کھل جائے۔

لیکن.....

ایس ایس بی (سپیشل سروس بیورو) کے کیپٹن نے اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"ٹھیک ہے تم لوگ شام تک آرام کرو۔ رات کو اپنے دوست کو موج میلہ بھی کروا دینا۔ میں نے بابا جی سے کہہ دیا ہے۔"

اس نے پھر سلیم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بابا جی" اس بزرگ کا نام تھا جس کے مکان پر انہوں نے قیام کیا تھا۔ یہ مکان دہلی کے ایک مسلم محلے میں تھا اور یہاں بابا جی اکیلے ہی رہتے تھے۔ اب تک انہیں بابا جی کے علاوہ کوئی اور یہاں دکھائی نہیں پڑا تھا۔

یہی ایڈریس انہیں دیا گیا تھا۔

یہی نام بتایا گیا تھا۔

پہلے پہل تو طاہر قدرے حیران بھی ہوا کہ صرف "بابا جی" کے نام سے وہ کیسے یہاں مطلوبہ بندے تک پہنچیں گے' پھر خود ہی مطمئن بھی ہو گیا۔

اور..... یہاں پہنچنے کے بعد تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ واقعی اس کا واسطہ بڑے خطرناک لوگوں سے پڑا ہے۔

اب تک وہ اس تنظیم کے دو کارندوں سے مل چکا تھا جو اتنے محتاط تھے کہ ان سے گفتگو کے لیے بھی لفظ سوچ سمجھ کر خرچ کر رہے تھے۔

اس بات کی تو اسے خبر تھی کہ بھارت کی یہ دہشت گردی سرکاری ایجنسی ہمیشہ "وقتی سیف ہاؤس" (Safe House) بناتی ہے۔ ان کے "را" (RAW) کی طرح بھارت کے کسی شہر میں مستقل سیف ہاؤس نہیں تھے۔ یہ لوگ اتنے محتاط تھے کہ اپنے ایجنٹوں کو موصول کرنے کے لیے کوئی ٹھکانہ بناتے اور اگلے ہی روز وہاں سے رخصت ہو جاتے۔

دہلی کے اس قدیم مسلم محلے میں انہوں نے طاہر اور اس کے دونوں ساتھیوں کے استقبال کے لیے بھی یہ عارضی ٹھکانہ حاصل کیا تھا۔

ظاہر ہے مسلم علاقے میں وہ کسی مسلمان کی شناخت کے ساتھ ہی رہتے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ "بابا جی" بھی کوئی پہنچی ہوئی چیز ہے اور ہرگز مسلمان نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس کے طور اطوار سب مسلمانوں والے تھے۔

لیکن.....

طاہر نے جلد ہی یہ بھی جان لیا کہ "بابا جی" ان سے بات کرنے سے احتراز ہی برت رہے تھے۔ وہ ان کے کسی بھی سوال کا جواب عموماً" ہاں ناں میں دیتا تھا۔

کسی ممکنہ شک سے بچنے کے لیے جس کا موقعہ انہیں نہ مل جائے' اس نے پھر خاموشی ہی میں مصلحت جانی۔

شام ڈھلے تک وہ لمبی تان کر سوتے رہے۔

بیدار ہونے پر انہیں ایک مرتبہ پھر چکرورتی کی شکل دکھائی پڑی' جس نے ان کے لیے ایک فور سٹار ہوٹل میں ڈنر کا بندوبست کر رکھا تھا۔

کیبرے کے ساتھ انہوں نے ڈنر کیا اور اس ادھ ننگے جسم والی لڑکی پر داد و تحسین کے ڈونگرے جی بھر کے برسائے جس نے ہوٹل کے اس ہال میں موجود باقی گاہکوں کو قریباً" نظرانداز کر کے صرف ان کا طواف کرنا شروع کر دیا تھا۔

اکثر وہ ناچتے ہوئے طاہر پر جھک جاتی اور اس کے اتنا نزدیک آ جاتی کہ طاہر کو اپنے جسم پر اس کی سانس انگاروں کی طرح چبھنے کا احساس ہوتا۔

یہ بات وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو رہا تھا۔

کیپٹن چکرورتی نے دراصل ایس ایس بی کے چنگل میں پھنسنے والے اس نئے بٹیرے کو اپنے روایتی انداز میں ویلکم کہا تھا۔

ان کے پاس یہ بڑا موثر ہتھیار تھا۔

عموماً" وہ اس جال سے نئے پنچھیوں کو شکار کرتے تھے۔

اس کے دونوں ساتھی بھی یقیناً" اسی طرح ان کے دام تزویر میں گرفتار ہوئے تھے۔

اور.....

اب وہ بھی اس دلدل میں اترنے جا رہا تھا۔

اس نے کیپٹن چکرورتی کو پہلے ہی ڈنر میں اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ شراب اور شباب اس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔

اتنی بڑی کمزوری کہ جس کی بنا پر وہ اگر چاہیں تو طاہر کے ذریعے اس ملک میں کوئی بھی آفت لا سکتے ہیں۔

رات دیر گئے وہ ہوٹل سے باہر نکلے۔

نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی کیونکہ وہ دن میں چھ سات گھنٹے مسلسل سوتے رہے تھے۔

"کیا خیال ہے' اپنے سفر کا آغاز کریں؟ رات اچھی گزر جائے گی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کیپٹن چکرورتی نے باہر آتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔ جیسے آپ کی مرضی۔"

طاہر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ میں آتا ہوں۔"

اس نے تینوں کو اس ٹھکانے پر ڈراپ کیا تھا جہاں "بابا جی" ان کے منتظر تھے۔ ابھی تک وہ ان کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

تینوں کو باری باری اس نے درباریوں کی طرح جھک کر سلام کیا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

طاہر کو یہ بابا جی کسی الف لیلوی داستان کا پراسرار کردار دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کی نشست و برخاست' چال ڈھال سب تاریخی کتابوں میں لکھے گئے کرداروں سے ملتی جلتی تھی جو قدیم محلات میں اب کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اپنے آقاؤں کی خصوصی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

○ ○ ○

ٹھیک دس منٹ بعد ۔مدوت (موت کا فرشتہ) کی طرح کیپٹن چکرورتی ان کے سامنے موجود تھا۔

اس مرتبہ وہ ایک بڑی جیپ لے کر آیا تھا۔

تینوں نے اپنے اپنے بیگ اٹھائے اور خاموشی کے ساتھ جیپ نما کار میں بیٹھ گئے' جس کی کشادہ اور آرام دہ سیٹوں پر بیٹھنے کے بعد وہ اس کے غیر معمولی ہونے کے قائل ہو رہے تھے۔ بظاہر دکھائی دینے والی اس جیپ کو شاید بطور خاص طویل سفر کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔

اگلی سیٹ پر چکرورتی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

تینوں نے اس کے پیچھے جگہ سنبھال لی۔ تینوں ہی تین الگ الگ سیٹوں پر بیٹھے تھے۔

طاہر اور سلیم آپس میں قدرے بے تکلف تھے جب کہ ان کا تیسرا ساتھی جس کی ملاقات ان سے بالکل آخری لمحات میں روانگی کے وقت ہوئی تھی' زیادہ وقت خاموش رہ کر ہی گزارتا تھا۔ اس نے اپنا نام مشتاق بتایا تھا۔

لیکن.....

اس کے چہرے پر ایک ہی نظر ڈالنے سے اس کی بے رحمی کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اس

کا تعلق ملک کے کسی دوسرے شہر سے تھا جس سے متعلق نہ تو اس نے انہیں بتایا تھا اور نہ ہی دونوں نے جاننے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

یہاں کسی سے متعلق کوئی بھی جستجو یا تجسس رکھنے کا سیدھا مطلب اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔

ان کے ایسے کسی بھی عمل کا مطلب ان کا ڈبل کراس ہونا لیا جاتا تھا اور یہاں کسی پر معمولی شبہ کی کم از کم سزا موت تھی۔

دہلی سے غازی آباد اور میرٹھ پہنچ کر کیپٹن چکرورتی نے انہیں ایک سڑک کنارے بنے ہوئے ہوٹل سے چائے پلائی۔ تینوں اب تک اونگھتے آ رہے تھے۔

لیکن.....

چائے کا الٹا اثر ہوا۔

کم از کم طاہر تو یہی محسوس کر رہا تھا۔

اس کی دانست میں اس کے دونوں ساتھیوں کو چوکس ہونا چاہیے تھا جب کہ دونوں تھوڑی دیر بعد لمبی تان کر سو گئے۔ انہوں نے دو الگ الگ سیٹیں سنبھال لی تھیں جن پر سمٹ سکڑ کر خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

طاہر کی یہ کمزوری تھی کہ اسے دوران سفر نیند نہیں آتی تھی۔ اس کے نزدیک یہ کمزوری ہی تھا جب کہ اس کے دوسرے ساتھی اس پر رشک کیا کرتے تھے۔

میرٹھ بجنور اور مظفر نگر سے گزرتے ہوئے وہ شام ڈھلنے پر دیوبند پہنچ گئے۔ اگلا پڑاؤ یہاں پڑا۔

شہر کے باہر ہی محکمہ ریلوے کے ایک شاندار ڈاک بنگلے میں وہ مقیم تھے۔ اس ڈاک بنگلے میں حیرت انگیز طور پر ان کے علاوہ اور کوئی قیام پذیر نہیں تھا۔

طاہر کے لیے بھارت یا ترا کوئی نئی بات نہیں تھی۔

اس نے بھارت کے مختلف شہروں میں موجود سرکاری ڈاک بنگلوں پر قیام کیا تھا' لیکن یہاں کوئی کمرہ حاصل کرنا خصوصاً" اس طرح کے شاندار ریسٹ ہاؤس میں جگہ حاصل کرنا کارِدارد ہوتا تھا کیونکہ عموماً" ایسے بنگلے مختلف سرکاری افسران کی عشرت گاہیں بنے ہوئے تھے جہاں وہ رنگ رلیاں مناتے رہتے تھے یا پھر ان پر انہی افسران کے چہیتے قابض رہتے تھے۔

دیوبند شہر کی مذہبی حیثیت ساری دنیا میں جانی مانی ہوئی تھی۔ یہاں کے عظیم الشان مدرسے میں تو دنیا بھر سے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

لیکن.....

یہ ڈاک بنگلہ خالی تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

صاف ظاہر ہے کہ اسے آج کی رات بطور خاص خالی کروایا گیا ہو گا اور محض ایک رات کے لیے ایس ایس پی نے اس بنگلے کو اپنے سیف ہاؤس میں تبدیل کر لیا تھا۔

کیپٹن چکرورتی نے کمال ہوشیاری سے ایک لمحے کے لیے ابھی انہیں اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ دہلی سے یہاں تک کوئی ایک جگہ بھی ان کے لیے مخصوص تھی۔

وہ اس ڈاک بنگلے میں بظاہر بھارت کے عام ناگرکوں (شہریوں) کی طرح قیام پذیر تھے۔ رات انہوں نے یہاں گزاری۔

صبح دیر گئے تک سب لمبی تان کر سوتے رہے۔ البتہ طاہر جو عادت کے مطابق علی الصبح بیدار ہو گیا تھا' ابھی تک اس نے جان بوجھ کر کروٹ نہیں لی تھی اور دوسرے کمرے سے اٹھنے والی معمولی آوازوں سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ کیپٹن چکرورتی بیدار ہو چکا ہے۔

اب اسے کمرے سے باہر نکلتے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی تھی۔

طاہر دم سادھے لیٹا رہا۔ پھر دبے پاؤں اپنے بستر سے اٹھا اور اب وہ بلی کی طرح پنجوں پر چلتا کھڑکی کے ساتھ لٹکے پردے کے نزدیک آ گیا تھا۔

بڑے تجسس سے اس نے پردہ تھوڑا سا سرکایا اور شیشے میں سے باہر موجود لان میں کیپٹن چکرورتی کو ورزش کرتے دیکھنے لگا۔

طاہر خود مارشل آرٹس کا ماہر تھا۔

تین مختلف سٹائلز میں وہ کراٹے کے اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ وہ اس فن کی باریکیوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس کے بے پناہ جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے اس جنم میں بادل نخواستہ جھونکا گیا تھا۔

کیپٹن چکرورتی کی جسمانی پھرتی اور لپک جھپک پر وہ دل ہی دل میں اسے داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ بھی باہر جا کر اپنا جسم سیدھا کرے۔

لیکن.....

وہ رک گیا۔

○ ○ ○

تھوڑی دیر بعد ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ طاہر نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"پندرہ منٹ بعد ناشتہ تیار ہو گا۔ گٹ اپ....."

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کیپٹن چکرورتی نے فوجی افسروں کی طرح اسے حکم سنایا۔

اور.....

اس کی کوئی بات سنے بغیر جس طرح آندھی کی طرح آیا تھا' طوفان کی طرح واپس پلٹ گیا۔ طاہر نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر سلیم کے جسم پر پڑا کمبل اتار کر ایک طرف پھینکا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

طاہر نے کیپٹن چکرورتی کا حکم اس کا منتقل کیا۔

اور.....

خود غسل خانے میں جا گھسا۔

مشتاق کے حساس کانوں تک جیسے ہی یہ آواز پہنچی' وہ بھی بجلی کی سی پھرتی سے اٹھا اور دوسرے غسل خانے میں جا گھسا جب کہ سلیم نے دوسرے کمرے سے منسلک غسل خانے کا رخ کیا۔

اگلے پندرہ منٹ بعد وہ تینوں ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

○ ○ ○

میز کے دوسرے کونے پر کیپٹن چکرورتی ہالی وڈ کی فلموں میں پیش کئے جانے والے گستاپو کے کسی کردار کی طرح ان کی طرف گھور رہا تھا۔

بیرے نے ان کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے چن دیئے اور تینوں نے ناشتے کے ساتھ مکمل انصاف کیا۔

"دس منٹ بعد ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

ناشتے کے خاتمے پر کیپٹن چکرورتی نے اگلا حکم جاری کر دیا۔

اور.....

ٹھیک دس منٹ بعد ایک مرتبہ پھر اس آرام دہ جیپ میں وہ عازم سفر تھے۔ اس مرتبہ طاہر نے بطور خاص جو باتیں نوٹ کی تھیں' ایک تو جیپ کی نمبر پلیٹ تبدیل ہو گئی تھی اور دوسرے اس کا ڈرائیور۔

پہلا ڈرائیور دیوبند میں ہی رہ گیا تھا۔

اس کے باقی دونوں ساتھیوں نے شاید ان باتوں کا نوٹس نہیں لیا تھا یا پھر انہوں نے اس کا اظہار مناسب نہیں جانا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تینوں دم سادھے لیٹے رہے۔

خصوصی ہدایات کے تحت یہاں سلیم اور طاہر بھی خاصے ریزرو دکھائی دے رہے تھے اور ابھی تک انہوں نے مشتاق پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ وہ اس سے زیادہ بے تکلف ہیں۔

اب وہ عازم "بٹواری" تھے۔

ابھی تک گو کہ انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

لیکن.....

طاہر جانتا تھا وہ بٹواری جا رہے ہیں۔

ڈیرہ دون کے نزدیک ایک گھنے جنگل میں واقع "بٹواری" نام کے اس کیمپ کو ایس ایس بی' بریگیڈیئر ملہوترا کی کمانڈ میں چلا رہی تھی۔

اس کیمپ سے تین ماہ کی سخت تربیت پا کر فارغ ہونے والے دہشت گرد بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بہترین اثاثہ بن جایا کرتے تھے۔

جدید ترین طریق ہائے تخریب کاری سے آگاہ یہ دہشت گرد انسانی شکل میں درندوں کا روپ دھار لیتے تھے۔

انہیں ایک ہی بات بتائی اور سمجھائی جاتی تھی کہ اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو روندتے ہوئے نکل جاؤ۔

بے رحمی ان کی سرشت بنا دی جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ اپنے ہی ہم مذہبوں' ہم وطنوں کی جان لیتے ہوئے انہیں رحم نہیں آتا تھا۔ وہ بچوں' بوڑھوں' عورتوں' جوانوں کو بے دریغ مارتے چلے جاتے تھے۔

قتل و غارت گری ان کی عادت بن چکی تھی۔

خون برسا کر' آگ لگا کر' دھماکے سے پرخچے اڑا کر وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگتے تھے۔ انہیں ہر تخریبی کارروائی پر ان کی توقع سے بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ یہ انعام و اکرام صرف دولت کی صورت میں نہیں بلکہ شراب و شباب کی صورت میں انہیں دیا جاتا تھا۔

ان وحشیوں نے اپنے ہی ملکوں کو بدامنی کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔

اور.....

یہ سب کچھ انہیں ایس ایس بی پڑھاتی تھی۔

ان کی محرومیوں کو ایکسپلائٹ کر کے..... ان کی معصومیت کو درندگی میں تبدیل کر

کے..... ان کو زر' زن اور نشے کی لت میں مبتلا کر کے.....

بھارتی انٹیلی جنس کے سورے انہیں ان ہی کے ملکوں میں چلتے پھرتے ٹائم بم بنا کر پھینک دیا کرتے تھے' محض اقتدار کی ہوس میں۔

محض ان کمزور ملکوں کو اپنے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور کرنے کو..... محض ان چھوٹے اور نارسا ممالک کے عوام کی بے بسی کا تماشہ دیکھ کر اپنی حس حیوانیت کو تسکین دینے کے لیے..... چانکیہ کے چیلے چانٹے یہ گھناؤنے کھیل رچا رہے تھے۔

○ ○ ○

دیوبند سے ان کے سفر کا آغاز ہوا۔ جیپ رڑکی اور سہارنپور کی سڑکوں پر دھول اڑاتی بالآخر شام ڈھلے ڈیرہ دون پہنچ گئی تھی۔

اس دوران راستے میں وہ تین چار مرتبہ رکے تھے' جہاں انہوں نے کھانا کھایا اور چائے پی تھی۔

کیپٹن چکرورتی بھی ان کی طرح سگریٹ نوش نہیں تھا' البتہ مشتاق سگریٹ پی رہا تھا' لیکن ایک مرتبہ جب چکرورتی نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تو اس نے جیپ کے اندر دوبارہ سگریٹ سلگانے کی جرات نہیں کی تھی۔

دوران سفر سڑک کے دونوں کنارے انسانوں کا اژدھام بہہ رہا تھا۔

طاہر سے بھارت کا یہ اہم ترین صوبہ یو۔پی اجنبی نہیں تھا' وہ ڈیرہ دون تو کبھی نہیں گیا تھا' البتہ ایک مشن کے سلسلے میں اس نے مسوری میں ضرور قیام کیا تھا۔

سڑک کے گرد بنے کھیتوں کھلیانوں اور دیہاتوں کے ننگ دھڑنگ بچے اور مدقوق چہروں والے کسانوں پر اسے بہت رحم آیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنی غربت اور بے بسی کے ساتھ یہ لوگ کس طرح جی رہے ہیں۔ زندگی کی گاڑی کیسے گھسیٹ رہے ہیں۔

جہاں کہیں ان کی جیپ رکتی' عورتیں مرد اس امید پر اس کے قریب سے گزرنے کی کوشش کرتے کہ شاید انہیں کچھ بھیک مل جائے۔

راستے میں مختلف پڑاؤ کرتے بالآخر وہ ڈیرہ دون پہنچ گئے تھے' جہاں انہیں اب رات ڈھلنے کا انتظار کرنا تھا۔

شام کا ملگجا اندھیرا پچھم کی سمت سے سفر کرتا اس ریسٹ ہاؤس کے گرد نیم دائرے کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

صورت میں کھڑے شاہ بلوط کے درختوں پر بسیرا کر رہا تھا۔ یہ بھی کوئی سرکاری ریسٹ ہاؤس تھا جس کے باہر کوئی بورڈ بھی ایسا نہیں لگا تھا جسے پڑھ کر وہ اندازہ کر سکتے کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔

"میرے خیال سے شام کا کھانا کھانے کے بعد یہاں سے چلتے ہیں۔"

چکرورتی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"رائیٹ سر۔"

مشتاق نے بھی اب گفتگو میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

"سامان گاڑی میں رہنے دو۔ ذرا فریش ہو جائیں۔"

اگلا حکم ملا۔

تینوں اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئے اور اب وہ سب چکرورتی کی کمان میں ریسٹ ہاؤس کی طرف جا رہے تھے جس کے دروازے پر ایک شخص پہلے ہی سے اُن کا منتظر تھا۔

کھانا کھاتے انہیں رات ہو گئی تھی۔

"چلو بھئی..... اب چلنا چاہیے۔ زیادہ دیر ہی نہ ہو جائے۔"

چکرورتی نے معمول کے مطابق ان کی طرف دیکھے بغیر اگلا حکم سنا دیا۔

"او کے"

سلیم نے کہا۔

اور.....

تینوں ایک مرتبہ پھر عازم سفر تھے۔

اگلے آدھ گھنٹہ کے بعد وہ ایک پہاڑی راستے پر گھوم رہے تھے' جہاں دور دور تک کسی ذی نفس کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے ہی سامنے کا منظر قدرے واضح ہوتا تھا اور تاحد نگاہ سڑک کے دونوں اطراف گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سڑک پر بھی وہ ایک مخصوص فاصلے تک ہی دیکھ سکتے تھے۔

ڈرائیور جیپ کو بڑی ہوشیاری سے گھما رہا تھا۔ اچانک ہی وہ ایک گیٹ کے سامنے رک گئے۔ یہ گیٹ اس طرح اچانک سامنے آیا تھا جیسے کسی نے جادو سے اسے ان کے سامنے سڑک پر گاڑ دیا ہو۔ گیٹ کے باہر ایک بیرک نما کمرے میں مدھم سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس اندھیرے جنگل میں یہاں شاید دن کے اوقات میں بھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو۔ انہوں نے رات کے اس پہر معمولی روشنی کا بھی تکلف نہیں کیا تھا۔

بیرک کے دروازے کے باہر البتہ ایک زرد بلب لٹک رہا تھا جس کی روشنی میں سوائے بیرک کے اس دروازے کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رات کے اس پہر گھنے درختوں سے لپٹے کیڑے مکوڑوں کے لڑنے کی آوازیں بھی خاموش تھیں۔

رات کا سحر تھا یا پھر ماحول کی پراسراریت' جس نے تینوں پر چند ثانئے کے لیے جیسے سکتہ ہی طاری کر دیا تھا۔

جیپ اس طرح کھڑی تھی کہ انہیں سامنے سوائے بیرک کے اور کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

"تم ابھی بیٹھو۔"

چکرورتی نے ایک فقرہ کہہ کر ماحول کے سکوت کو توڑا اور ان کو سکتے کی کیفیت سے باہر نکالا۔

تینوں نے سحر زدہ معمول کی طرح اثبات میں گردن ہلا کر اس کے فیصلے پر صاد کیا۔

چکرورتی جیپ سے نیچے اتر گیا۔

ڈرائیور اپنی سیٹ پر ہی چوکس بیٹھا رہا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جیپ رکنے پر بھی کسی نے بیرک سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

کیپٹن چکرورتی ان کے سامنے سے گھوم کر بیرک کے دروازے تک پہنچا تو گرین دروازے میں حرکت ہوئی اور وہ کسی جادوئی عمل سے کھل گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دروازے کھولنے والے کی شکل ابھی بھی انہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ چکرورتی اندر چلا گیا اور دروازہ اسی طرح بند ہو گیا۔

شاید یہ دروازے کسی میکنزم سے کنٹرول ہو رہا ہو۔

ابھی تک انہیں کوئی پہرے دار بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

لیکن.....

وہ سب محسوس کر سکتے تھے کہ ان کی معمولی سی حرکت پر بھی نظر رکھی جا رہی ہے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کسی خفیہ کیمرے سے ان کی مکمل مانیٹرنگ کی جا رہی ہے۔

ماحول کے اسی اسرار کو توڑنے کے لیے ہی شاید مشتاق نے سگریٹ سلگایا تھا اور لائیٹر سے بلند ہوتے ہوئے شعلے نے چند سیکنڈ کے لئے جیپ کے اندر کے ماحول کو ضرور واضح کر دیا تھا۔

طاہر نے دیکھا' اس کے دونوں ساتھی بہت سنجیدہ تھے۔

"میں تو یار تھک گیا ہوں۔"

"اور میں بھی..... تمہارا کیا حال ہے؟"

سلیم نے جان بوجھ کر مشتاق کو بھی اسی گفتگو میں شامل کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہمیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

مشتاق نے بظاہر جماہی بھی لی تھی۔

ڈرائیور نے ان کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔

اچانک انہیں پہلے کی طرح دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور تینوں چوکنے ہو گئے۔ کھڑکی کی طرف بیٹھے طاہر نے جان بوجھ کر شیشے کو گرا لیا تھا۔ یہی عمل سلیم نے بھی دہرایا۔ دوسرے ہی لمحے انہیں بلب کی زرد روشنی میں کیپٹن چکرورتی دکھائی دیا جو ان کی طرف آ رہا تھا۔ دروازہ اس کے تعاقب میں پھر بند ہو گیا تھا۔

"چلو....."

چکرورتی نے اپنی سیٹ سنبھالنے پر ان کی طرف دیکھے بغیر ڈرائیور سے کہا۔

انجن سٹارٹ ہونے کی آواز نے انہیں ماحول میں زندگی سرایت ہو جانے کا احساس دلایا۔

اور.....

جیپ رینگتی ہوئی لوہے کے اس آہنی دروازے کی طرف بڑھی جو انہیں جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دکھائی دے رہا تھا۔

جیسے ہی جیپ وہاں پہنچی' دروازہ اپنی جگہ سے سرک گیا۔

شاید یہ دروازہ بھی الیکٹرک کنٹرول تھا کیونکہ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دوبارہ اپنی لی حالت پر واپس آ گیا۔

اب وہ ایک سڑک پر چل رہے تھے' جس کے دونوں طرف میدان آور میدان کے کونے اندھیرے میں ڈوبی عمارات زرد بلبوں کی بیمار روشنی میں جھانکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

ی ہی ایک عمارت کے سامنے جیپ رک گئی۔

"سامان اٹھا لو... اور نیچے آ جاؤ۔"

کیپٹن چکرورتی نے کہا۔

تینوں اپنے اپنے سامان سمیت ان کے تعاقب میں چل رہے تھے' جب اچانک ہی ان کے وہ طبق روشن ہو گئے۔

سامنے شب خوابی کے مختصر لباس میں ایک لڑکی ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کئے ری تھی۔

"ویل کم....."

اس نے جان لیوا مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی۔

"اوکے' گڈ بائی۔"

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کیپٹن چکرورتی نے کہا اور واپس گھوم گیا۔

تینوں کے اعصاب پر بجلیاں گراتی اس لڑکی نے ان کی رہنمائی ایک کمرے تک کی جو آج ا کی خوابگاہ بننے والا تھا' جہاں تین بستر سلیقے سے سجے ہوئے تھے۔

"میرا نام کامنی ہے۔ کامنی اگروال۔ میں یہاں آپ لوگوں کی خدمت کے لیے رکھی گئی ا۔ آپ کے کمرے میں یہ پش بٹن دبانے سے فوراً حاضر ہو جاؤں گی۔" اس نے حیرت زدہ پنچھیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر ان کی قیمت کا اندازہ لگاتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔ نے لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ بات کرنے کا انداز خاصہ بے تکلفانہ تھا۔

"میرا نام طاہر ہے۔ یہ سلیم اور یہ مشتاق۔"

طاہر نے مناسب جانا کہ اپنا تعارف بھی کروا ہی دے۔

"شکریہ۔ لیکن یہاں ہم ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے جب تک کہ اس کی اجازت و۔ ابھی آپ نئے ہیں۔ کل آپ کو یہاں کے رولز اینڈ ریگولیشنز کا علم ہو جائے گا۔"

اس نے عجیب سی بات کہہ کر طاہر کو گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔

طاہر کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدلا' پھر وہ نارمل ہو گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

شاید اس تبدیلی کو کامنی نے محسوس کر لیا تھا۔

"میری بات کا برا مت ماننا پلیز' کیونکہ مجھے آپ کو خوش رکھنے کے لیے ہی یہاں پر گیا ہے۔"

اس نے بے تکلفی سے آگے بڑھ کر طاہر کا کندھا تھپتھپایا۔

انہیں کمرے کے استعمال اور صبح کے ناشتے کے متعلق آگاہی دینے کے بعد وہ کنیزوں طرح کورنش بجاتی ہوئی واپس چلی گئی۔

تینوں خاصے تھکے ہوئے تھے۔ جو کپڑے انہوں نے پہن رکھے تھے' ان کپڑوں سمیت وہ اپنے اپنے بستر پر گر پڑے۔

اور.....

صبح تک گہری نیند سوئے رہے۔

طاہر البتہ معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز سے پہلے ہی جاگ گیا تھا۔ اسے نجانے کیو اس وقت وہ سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔

○ ○ ○

"اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ ناقابل برداشت۔"

اس روز جب وہ کرنل صاحب کے ساتھ ایک سرحدی ریسٹ ہاؤس میں بیٹھا تھا تو انہو نے وہاں پر موصول ہونے والی اطلاع کے بعد قدرے افسوس اور غصے کے لہجے میں بڑی آہستگ سے کہا۔

طاہر خاموش رہا کیونکہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ وہ اپنا مشن مکمل کر کے آج ہ واپس آیا تھا اور رات ایک سرحدی پوسٹ پر بسر کرنے کے بعد صبح سویرے یہاں پہنچا دیا گیا جہاں کرنل صاحب حسب سابق اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

دو تین منٹ تک وہ خاموشی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سگریٹ نوشی کرتے رہے۔

طاہر ان کی اس عادت سے اب تک واقف ہو چکا تھا کہ جب بھی کرنل صاحب نے کس فیصلے پر پہنچنا ہوتا ہے' وہ اسی طرح اٹھ کر سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے کمرے میں ٹہلتے رہتے جس کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ کر پرسکون ہو کر بیٹھ جاتے۔

طاہر نے محسوس کیا تھا' عام حالات میں کرنل صاحب سگریٹ نوشی بہت کم کیا کرتے تھے لیکن ایسی صورت میں مسلسل سگریٹ سلگائے رکھتے۔

انہوں نے اس مرتبہ طاہر سے کچھ نہیں کہا تھا۔

اب وہ بالکل نارمل تھے اور اس سے معمول کی باتیں کر رہے تھے۔ اس کے مشن سے متعلق تفصیلات طلب کر رہے تھے۔

"میرے خیال سے اب تم ایک ماہ مکمل آرام کرو کیونکہ اس مرتبہ کام زیادہ اہم اور قدرے مشکل بھی ہو گا۔"

بالآخر انہوں نے کہہ دیا۔

طاہر سمجھ نہ سکا کیونکہ اصولاً" اسے چند روز بعد واپس چلے جانا تھا۔ ابھی اس کا مشن نامکمل تھا اور اس کا ایک ہی حصہ مکمل ہوا تھا۔

لیکن.....

وہ کوئی سوال پوچھنے کا مجاز نہیں تھا۔

اس بزنس کا پہلو اور حتمی اصول یہی تھا کہ یہاں احکامات پر عمل کیا جائے اور اس حد تک ہی تفصیلات طلب کی جائیں جس حد تک ضروری ہوں یا پھر متعلقہ باس جس حد تک بتانا ضروری سمجھے۔

کرنل صاحب نے اس سے چند روز بعد ملاقات کرنے کے لئے کہا تھا۔

اور.....

یہ چند روز اگلے دس روز پر پھیل گئے۔ گیارہویں روز اسے کرنل صاحب کی طرف سے ملاقات کا پیغام ملا تو وہ قدرے مطمئن ہوا۔ ابھی تک اس کا تجسس قائم تھا۔

○ ○ ○

کرنل صاحب سے اس کی اگلی ملاقات بڑی ہنگامہ خیز تھی۔

ان کے ساتھ دو اور سینئر افسران تھے جنہوں نے اسے ایس ایس بی سے متعلق بریفنگ دی اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"سپیشل سروسز بیورو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں میں اپنی نوعیت اور ہیئت کے اعتبار سے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ایجنسی ہے' جس کا قیام صرف اور صرف پاکستان میں تباہی پھیلانے کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔ پاکستانی سرحد سے کچھ ہی فاصلے پر یہ لوگ موجود رہتے ہیں اور ہر لمحے تباہی کے کسی نہ کسی منصوبے پر عمل پیرا۔ یہ گمراہ اور بھٹکے نوجوانوں کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے اور پھر اسے تباہ کاری کی تربیت دے کر ہمارے ہاں بربادی پھیلانے کے لیے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

لانچ کر دیتے ہیں۔" ایک سینئر افسر دیوار پر لگے ایک نقشے پر مختلف جگہ چھڑی رکھ کر نشاندہی کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔ اس نے اس نقشے پر ایس ایس بی کے مختلف تربیتی کیمپس' ان کے طریق کار' ان کی قوت اور ان کے طریقہ واردات سے متعلق تفصیلات بتا رہا تھا۔

"یہ لوگ بھارتی انٹیلی ایجنسیوں کی کریم ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے شعبے میں ماہر تربیت سمجھے جاتے ہیں۔ عموماً" ان کا انتخاب بھارتی ایس ایس بی "سپیشل سروس بیورو" کمانڈوز میں سے کیا جاتا ہے اور یہ تخریب کاری کے نہ صرف ماہر ہوتے ہیں بلکہ اپنے فن میں اختراع کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر دفعہ نئے ہتھکنڈوں اور ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ ہم ابھی ان کی سابقہ طریقہ واردات کا توڑ تلاش کر رہے ہوتے ہیں اور وہ کوئی نئی تباہ کاری کی تکنیک اپنا لیتے ہیں۔"

اس نے چند ثانئے کے لئے رک کر سگریٹ سلگایا' پھر سامنے دیوار پر لگے نقشے پر اپنی چھڑی کی نوک ایک جگہ رکھ کر طاہر سے مخاطب ہوا۔

"یہ ہے ڈیرہ دون..... بھارتی فوجی افسران کی تربیت کا مشہور زمانہ سینڈ ہرسٹ کالج بھی یہاں موجود ہے۔ یہ راستہ جو قدرے پہاڑی اور جنگلات سے ڈھکا ہے۔ بٹواری کی طرف جاتا ہے۔ ڈیرہ دون سے مسوری کی طرف جانے والی سڑک پر یہ کیمپ آتا ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر "چکراتا کیمپ" موجود ہے۔ بٹواری کیمپ ڈیرہ دون کے شمال میں ہے۔ بٹواری اور چکراتا کے درمیان بمشکل دس بارہ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ بٹواری کیمپ حال ہی میں بنایا گیا ہے' جسے ایک بریگیڈیئر ملہوترا چلا رہا ہے' جس کی مدد کے لیے بھارتی کمانڈوز کی دو کمپنیاں موجود ہیں۔ بریگیڈیئر ملہوترا کو "را" کا خصوصی تعاون حاصل ہے۔ بھارتی فوج کے بہترین انسٹرکٹر جو اپنے فن میں ہر عبور رکھتے ہیں' اس کی ٹیم میں شامل ہیں۔ یہاں خالصتاً" تباہ کاری کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہیں دہشت گردی کو ایک آرٹ کی طرح پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے۔ یہاں وہی ایجنٹ لائے جاتے ہیں جو اپنی وحشت کی انتہا کو چھو رہے ہوں' جن میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی ہو۔ تم اسے "رومن اکھاڑہ" بھی کہہ سکتے ہو۔ یہاں کے انسٹرکٹر جان بوجھ کر ایسے مواقع پیدا کرتے ہیں کہ دو ایجنٹوں کو جو وہاں زیر تربیت ہوں' آپس میں وحشیانہ جنگ پر آمادہ کریں۔ ان میں سے ایک عموماً" اپنی کوئی نہ کوئی ہڈی تڑوا لیتا ہے۔"

اس نے براہ راست طاہر کی آنکھوں میں جھانکا' پھر کرنل صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"یہاں ایک دوسرے کا خون بہانے کی مکمل آزادی ہے۔ اصل میں یہ سب طور طریقے ایک دوسرے کو انسان سے درندہ بنانے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ بریگیڈیئر ملہوترا کی کوشش

ہوتی ہے کہ یہاں سے نکلنے والا کوئی بھی ایجنٹ مکمل درندہ بن جائے۔ جو لوگ ہمارے ملک میں سکولوں کے بچوں کو بم دھماکوں سے اڑا رہے ہیں' بارگاہوں میں نہتے اور بے گناہ انسانوں کا بے دریغ خون بہا رہے ہیں' معصوم بچوں کو اغوا کرنے کے بعد بے رحمانہ انداز سے ان کے جسم کے انگ انگ کاٹ کر انہیں مار رہے ہیں' وہ سب اسی بریگیڈیئر ملہوترا کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ سب ایس ایس بی اور بٹواری کیمپ سے تربیت یافتہ ہیں۔"

اس نے اس کیمپ سے متعلق ایسے ایسے روح فرسا واقعات اسے سنائے تھے کہ اب طاہر کو گھن سی آنے لگی تھی۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ اطمینان سے اس کے پہلو میں موجود کرسی پر بیٹھ گیا۔

○ ○ ○

اچانک ہی کرنل صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تمہیں تمہارے ایک ساتھی سلیم کے ساتھ اس کیمپ میں لانچ کیا جا رہا ہے۔ تمہارا یہ ساتھی جو تھوڑی دیر بعد تمہیں ملنے والا ہے' تمہاری طرح اپنے فن میں طاق اور بہادر ہے۔ طاہر بیٹے! اس کیمپ کو برباد کر کے رکھ دو۔ اسے تہس نہس کر دو۔ یہی ایک طریقہ ہے دشمن کو مثبت جواب دینے کا۔ اسے بتانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنی قومی سلامتی اور سالمیت کے دشمنوں کا آخری حد تک تعاقب کرتے رہیں۔ اس وقت تک جب تک کہ ہماری بربادی کا خواب دیکھنے والوں کو ہم برباد نہ کر کے رکھ دیں۔"

انہوں نے اپنی بات کہہ کر جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تیار ہوں سر۔"

طاہر نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر بڑے مضبوط اور پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ کرنل صاحب نے تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا۔ میں جانتا ہوں یہ تمہیں جہنم میں جھونکنے والی بات ہے' لیکن کسی نہ کسی کو اس آگ کا ایندھن بننا ہی ہے۔ تب ہی یہ آگ ٹھنڈی ہو گی۔ تب ہی یہ آگ بجھ پائے گی۔"

انہوں نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

ایک مرتبہ پھر وہی سینئر آفیسر اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے مختلف خدشات اور سوالات کے جوابات دے رہا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسی اثنا میں کیپٹن صاحبؒ نے کمرے میں داخل ہو کر شاید کسی نئے مہمان کی آمد اطلاع دی تھی۔

کرنل صاحب نے اثبات میں سرہلایا۔

اور.....

دوسرے ہی لمحے سلیم مسکراتا ہوا کیپٹن صاحب کی معیت میں اندر داخل ہوا۔

طاہر نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا تھا۔

"یہ تو عابد ہے۔"

قریباً" ایک سال پہلے دونوں بھارت ہی میں ایک مشن کے دوران ایک دوسرے سے تھے' تب اس کا نام عابد تھا۔

لیکن.....

اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

تب اس کا نام بھی عباس تھا۔

یہاں نام تو ہر دوسرے روز بدل جاتے تھے۔ کبھی کبھی انہیں اپنا اصلی نام بھی اس میں بھول جایا کرتا تھا۔

بہرحال اب انہیں ایک دوسرے کو طاہر اور سلیم کے نام سے ہی شناخت کرنا تھا۔

سلیم نے بڑی گرمجوشی سے اس سے معانقہ کیا اور دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف کر مسکرا رہے تھے۔

"امید ہے تم دونوں ماضی کی طرح مستقبل میں بھی بہترین دوست ثابت ہو گے۔"

کرنل صاحب نے ان کی مسکراہٹوں میں حصہ ڈالا۔

"کیوں نہیں سر۔"

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ کمرے اس وقت تینوں موجود تھے۔ باقی لوگ باہر چلے گئے تھے۔ کرنل صاحب اور ان دونوں کے سا چائے کی پیالیاں دھری تھیں اور سلیم اسے بتا رہا تھا کہ وہ طاہر کو کس (Cover) کے ساتھ ا ایس بی کے اس گڑھ تک لے جانے میں کامیاب ہو گا۔

○ ○ ○

طاہر جانتا تھا جس طرح بھارتی انٹیلی جنس نے اپنے ڈبل ایجنٹوں کا جال یہاں بچھا

ہے' اس طرح یہ لوگ بھی دشمن کی چالوں سے باخبر رہنے کے لیے اپنے ایجنٹوں کو بھارتی انٹیلی جنس میں داخل کر دیتے تھے۔

سلیم نے دو سال کی محنت شاقہ کے بعد دشمن کا اتنا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اب اسے اپنے ملک سے رنگروٹ بھرتی کر کے بھارتی کیمپوں تک پہنچانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس نے ایس ایس بی تک "را" کی ذریعے رسائی حاصل کی تھی اور ایک ملک دشمن لسانی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد اس کے سرگرم ممبر کی حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کروایا تھا۔

یہ بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

اس کھیل میں دشمن کو معمولی سا شک گزرنے کا مطلب سوائے موت کے اور کچھ نہ تھا۔ طاہر اس کی سنگینی کا ادراک رکھتا تھا۔

گو کہ ان کا کام ہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی بسر کرنا تھا اور وہ ہر لحہ تلوار کی دھار پر ہی چلا کرتے تھے۔

لیکن.....

یہاں کم از کم انہیں دشمن کے باخبر ہونے کی صورت میں بھاگنے کے یکساں مواقع تو حاصل تھے جب کہ "ڈبل ایجنٹ" کے کھیل میں ایسا نہیں تھا۔

وہاں تو وہ ہر لحہ دشمن کی گرفت میں ہوتے تھے۔

معمولی شک گزرنے پر انہیں بے نام موت مل سکتی تھی۔

تخریب کاری کے ان تربیتی مراکز میں جانے والے کسی بھی گروپ کے مکمل نوجوان خوش قسمتی سے ہی لوٹا کرتے تھے۔

عموماً" ان میں ایک آدھ کو ضرور مار دیا جاتا تھا۔

اس طرح وہ لوگ دوسرے مقاصد حاصل کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ کسی شک کے بعد محض زر خرید ایجنٹوں پر دباؤ بڑھانے کے لیے ان کے ایک ساتھی کو ان کی نظروں کے سامنے اذیتیں دے دے کر اس لیے ہلاک کر دیا کرتے تھے کہ وہ فرار یا غداری کی صورت میں اپنے انجام سے ڈرتے رہیں اور آنکھیں بند کر کے اپنے آقاؤں کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں۔

جب کہ دوسری طرف مرنے والے کے ساتھی اس لیے مطمئن رہتے تھے کہ ان کے حلقوں میں اب کوئی مخبر باقی نہیں رہا۔

وہ خود اپنے کسی بھی ساتھی پر معمولی سا شک گزرنے پر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے تاکہ باقی سب لوگ محفوظ رہیں۔

چوہے اور بلی کے اس کھیل کو بھارتی انٹیلی جنس بڑی کامیابی سے کھیل رہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سلیم نے ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا تھا کیونکہ ان کے احکامات پر وہ اب تک دو "کامیاب دھماکے" کر چکا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ دھماکے خود ساختہ تھے۔

لیکن.....

کمال یہ تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس کے نزدیک وہ اس کی کامیاب ترین کارروائیاں تھیں جن کے نتائج بھی ان کی مرضی کے مطابق ہی برآمد ہوئے تھے۔

اس نے طاہر کا غائبانہ تعارف ایک مفرور' اشتہاری سٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے کروایا تھا۔ اپنے آقاؤں کو بتایا تھا کہ اس نے طاہر کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

اور.....

اب وہ اس کے حکم پر کنویں میں چھلانگ لگانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

اس نے طاہر کا غائبانہ تعارف انتقام کی آگ میں جھلستے ایک باغی کی حیثیت سے کروایا تھا جو اپنے ملک کی ایڈمنسٹریشن کو تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا اور اپنے انتقام کے چکر میں سب کچھ جلا کر راکھ کر دینے کا عزم رکھتا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو اس نے طاہر کا تعارف اتنا بڑھا چڑھا کر کروایا تھا کہ اس نے فوراً" ہی طاہر کی بھرتی کے لیے اسے اوکے کا سگنل دے دیا تھا۔

اور.....

سلیم نے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے کرنل بھاٹیہ کی توقع سے زیادہ ایڈوانس کی ڈیمانڈ کر دی تھی جس سے کرنل کا یقین مزید پختہ ہو گیا تھا۔

"پیسوں کی پروا مت کرنا۔ ہمیں ادھر پنجاب میں تین چار کام کے لونڈے چاہیں۔ میرا مطلب سمجھتے ہو نا تم۔"

کرنل نے اس کے سامنے اپنے پستول کا چیمبر لوڈ کرتے ہوئے کہا۔

سلیم اس وارننگ کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں ایک بڑی سی گالی کرنل کو دی اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"سرا میں بڑا محتاط آدمی ہوں۔ ابھی تک میرے بچے رہنے کا راز بھی یہی ہے۔ میں نے آج تک کوئی ایجنٹ بھرتی نہیں کیا۔ اب بھی بہت سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر اس گیم میں ہاتھ ڈالا ہے۔ سرا آپ کو ہیرا دے رہا ہوں۔ آج تک ایسا سورما کسی ماں نے نہیں جنا۔ سالے نے ایک ہی مقابلے میں تین پولیس والے مار دیئے تھے۔ بس اس کی ایک ہی کمزوری ہے پیسہ' اسے

پیسہ چاہیے۔ عورت اور شراب سے تو یوں بھاگتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔"

اس نے کرنل بھاٹیہ کو اپنی چرب زبانی سے بالآخر اچھی طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ اس فن میں وہ ماہر تھا۔

کرنل بھاٹیہ کا اشتیاق اس نے اتنا بڑھایا کہ اب وہ سلیم سے تقاضا کر رہا تھا کہ وہ جتنی جلد ممکن ہو' اسے بھارت لے آئے۔

کرنل بھاٹیہ کو پنجاب میں ایسے تین چار لڑکوں کی اشد ضرورت تھی۔ اگر وہ دو تین کامیاب دھماکے ادھر کروا دیتا تو اس کے کندھوں پر بریگیڈیئر کے سٹار لگنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

اگر ملہوترا جیسے گدھے کو ان لوگوں نے بریگیڈیئر بنا دیا ہے تو اسے کیوں نہیں..... وہ بہرحال ملہوترا سے زیادہ اچھی کارکردگی کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ ستم بالائے ستم کہ اب اسے اس کیمپ میں بھی ملہوترا کے ڈپٹی کی حیثیت سے خدمات انجام دینا تھیں۔

"آل رائیٹ ملہوترا..... دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اور ہاں This is between me and you (یہ صرف میرے اور تمہارے درمیان ہے۔)"

اچانک ہی وہ سلیم سے سرگوشی میں مخاطب ہوا۔

"سرا آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں بریگیڈیئر صاحب کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دوں گا۔" اس نے کرنل بھاٹیہ کا عندیہ بھانپ لیا تھا۔

"ویل..... ایسی کوئی بات نہیں ہے' لیکن میں انہیں "سرپرائز" دینا چاہتا ہوں۔" کرنل نے گھنی مونچھوں کے پیچھے سے دانتوں کی نمائش کی۔

وہ کم از کم یہ تو ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس دو ٹکے کے مسلے کو بھارتی فوج کے دو افسران کی معاصرانہ چشمک کا احساس بھی ہونے پائے۔

"As you wish سر۔" (جیسی آپ کی خواہش جناب۔)

سلیم نے چاپلوسی کے انداز میں دانت نکال دیئے۔

کرنل نے اسے اس مرتبہ بطور خاصا بڑا ٹریٹ دیا تھا اور روانگی پر اس کی ڈیمانڈ کردہ کھلی رقم اسے نقدی کی صورت میں تھما دی تھی۔ حالانکہ یہاں اصول یہی تھا کہ آدھی رقم ایڈوانس اور آدھی رقم کام ہونے کے بعد دی جاتی تھی لیکن.....

کرنل بھاٹیہ نے اس سے بے پناہ امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور اب تمام اصول و ضوابط جہنم میں جھونک کر اس کو خوش کرنے پر تلا ہوا تھا۔ یوں بھی ان کے پاس لٹانے کے لیے خاصی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

رقم موجود تھی۔

○ ○ ○

ویزہ کے لیے طاہر کا نام پہلے ہی سے بھارتی قونصلیٹ میں پہنچ چکا تھا۔

لیکن.....

ان کا ویزہ معمول کے مطابق ہی لگا تھا۔ عام لوگوں کی طرح انہیں بھی قطار میں لگ کر دھکے کھانے پڑے تھے۔ دونوں طرف سے یہ ضروری سمجھا گیا تھا۔

جس روز ویزہ لگوا کر طاہر اور سلیم واپس لوٹے' اگلے ہی روز سلیم کو "را" کی طرف سے پیغام مل گیا کہ مشتاق نامی نوجوان ان کی ملاقات کو آ رہا ہے جس سے طاہر کو ملانا ضروری ہے کیونکہ اسی نے سفر کا بندوبست کرنا تھا۔

اس طرح مشتاق ان سے آن ملا۔

مشتاق کی ملاقات سے علیحدگی تک اس کی مکمل نگرانی کی جا رہی تھی اور دشمن ایک دہشت گرد کی شناخت ہونے کے باوجود وہ لوگ اسے گرفتار نہیں کر سکتے تھے مگر اس کھیل کے اصول دنیا کی تمام کھیلوں سے نرالے تھے۔

یہاں بادشاہ کو مات دینے کے لیے دو تین مہرے مروا دینا معمول کی بات سمجھی جاتی تھی۔

سلیم کے ذریعے اب تک دشمن کے چھ اہم ٹینٹ اس ملک میں ایکسپوز ہو چکے تھے۔ ان سب پر پاکستان انٹیلی جنس نے کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ ان کے خلاف ضرورت کے مطابق مناسب کارروائی بھی کی گئی تھی۔

لیکن.....

کسی ایک مرحلے پر بھی "را" کو اس بات کا احساس نہیں ہونے پایا تھا کہ ان کی صفوں میں کوئی ڈبل ایجنٹ گھس آیا ہے۔

کوئی ایسا گھر کا بھیدی جو وقت آنے پر ان کی لنکا ڈھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ مشتاق نے اپنی دانست میں طاہر سے متعلق مکمل تفتیش کی تھی۔ وہ شاید یہاں کا مقامی سپائی ماسٹر تھا۔

مشتاق اپنی دانست میں اچانک ہی ان سے ٹکرایا تھا۔

لیکن.....

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس کی توقعات سے بڑھ کر سمارٹ تھے۔ "را" نے اپنے مقامی سپائی ماسٹر اور ایجنٹوں کو پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں سے بچانے کا بظاہر بہت فول پروف

نظام بنا رکھا تھا۔

مشتاق نے سلیم سے ملاقات کا کوئی وقت یا مقام طے نہیں کیا تھا۔ صرف اس سے اگلے دو دن کی مصروفیات اور اس کے ممکنہ مقامات جہاں ملاقات ممکن تھی' دریافت کئے تھے۔

اور.....

سلیم جو اس سارے کھیل کے داؤ پیچ سیکھنے کے بعد میدان میں اترا تھا' اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

اس نے ٹیلی فون پر اپنے تین چار ایسے ممکنہ ٹھکانے بتائے تھے جہاں مشتاق اور اس کی ملاقات کی صورت میں دونوں کی مکمل نگرانی آسانی سے کی جا سکے۔

اور .....

یہی ہوا۔

مشتاق کو تو اس بات کی خبر نہ ہو سکی کہ وہ جس فون نمبر پر سلیم سے بات کر رہا تھا وہ نمبر بھی "بگ" تھا۔

سلیم نے اسے پانچ منٹ تک اپنے ساتھ گفتگو میں الجھائے رکھا تھا اور اس دوران اس جگہ کی نشاندہی ہو چکی تھی جہاں سے مشتاق اسے فون کر رہا تھا۔

یہ شہر کی ماڈرن کالونی کا ایک بنگلہ تھا جو ایک ریٹائرڈ افسر کا مسکن تھا۔ اس طرح دشمن کا ایک اہم ٹھکانہ پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکا تھا۔

○ ○ ○

اس روز بھی مشتاق اپنی دانست میں سلیم سے اچانک ہی ٹکرایا تھا لیکن اسے علم نہ ہو سکا کہ اس کے یہاں پہنچنے تک کی مکمل فلم بھی بن چکی تھی اور دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سلیم کے کوٹ کی جیب میں چھپے چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ ہو چکا تھا۔

مشتاق کی ہدایت پر اس نے طاہر کو فون کر کے اسے کیفے پر طلب کر لیا تھا' جسے سلیم نے اپنے ایک دوست کی ملکیت بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ دن کا بیشتر حصہ یہیں گزارتا ہے۔ مشتاق کو علم نہیں ہو سکا کہ وہ انٹیلی جنس کا ایک "سیف ہاؤس" تھا' جسے وہ لوگ بطور "آر۔وی" (دو ایجنٹوں کی ملاقات کی جگہ) استعمال کیا کرتے تھے۔

طاہر فون ملنے کے بعد مناسب وقفے سے وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنے انداز و اطوار سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

مشتاق کو ضرورت سے زیادہ ہی متاثر کر دیا تھا۔

مشتاق نے اس سے متعلق وہی رپورٹ کرنل بھاٹیہ کو دی تھی جو اس سے پہلے سلیم د
چکا تھا۔

اور.....

کرنل بھاٹیہ نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے طاہر کو بڑے احترام اور عزت
بھارت پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

مشتاق کو یہ علم نہیں تھا کہ پاکستان انٹیلی جنس سے متعلق "مائز" (دشمن سے متعل
معلومات حاصل ہو جانا) کر چکی ہے اور مستقبل میں اسے بطور کنفیوژن ایجنٹ (دشمن کی صفو
میں غلط اطلاعات پہنچا کر انتشار پیدا کرنے والے ایجنٹ) کے کردار کے لیے بھی منتخب کیا جا
ہے۔

یہ کام پاکستان انٹیلی جنس نے مشتاق کو جو اب ان کا "سیکنٹ" بن چکا تھا' لاعلم رکھ
انجام دینا تھا۔

تیسرے روز مشتاق کی طرف سے انہیں تیاری اور روانگی کا سگنل مل گیا۔ ٹکٹ انہوا
نے اکٹھے ہی خریدے۔

اور.....

مزید دو روز گزرنے کے بعد وہ تینوں ٹرین کے ذریعے دوسرے سینکڑوں مسافروں کے سا
بھارت کی طرف عازم سفر تھے۔

سٹیشن سے ٹرین میں بیٹھنے تک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے تما
معاملات معمول کے مطابق طے کیے تھے۔ قلی سے کسٹم تک ہر جگہ اس طرح رشوت دی تھ
جس طرح ٹرین کے باقی مسافر دیتے رہے تھے۔

یہاں سے دہلی کا سفر تھکا دینے والا تھا۔

لیکن.....

وہ اس سے یوں محفوظ رہے کہ امرتسر' جہاں سے انہیں دوسری ٹرین پکڑنی تھی' پر ا
کے استقبال کی تیاری ہو چکی تھی اور دوسرے مسافروں کے برعکس وہ فرسٹ کلاس سے سفر ک
رہے تھے۔ ان کا ہم سفر کوئی مقامی شخص نہیں تھا۔ بس امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر ایک سردا
صاحب مشتاق کے ہاتھ میں تین ٹکٹ تھما کر چل دیئے تھے۔ انہوں نے زبان سے کچھ کہنے
تکلف بھی نہیں کیا تھا۔

البتہ مشتاق نے ریلوے سٹیشن سے دہلی کے ایک ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کر کے کچھ

معلومات اپنے سفر سے متعلق حاصل کی تھیں اور اپنے مالکان کو اپنی آمد سے بھی مطلع کر دیا تھا۔

○ ○ ○

"یار ابھی سو جاؤ۔ کیوں اپنی نیند کے ساتھ ہماری نیند بھی خراب کر رہے ہو۔"

علی الصبح اسے چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھے دیکھ کر سلیم نے اپنے بستر سے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

ابھی اس نے بمشکل کروٹ ہی بدلی تھی کہ دروازے پر بڑی شریفانہ دستک سنائی دی۔

طاہر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

اور.....

دوسرے ہی لمحے قریباً" سن ہو کر رہ گیا۔

یوں جیسے اس پر کسی نے اچانک سحر پھونک دیا ہو۔

دروازے کے سامنے کامنی اگروال کھڑی تھی۔

لیکن.....

اس کے جسم پر کپڑے نہ ہونے کے برابر تھے۔

شارٹس اور بکنی میں شاید وہ ورزش کرتی اس طرف آئی تھی اور یہاں سے پھر سوئمنگ کے لیے جانے والی تھی۔

"آئی ایم سوری! میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ آج..... آپ یہاں کے ڈسپلن کا حصہ بن چکے ہیں۔ ابھی چند منٹ میں بیڈ ٹی آئے گی جس کے پندرہ منٹ بعد آپ کو وہ سامنے والی ڈرل گراؤنڈ میں جانا ہے۔"

اس نے ہاتھ کی انگلی سے سامنے نظر آنے والی ایک گراؤنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔"

طاہر نے تھوک نگل کر کہا۔

اس کے لیے کامنی اگروال کا اس طرح اچانک سامنے آنا بوکھلا دینے کے لیے کافی تھا' لیکن..... اسے خود کو شریف زادہ نہیں بلکہ لچا لفنگا اور بدمعاش ثابت کرنا تھا۔

ایسا بدمعاش جس نے بظاہر شرافت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور جس کے لیے اس طرح شریفوں کے ساتھ ایسے ماحول میں ملاقات کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی دانست

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

میں خود کو چند سیکنڈ کے بعد نارمل کر لیا تھا۔

لیکن..... کامنی کے اچانک سامنے آنے پر اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے جیسے اچانک بدل گیا تھا۔ وہ کیفیت "را" کی مستعد ایجنٹ ہینڈلر (ایجنٹوں کو بھرتی کرنے اور تربیت دے کر ان سے کام لینے والی) کامنی اگروال کی عقابی نگاہوں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

ایس ایس بی کے اس مرکز میں موجود ہر انسٹرکٹر خصوصی علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ اپنے اپنے کام میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ایجنٹ کی نفسیاتی صورت حال سے بڑے چوکنے اور باخبر رہتے تھے۔

ان کی ایک ایک لمحے کی حرکات و سکنات کو "مانیٹر" کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

یہاں کا ہر انسٹرکٹر اپنے زیر تربیت ایجنٹ سے متعلق اپنی روزانہ کی رپورٹ لکھا کرتا تھا' جس میں بطور خاص یہ بتایا جاتا تھا کہ متعلقہ ایجنٹ کا آج کا رویہ کیسا رہا۔

اس سے متعلق ایجنٹ کے ذہن میں پیدا ہونے والا معمولی سا شک بھی اس ایجنٹ کی موت کا پیامبر بن سکتا تھا۔

ان انسٹرکٹروں کو اس بات کا بھی علم تھا کہ بسا اوقات زیر تربیت ایجنٹوں کے بھیس میں ان کے اپنے افسران بھی شامل ہوتے تھے' اس طرح ان پر "کاؤنٹر چیک" رکھ کر ان کی کارکردگی بھی مانیٹر کی جاتی تھی۔ اس کے لیے وہ بہت محتاط اور چوکنے رہتے تھے۔

کامنی اگروال نے البتہ پہلی ملاقات میں طاہر کے چہرے پر اچانک آنے والی گھبراہٹ کی لہر کو نجانے کیوں نظرانداز کر دیا تھا۔

اس نے جان بوجھ کر اس کا ذکر اپنی روزانہ کی رپورٹ میں نہیں کیا تھا' حالانکہ اس نے ان تینوں ایجنٹوں کو ریسیو کیا تھا اور اب ان کے کورس کے اختتام تک ان کی میزبانی اور نگرانی کے مکمل فرائض اس نے انجام دینے تھے۔

نجانے کیوں اسے پہلی ہی ملاقات کے بعد طاہر باقی دونوں سے الگ تھلگ اور کچھ عجیب سا دکھائی دیا تھا۔

لیکن.....

اسے خود حیرت ہو رہی تھی' اس نے ابھی تک اس سے متعلق اپنے ذہن میں آنے والے ان خیالات کو اپنے ریمارکس کے ساتھ اپنی ڈیلی رپورٹ میں کیوں درج نہیں کیا۔

"ہے اس میں ضرور کوئی خاص بات۔"

کامنی اگروال نے زیر لب کہا اور مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

صبح وہ آدھا گھنٹہ تیراکی کی عادی تھی۔

اس کی فٹ نس کا یہی راز تھا۔

وہ "بڑواری کیمپ" سے گذشتہ ڈیڑھ سال سے وابستہ تھی۔ اس دوران درجنوں دہشت گردوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے درندے بنا کر واپس ان کے ممالک کی سرحدوں پر دھکیلا تھا۔ ضرورت پڑنے پر ان زیر تربیت ایجنٹوں کی ہر جائز و ناجائز خواہش پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ بسا اوقات اسے اپنا آپ انہیں پیش کرنا پڑتا تھا' لیکن کامنی حیرت انگیز طور پر دوسروں سے مختلف تھی۔ یہ اس کی ڈیوٹی تھی۔ اس کی مذہبی اور سیاسی تعلیمات یہی تھیں۔ دوسری لڑکیاں اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ ان کے ساتھ ایک رات بسر کرنے والے دہشت گردوں نے یہاں سے واپس جانے پر ممکنہ نتائج فراہم کئے تھے۔ یہ ان کا آئز تھا۔ اس طرح ان کے ہم منصبوں میں اس کی توقیر بڑھتی تھی اور "ایجنسی" کی فائلوں میں اس کے نمبر بڑھتے جاتے تھے۔

ایس ایس بی کے اس تباہ کاری مرکز پر یوں تو براہ راست انٹیلی جنس کا کنٹرول تھا لیکن یہاں مختلف ایجنسیوں کے اعلیٰ دماغوں کو ڈیپوٹیشن پر بھیجا جاتا تھا اور بیشتر انسٹرکٹرز "را" کے فراہم کردہ تھے' جن میں کامنی اگروال بھی شامل تھی۔

○ ○ ○

صبح کا آغاز کامنی اگروال کے کہنے کے مطابق پریڈ سے ہوا تھا۔ انہیں جسم کو چوکس رکھنے کی ورزشیں کروائی جا رہی تھیں۔ یہ نیا بیچ تھا جس میں ان جیسے بیس اور نوجوان موجود تھے جن میں سے زیادہ کا تعلق سری لنکا سے تھا۔ طاہر نے وہیں اندازہ کر لیا تھا کہ یہ وہ تامل ہیں جنہیں بھارتی انٹیلی جنس تربیت دے کر ان کے ملک میں دھکیل دیتی ہے۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ بظاہر بھارتی حکومت نے تامل ٹائیگرز سے علیحدگی اختیار کی ہوئی ہے اور ان کے خلاف سری لنکا گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں لیکن اندر خانے کچھ اور معاملات چل رہے تھے۔ پھر اسے خود ہی اپنے سوالات کے جوابات بھی ملتے چلے گئے اور اسے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سمجھ آ گئی کہ ان کا واسطہ دنیا کی منافق ترین قوم سے ہے جس کا ایک ہی اصول ہے کہ اس کا کوئی اصول نہیں۔

ابھی تک کرنل بھاٹیہ نے اس سے براہ راست ملاقات نہیں کی تھی' لیکن وہ کامنی اگروال کے ساتھ پریڈ گراؤنڈ کے کونے میں بنی ایک بلڈنگ کی بالکنی میں آنکھوں پر دوربین جمائے طاہر کو فوکس کئے بیٹھا تھا۔ اس کی جہاندیدہ نظروں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ سلیم نے اس سے متعلق جو کچھ بتایا تھا' وہ اس سے کچھ زیادہ ہی ثابت ہو رہا تھا۔ کرنل بھاٹیہ کی ہدایت پر آج انسٹرکٹر نے جان بوجھ کر کچھ سخت قسم کی ورزشیں منتخب کی تھیں اور حیرت انگیز طور پر پندرہ بیس منٹ بعد جب ایک ایک کر کے نئے آنے والے لڑکے تھک کر ایک طرف بیٹھ چکے تھے' طاہر اپنی جگہ موجود تھا۔

انسٹرکٹر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"تم کراٹے کھیلتے ہو؟"

اس نے اچانک ہی سوال کر دیا۔

"یس سر! میں تھری ڈان ہوں۔"

طاہر نے جس کا جسم پسینے سے شرابور تھا' جواب دیا۔

"ہوں ں ں۔"

انسٹرکٹر نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور واپس مڑ گیا لیکن.....

اچانک ہی وہ پلٹا اور اس نے اپنی دانست میں طاہر کو بے خبر پا کر اس پر زبردست ہاتھ گھمایا لیکن..... اس کی توقعات کے برعکس اس کا ہاتھ صرف ہوا میں گھوم کر رہ گیا اور..... اس سے پہلے کہ انسٹرکٹر سنبھل کر دوسرا حملہ کرے' طاہر نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور بمشکل تین سیکنڈ میں انسٹرکٹر زمین چاٹ رہا تھا۔ یہ صرف مدافعاتی ایکشن تھا۔

ابھی اس نے حملہ نہیں کیا تھا۔ انسٹرکٹر تلملا کر غصے سے کھولتا ہوا اٹھا اور اس نے ہوا میں اچھل کر اپنی دونوں ٹانگیں طاہر کے سینے پر مارنے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس مرتبہ پھر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلا قدم اٹھائے' اچانک ہی اسے اپنی پشت پر تالیوں کی آواز سنائی دی۔

"ویل ڈن۔"

ایک بھاری بھرکم آواز نے کہا۔ طاہر بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی پشت پر کامنی اگروال اور کرنل بھاٹیہ کھڑے تھے۔

"ویل ڈن بوائے۔ ویل ڈن۔" کرنل بھاٹیہ نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ انسٹرکٹر اس کی

شکل پر نظر پڑتے ہی مودب ہو گیا تھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے بے تکلفی سے طاہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی تعریف کرتا اسے اپنے دفتر تک لے آیا۔ کامنی اگروال ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ طاہر نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہی متاثر نظر آ رہی تھی۔

"تشریف رکھیں۔" کرنل بھاٹیہ نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سامنے آرام دہ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ۔" کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔

"بھئی واہ کمال کے آدمی ہو۔ واقعی جیسا سلیم نے کہا' ویسا ہی پایا۔"

کرنل بھاٹیہ نے اپنی گھنی مونچھوں کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو سر۔" طاہر نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔ "مس کامنی اگروال سے تو مل چکے ہو گے؟"

اس نے اپنے ساتھ مودب کھڑی کامنی کی طرف اشارہ کیا۔ طاہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"گڈ۔ مجھے تم جیسے نوجوانوں ہی کی ضرورت ہے۔ مگر مسٹر طاہر! اگر تم چاہو تو اپنی حکومت کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہو۔ اپنی ایک ایک محرومی کا انتقام لے سکتے ہو۔"

اس نے رٹا رٹایا سبق طاہر کے سامنے دہرا دیا۔

"سر! میں انہیں تباہ کر دوں گا۔ برباد کر دوں گا۔ میں ایک ایک سے بدلہ لوں گا۔"

اس نے بظاہر غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے بریک فاسٹ ہم اکٹھے ہی کریں۔"

کرنل بھاٹیہ نے کامنی اگروال کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوکیس سر۔ کیوں نہیں سر۔"

کامنی نے کہا اور.....

باہر نکل گئی۔ شاید بریک فاسٹ کا بندوبست کرنے گئی تھی۔ کرنل بھاٹیہ نے اس دوران بڑے معصومانہ انداز میں طاہر کے منہ سے اس کی کہانی سننا چاہی تھی۔ اور..... طاہر نے وہ کور سٹوری اسے لفظ بلفظ دہرا دی جو وہ اس سے پہلے سلیم کی زبانی سن چکا تھا۔ اس کے لیے بڑی زبردست کور اسٹوری تیار کی گئی تھی۔ اس کا "بیک سٹاپ" (جاسوس جب خود ساختہ کہانی سناتے ہیں تو واقعتاً" موجود کیریکٹر کا مکمل بائیو ڈیٹا لے کر اس کی شکل میں خود کو وہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس میں بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ جو ان کا بیک سٹاپ ہو' اس سے متعلق کوئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

واقعاتی غلطی نہیں ہونی چاہیے ورنہ وہ کسی بھی مرحلے پر پکڑے جا سکتے ہیں کیونکہ مخالف انٹیلی جنس اسے چیک کرتی ہے۔) شاندار تھا۔

اس نے خود کو پاکستان کی ایک نام نہاد دہشت گرد طلباء تنظیم کے مفرور ممبر کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا جو بظاہر مفرور لیکن اصل میں پاکستان انٹیلی جنس کے قبضے میں تھا اور وہاں اس بات کے مکمل انتظامات موجود تھے کہ اس سے متعلق انکوائری پر اسے واقعی وہی طاہر خان سمجھا جائے جس کی اتفاق سے ابھی پریس میں کوئی تصویر نہیں چھپی تھی۔ اور اب اس کی تصویر ملنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

"مگر جینٹل مین! یہ سوانگ بہت دیر تک نہیں رچایا جا سکے گا۔ تمہیں بہت جلد' دنوں میں' چند دنوں میں' دس پندرہ دنوں میں اپنا کام کر کے وہاں سے نکل جانا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس تنظیم کا کوئی اور ممبر ایس ایس بی کے ہاتھ لگ جائے اور تم ایکسپوز ہو جاؤ۔"

اسے ساری کور سٹوری بریف کرنے کے بعد کرنل نے کہا تھا۔ "ایسا نہیں ہو گا سر۔ میں انشاء اللہ اس سے پہلے ہی اپنا کام کر لوں گا۔ آج تک اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے مجھے ناکامی کا منہ نہیں دکھایا۔ اس مرتبہ بھی انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گا۔"

اس نے حسب معمول بڑے یقین سے کہا تھا اور کرنل صاحب کے دل نے گواہی دی تھی کہ ایسا ہی ہو گا۔

ان کا اور طاہر کا گذشتہ چھ سال کا ساتھ تھا۔ اس درمیان اس نے درجنوں اہم مشن کیے تھے اور ہر مشن میں کامیاب لوٹا تھا۔ انہیں امید تھی کہ تاریخ خود کو ضرور دہرائے گی۔ حالانکہ اس مرتبہ اسے پل صراط سے گزرنا تھا۔

ایس ایس بی نے کبھی ایسی غلطی نہیں کی تھی جیسی اس کیس میں کرنل بھاٹیہ نے بریگیڈیئر لہوترہ کی ضد میں کر دی۔

اس نے جان بوجھ کر طاہر کی فائل کو کانفیڈینشل اور اپنے تک محدود رکھا تھا۔ ایسے اختیارات تو اسے حاصل تھے' لیکن..... آج تک اس کے کسی سینئر نے ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماتحت کی حیثیت میں کوئی خطرہ مول نہیں لیا کرتے تھے اور ہر ایجنٹ کی فائل اپنے کمانڈر کے سامنے ضرور پیش کیا کرتے تھے۔

بریگیڈیئر لہوترہ کے سامنے نئے گروپ کے نام گئے تو تھے اور باقی ایجنٹوں کے ساتھ ساتھ اس کا بائیو ڈیٹا بھی بھیجا گیا تھا' لیکن..... باقی ایجنٹوں کی طرح اس کی فائل نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کرنل بھاٹیہ سے کچھ دریافت کرتا' ہیڈ کوارٹر سے "ٹاپ سیکرٹ" کی وارننگ آ گئی تھی۔ بریگیڈیئر لہوترہ کو طیش تو بہت آیا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اس کا تعلق بھارت کی

فرسٹ آرمڈ کور سے تھا اور وہ ڈیرہ دون کا مانا ہوا انسٹرکٹر کہلاتا تھا' جب کہ کرنل بھاٹیہ ملٹری انٹیلی جنس سے آیا تھا اور فوجی افسران عموماً" انٹیلی جنس کے لوگوں سے کنی کترا کر گزر جایا کرتے تھے۔

○ ○ ○

اس نے خود کو یہ سوچ کر تسلی دے لی کہ ضرور اس میں کوئی مصلحت ہو گی اور یہ کرنل بھاٹیہ کا ذاتی نہیں بلکہ ہیڈ کوارٹر کا فیصلہ تھا۔ بریگیڈیئر لہوترہ یہاں ایک سال کے لئے ڈیپوٹیشن پر آیا تھا لیکن اس کی کارکردگی کے پیش نظر مزید چھ ماہ کے لیے اس کا قیام بڑھا دیا گیا تھا۔ وہ پروفیشنل سولجر تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ یہی اس کی ترقی کا راز تھا۔

لیکن.....

اگر اسے اس بات کا علم ہوتا کہ اس کی شاندار کارکردگی اس کیمپ میں اس کا قیام بڑھا دے گی تو وہ کبھی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرتا کیونکہ اسے یہ ماحول پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے کمانڈوز کو تربیت ضرور دی تھی اور ایس ایس بی ہیڈ کوارٹر میں ایک عرصہ رہا تھا' لیکن.....

تخریب کار اور دہشت گرد تیار کرنے کا تجربہ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ بریگیڈیئر لہوترہ کی ریٹائرمنٹ میں ایک سال باقی رہ گیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ بریگیڈیئر کی کمانڈ سے ہی ریٹائر ہو' لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کے تیس سالہ فوجی کیریئر پر کوئی معمولی سا وجہ بھی نالائقی یا کام سے جی چرانے کا لگ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو ہمیشہ چوکس رکھا تھا۔

کامنی اس مرتبہ ایک مودب ویٹر کے ساتھ آئی تھی جو ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا لا رہا تھا۔ انہوں نے وہیں بیٹھ کر ناشتا کیا۔ کامنی اس سے کچھ متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ کرنل بھاٹیہ کی اس میں بڑھتی ہوئی دلچسپی یا پھر مارشل آرٹس کا شاندار مظاہرہ ہی رہی ہو گی۔

"مس اگروال مسٹر طاہر ہمارا خاص مہمان ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا۔" اس نے چائے پیتے ہوئے کامنی کی طرف دیکھ کر "خاص" لفظ کو قدرے چباتے ہوئے اور آنکھ مار کر اپنی بات مکمل کی تھی۔

"اوہ۔ یس سر! میں نے مسٹر طاہر کو کل رات ہی بتا دیا تھا' میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اور..... اب تو آپ کا حکم بھی ہے ناں سر۔"

طاہر خوامخواہ مسکرا دیا۔ ناشتے کے دوران اس نے طاہر سے فری ہونے کی ہر ممکن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کوشش کر لی تھی کہ تاکہ کرنل بھاٹیہ کو یقین دلا سکے کہ اس نے کرنل کے احکامات کی ابھی سے شروع کر دی ہے۔

"آل رائیٹ۔ تمہارا کورس آج سٹارٹ ہونے والا ہے۔ وش یو گڈ لک۔"

"کرنل بھاٹیہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کہ انہیں اب چلے جانا چاہیے۔"

"تھینک یو سر۔ تھینک یو فار دس کمپلیمنٹ۔"

طاہر نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔

اور.....

باہر نکل گیا۔

کامنی اس کے تعاقب میں باہر آ گئی تھی۔ وہ طاہر سے خاصی متاثر دکھائی دے رہی تھی

"کمال کا مارشل آرٹس جانتے ہیں آپ۔ آپ نے....."

"میں نے اپنے ملک میں ایک جاپانی انسٹرکٹر سے سیکھا ہے۔ یہ میرا شوق تھا جو بعد ضرورت بن گیا۔ یہ احساس ہونے پر کہ اب مجھے اپنے سروائیول کے لئے ایک لمبی جنگ ہے' میں نے اس میں مہارت حاصل کی' لیکن کمال حاصل نہیں کیا۔ بس میں اپنے طور پر کچھ کچھ کرتا رہتا ہوں۔"

اس نے کامنی کی بات کاٹ کر کہا۔

"اوہ ونڈر فل۔"

کامنی نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ دونوں اپنے کمرے کے نزدیک پہنچ گئے تھے' جہاں مشتاق اور سلیم اسی کے منتظر تھے۔ دونوں کے لیے یہاں کے معمول کے مطابق ناشتہ ان کے کمرے پہنچ گیا تھا۔ ان کے کمروں کا انچارج پہلے ایک مودب بیرے کے ساتھ آ کر ان کی مرضی معلوم کے گیا تھا اور اگلے چند منٹ میں ان کی توقعات سے بڑھ کر شاندار اور بڑے ڈھنگ سے بنایا ناشتہ ان کے لیے پہنچ چکا تھا۔ ابھی وہ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے جب کامنی اور طاہر آ گئے

سلیم نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اسے اب تک یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں بھا کو طاہر پر شک نہ ہو گیا ہو کیونکہ طاہر کو اپنے کمرے میں لے جانا اس کے نزدیک کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ اب اسے سمجھ آنے لگی تھی کہ طاہر اس کی توقعات سے زیادہ ہی کوئی پہنچی ہ ہستی تھی۔ اس نے نہ صرف کرنل بھاٹیہ کو مطمئن کیا تھا بلکہ کامنی کو بھی شیشے میں اتار لیا تھ کامنی اس کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی تھی۔

دونوں نے کھڑے ہو کر اسے احترام دیا تھا۔

"بیٹھیں.... بیٹھیں۔ یہاں ہم برابر ہیں۔ بس ذرا ڈسپلن کا معاملہ ہے ناں۔ میں ایسے تکلفات کی قائل نہیں ہوں۔"

اس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ دونوں سحر زدہ سے بیٹھ گئے کیونکہ ان کی نظریں کامنی اگروال کے یہاں داخل ہونے کے بعد سے مسلسل اس کا طواف کر رہی تھیں۔ ٹریک سوٹ نے اس کے ساری جسمانی اسرار نمایاں کر دیئے تھے اور نہ چاہنے کے باوجود سلیم اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔ مشتاق کی بات البتہ اور تھی.....

وہ اپنا ضمیر اور ایمان رہن رکھ کر اس دیش میں یہی کچھ لینے تو آیا تھا۔ ان کے معاملات مختلف تھے۔ "آدھے گھنٹے بعد آپ دوبارہ پریڈ گراؤنڈ پہنچیں گے جہاں سے آپ کا انسٹرکٹر آپ کو اپنے ساتھ اگلی تربیت کے لیے لے جائے گا۔" کامنی نے ان کو بتایا۔ "آل رائیٹ میڈم۔" طاہر نے جواب دیا۔ "میں اب چلتی ہوں۔ آپ سے پھر ملاقات ہو گی۔" کامنی نے طاہر کی طرف دیکھ کر عجیب سا اشارہ کیا جسے وہ دونوں نوٹ نہیں کر سکے اور وہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"واہ استاد۔ بڑا معرکہ مارا ہے۔"

اس کے باہر جاتے ہی سلیم نے کہا۔

"ارے ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

طاہر نے انکساری سے کہا۔

"بات تو ہے۔ یہ معمولی چھوکری نہیں۔ کسی قسمت والے کو ہی لفٹ کرواتی ہے۔ میں تو سالی کو ایک رات حاصل کرنے کے لیے سارے ملک کو آگ لگا دوں۔"

مشتاق نے کہا۔

اور.....

طاہر کا خون کھول اٹھا۔ اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت کو اگلے ہی لمحے سلیم نے نوٹ کر لیا۔ وہ کچھ گڑبڑا گیا' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مشتاق جو کامنی کے جانے کے بعد سے مسلسل اپنے ملک کے خلاف لاف گزاف بک رہا ہے' وہ ضرور کوئی چال ہے۔ بسا اوقات ان لوگوں پر "چیک" لگا دیا جاتا تھا اور عین ممکن تھا کہ مشتاق کو ان پر نظر رکھنے کے لیے ہی ان کے درمیان چھوڑا گیا ہو۔

اس نے جان بوجھ کر بہانے سے اپنی پشت اس طرح مشتاق کی طرف کی تھی کہ وہ طاہر اور اس کے درمیان حائل ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے طاہر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں وارننگ دے کر نارمل رہنے کی تلقین کی۔ شاید طاہر نے بھی فوراً ہی غلطی کا احساس کر لیا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو چکا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اب وہ سلیم کی توقعات کے برعکس بڑی گرم جوشی سے مشتاق کی ہاں میں ہاں ملا رہا
اس نے اپنی دانست میں مشتاق کو مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی اور دونوں کو ا
تھی کہ وہ کامیاب رہے ہیں۔ "اچھا یار اب باتھ روم ہو آؤ۔ وقت کم ہے۔ سنا ہے وقت کی
سے پابندی کی جاتی ہے۔" سلیم نے طاہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ یار زندگی میں کبھی اس سالے وقت کو ہم نے اہمیت نہ
دی۔"

اس نے غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ مشتاق دوسرے باتھ روم کی طرف جا
تھا۔ اس کے یہاں سے ہٹنے پر طاہر نے لمبا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ اور.....

اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ مصیبت ان کے گلے کا ہار یونہی نہیں بن گئی۔ مشتاق واقعی ا
کا پرانا نمک خوار لگتا تھا اور شاید اس کا استعمال ہی یہی تھا کہ اسے "بٹواری کیمپ" میں آ
والے نئے بٹیروں کے درمیان چھوڑ کر ان کی مکمل چیکنگ کی جائے۔

بھارتی کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ خصوصاً" اس کیمپ میں جہاں دہشت
گردی کی تعلیم بڑے اعلیٰ اور جدید ترین پیمانے پر دی جاتی تھی۔ آدھا گھنٹہ گزرتے ہی ان کے
کمرے کے ایک کونے میں لگی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ فوراً" پریڈ گراؤ
میں پہنچیں۔ پریڈ گراؤنڈ میں تینوں اکٹھے ہی پہنچے تھے۔ کیپٹن پوسوال ان کا منتظر تھا' جس کے
ساتھ کامنی اگروال بھی کھڑی تھی۔ یہ کیپٹن پوسوال وہی انسٹرکٹر تھا جس نے صبح طاہر کے
ہاتھوں سبکی اٹھائی تھی۔

طاہر کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ اس کی جی چاہتا تھا ابھی اس کی
جگہ اس کے جسم میں ڈیٹونیٹر فٹ کرے اور اسے دھماکے سے اڑا کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لے
لیکن..... وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں کا ڈسپلن ہی ایسا تھا۔ خصوصاً" ایس ایس بی کے اس
کیمپ میں آنے والے دہشت گرد بھارتی ایجنٹوں کے نزدیک وی آئی پی دہشت گردوں کا درجہ
رکھتے تھے۔

○ ○ ○

پوسوال کا شمار اپنی بٹالین کے بدمعاش اور کرپٹ افسروں میں ہوتا تھا لیکن وہ حیرت انگیز
صلاحیتوں کا مالک بھی تھا۔ اس نے "روسی پیٹرن" کے ساتھ تربیت حاصل کی تھی اور ان کا شمار
بھارتی فوج کے جانے مانے کمانڈوز میں ہوتا تھا۔ اس نے روسی کمانڈوز کے ساتھ دنیا کے بدترین

دہشت گردوں کی تربیت حاصل کی تھی اور اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اب اپنی حس درندگی کو تسکین دینے کے لیے جانوروں کا خون پی جاتا تھا۔

اس کی ان خصوصیات کی وجہ سے اسے اس کیمپ میں بھیجا گیا تھا۔ وہ یہاں آنے والے گمراہ نوجوانوں کو آستین کے سانپ بنا کر ان کے گھروں کو واپس بھیجتا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس ایجنٹوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ "بٹواری کیمپ" میں کیپٹن پوسوال کے ساتھ پندرہ روزہ کورس کرنے کے بعد کسی بھی ایجنٹ میں انسانیت یا مذہب نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

جانوروں کی طرح انسانوں کی چیر پھاڑ اس کا شوق تھا۔ اس پر تین مرتبہ گینگ ریپ ثابت ہو چکا تھا' لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس کے خلاف کورٹ مارشل نہیں لگایا گیا تھا۔ وہ بلا کا شراب نوش اور عورتوں کے حوالے سے خاصا بدنام تھا۔ لیکن..... عجیب بات تھی کہ ان حرکات پر کبھی سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا گیا تھا۔

اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کا علم اور کسی کو ہو نہ ہو' خود کیپٹن پوسوال کو ضرور تھا۔ اسے آرمی کے اصولوں کے خلاف ورزی کرتے ہوئے متعدد مرتبہ ہمسایہ ممالک میں قتل و غارت گری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ہمسایہ ممالک کی مقتدر شخصیات کو اپنے آقاؤں کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ بریگیڈیئر ملہوترہ کے اس سے متعلق سٹینڈنگ آرڈر موجود تھے کہ اس کی تمام غیر اخلاقی حرکتوں کو آخر تک برداشت کیا جائے۔ کامنی اگروال اور پوسوال کی دوستی چند روز پہلے ہی قائم ہوئی تھی جب دونوں کی ڈیوٹی اتفاق سے نئے بیچ کو تربیت دینے پر لگی تھی۔ پوسوال کے لیے کامنی اگروال کے پاس وہ سب کچھ موجود تھا جس کی توقع وہ کسی بھرپور عورت سے رکھ سکتا تھا۔ ملاقات کے پانچویں روز ہی اس نے کامنی کی طرف معمول کا ہاتھ بڑھایا۔ جسے بری طرح جھٹک دیا گیا۔ یہ اس کے لیے شدید دھچکا تھا۔ یہاں ایسا ناممکن تھا کہ کوئی انسٹرکٹر لڑکی اسے انکار کرے۔

وہ تلملا کر رہ گیا۔

کامنی جانتی تھی کہ جلد یا بدیر اسے پوسوال کی ہوس کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی ہوں گے۔ یوں بھی اس کی ڈیوٹی اور کیا تھی؟ "را" نے اسے اپنی اداؤں سے ایجنٹوں کا دل لبھانے کا وقت آنے پر انہیں اپنی جسمانی ہوس کے جال میں پھانسنے ہی کے لیے تو یہاں بھیجا تھا۔

اسے یہی تربیت تو دی گئی تھی۔ پوسوال تو اس کا ہم مذہب تھا جب کہ اس جیسوں کو تو چارہ کسی بھی رنگ و نسل کے آدمی کے سامنے پھینک دیا جاتا تھا۔ اس کی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسی فن میں کمال حاصل کرے۔ جتنا وہ خود کو بہتر ثابت کرتی' اتنا ہی اپنے افسران اعلیٰ کے نزدیک وہ مقبول ٹھہرتی۔ ایسا اس کے ساتھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی تو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسے خود پر شک ہونے لگتا تھا کہیں اس کا کایا تو نہیں پلٹ رہی۔

اسے تو اب ان کے نام اور شکلیں بھی یاد نہیں رہی تھیں جن لوگوں کے ساتھ اس گذشتہ پانچ برسوں میں تعلقات بگاڑے گئے تھے۔ لیکن..... نجانے کیوں اسے پوسوال پسند آیا۔ پوسوال کے جارحانہ انداز نے اس کے اندر اپنے کام کے خلاف پہلی مرتبہ بغاوت کی۔ ا زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے آپ پر' اپنے پیشے پر غصہ آیا۔ اس سے تو بہتر تھا وہ کوئی ویشیا ہو وہ جانتی تھی کہ اب تک اس کے نوکری کا جواز اس کے بے پناہ ذہانت اور خدمات تھیں جو ایجنسی کے لیے انجام رہی تھی۔ وہ اکثر اپنے ساتھیوں کے متعلق سوچتی کہ کسی بازار میں فروشی کرتے ہوئے وہ اپنی موجودہ تنخواہ سے کہیں زیادہ پیسے کما سکتی تھیں۔ کام تو ذرا سے کے ساتھ یہاں بھی وہی تھا۔ ان میں اور پیشہ ور رنڈی میں فرق ہی کیا تھا؟ صرف یہی کہ سرکاری مراعات یافتہ رنڈیاں تھیں جنہیں ہر مرتبہ اپنا جسم پیش کرنے پر ایک نئے اعزاز ساتھ نوازا جاتا تھا..... یہ ملکی خدمت کا کون سا انداز تھا؟ یہ کیسی نوکری تھی جو اس سے ل رہی تھی؟ کون سی دیش سیوا تھی جو وہ کرنے جا رہی تھی؟ اس نے اب تک متعدد مرتبہ سوچا کڑھنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکی اور کچھ کرنا اس کے اختیار میں تھا بھی نہیں۔

پہلے ہی روز جب طاہر نئے بیچ کے ساتھ یہاں آیا تو اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس کی چ حس نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ طاہر سے متعلق اس کے دل میں شک نے تب بھی جگہ پکڑ تھی جب اس نے کامنی اگروال سے پہلی ملاقات پر اس کے سراپے کا مکمل جائزہ لینے کا تکا بھی نہیں کیا تھا۔ ایسا ناممکن تھا۔ جو شخص اپنے وطن کا غدار ہو' جس نے اپنا ضمیر گروی رکھ ہو' وہ کبھی باکردار نہیں ہو سکتا۔

وہاں تو وہ لوگ آتے تھے جن کا بس نہیں چلتا تھا کہ نظروں ہی نظروں میں اسے جائیں۔ اسے بطور خاص یہ تربیت دی گئی تھی کہ بھڑکیلے اور چست لباس کے ساتھ ان درمیان گھوما کرے۔ وقت آنے پر اسے باری باری ان کو خوش کر کے اپنا مطیع بنانا ہوتا تھا تا جنسی ہوس کے جال میں پھنس کر وہ پھر کبھی اس کے چنگل سے نکل ہی نہ پائیں۔ اسے اپنے کمان گروپ کے ہر تخریب کار کے متعلق روزانہ رپورٹ فائل کرنا ہوتی تھی۔

اس کو معمولی سی نفسیاتی تبدیلی سے متعلق بھی اپنے ماسٹرز کو آگاہی کرنی ہوتی تھی۔ ا چاہیے تھا کہ وہ طاہر کو اپنی رپورٹ میں مشکوک یا "غیر معمولی" لکھتی لیکن..... اس "نارمل" ہی لکھا۔ کیوں؟ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کیوں کا جواب اسے ابھی تک نہیں مل تھا۔

پہلے ہی روز جب دوران تربیت طاہر نے کیپٹن پوسوال کی درگت بنائی تو کسی نادیدہ طا نے کامنی اگروال کے کانوں میں چیختے ہوئے کہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یہ نوجوان اپنے آپ کو جو کچھ ظاہر کرتا ہے' وہ ہے نہیں۔ اس نے جان بوجھ کر یہاں "اینگری مین" کا روپ دھارا ہوا تھا جب کہ وہ کچھ اور تھا۔ وہ ضرور یہاں کسی اور مشن پر آیا تھا۔ کیا کامنی گروال اپنے شک کا اظہار کرنل بھاٹیہ کے سامنے کر دے؟ لیکن.....

اس بات کا بھی کیا ثبوت تھا کہ کرنل بھاٹیہ اس کی بات پر یقین کر لے گا۔ اس روز وہ کتنا متاثر دکھائی دے رہا تھا طاہر سے! کامنی اگروال نے آج تک کوئی ایسا ایجنٹ نہیں دیکھا جو کرنل بھاٹیہ کے ساتھ پہلے ہی روز ناشتہ کرنے کا اعزاز حاصل کر پایا ہو۔ یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

اس نے فی الوقت خاموشی اختیار کر کے انتظار کرنے کو ہی غنیمت جانا تھا۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق غلط اندازہ قائم کر رہی ہو اور اس طرح کوئی آئی مصیبت گلے پڑ جائے۔ کامنی نے اس کے زیادہ نزدیک رہ کر اس کی حرکات و سکنات کو قریب سے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پوسوال نے انہیں کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ اس گروپ میں سات نوجوان تھے جن میں سے کسی کا تعلق بھی ان کے ملک سے نہیں تھا۔

"بٹواری کیمپ" تک پہنچنے والے تخریب کاروں کے متعلق یہ رائے پہلے ہی قائم کر لی گئی تھی کہ ان میں سے ہر تخریب کار نے اس سے پہلے ضرور بھارتی انٹیلی جنس کے کسی کیمپ میں دہشت گردی کی ابتدائی تربیت حاصل کر رکھی ہو گی۔ انہیں یہاں دراصل ایڈوانس کورس کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سب ایک قطار میں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر اپنے ہاتھ پیچھے باندھے کھڑے تھے پوسوال ایک ایک کے پاس جا کر اس کے سامنے جا کر چند سیکنڈ ٹھہر کر اس کی آنکھوں میں جھا اور پھر مطمئن ہو کر سر ہلاتا آگے بڑھ جاتا۔ طاہر کے سامنے اس نے کچھ زیادہ ہی وقت گزا تھا۔ "ویل ڈن" اس نے طاہر کے بازوؤں کی مچھلیوں کو تھپتھپاتے ہوئے زہریلی مسکراہٹ ا ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو سر۔" طاہر نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ پوسوال سے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑی کامنی اگروال نے بطور خاص پوسوال کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ پوسوال کیسا کینہ پرور اور درندہ صف ہے۔ اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ اس نے طاہر کو معاف کر دیا ہو اور اس حرکت بعد تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ طاہر کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اس کیمپ میں پوسوال کے ہاتھوں دوران تربیت کسی ایجنٹ کا مارے جانا کوئی ایسا وا نہیں تھا جس کا کوئی نوٹس لیتا۔ نوجوانوں کو اس نے ڈیرہ دون کے پہاڑی علاقوں میں گھنے ا خطرناک جنگلوں میں تربیت دینی تھی اور ایسے خطرناک راستوں کی بھول بھلیوں میں کسی ایجنٹ کی موت کے لیے کوئی بھی بہانہ تراشا جا سکتا تھا۔

کامنی اگروال ایسی بات کی عینی شاہد تھی جب سری لنکا کے ایک تامل نوجوان تخریب کی کسی بات سے ناراض ہو کر پوسوال نے اس کے ہاتھوں میں ایسا بم تھما دیا جو وقت سے منٹ پہلے ہی اس کے ہاتھوں میں پھٹا اور اس کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ اس پر ایک معمولی رپورٹ فائل کی گئی کہ نوجوان نے غلطی سے ٹائمنگ صحیح نہیں رکھی تھی۔

وہ انسانوں کو مارنے کے درجنوں معصومانہ طریقے جانتا تھا۔ اپنے زیر تربیت جوانوں کو یہی تو بتایا کرتا تھا کہ وہ اپنے ٹارگٹ کو کس طرح لاعلم رکھ کر آسانی سے کوئی خطرہ مول لیے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ وہ زہر خورانی کا ماہر تھا۔ روسیوں نے اسے زہر کا علم سکھایا اور انسانی جسم میں زہر منتقل کرنے کے ایسے ایسے طریقے جانتا تھا جن کا عام حالت میں شاید

تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کامنی سہم کر رہ گئی۔ وہ نجانے کیوں نہیں چاہتی تھی کہ طاہر اس طرح بے موت مارا جائے۔ کامنی اگروال کی معاونت سے پوسوال نے انہیں ابتدائی سبق دیا اور ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کلاس کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

کامنی کو اس وقت اپنی تربیت کے مطابق ان نوجوانوں کے ساتھ ان کے کمروں تک جانا تھا اور بڑے نامحسوس انداز میں اس صورت حال سے متعلق ان کے خیالات جاننے کے بعد اپنی آج کی رپورٹ لکھنی تھی' لیکن..... حیرت انگیز طور پر اچانک ہی پوسوال اسے اپنی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ "کم آن ڈارلنگ۔" اس نے بڑی بے تکلفی سے کامنی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

کامنی کے لیے یہ کوئی غیر معیوب حرکت نہیں تھی' لیکن پوسوال نے بڑے غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر..... ان نوجوانوں کے سامنے پہلی مرتبہ اسے اپنی ذلت کا احساس ہوا۔

"مسٹر پوسوال پلیز' ابھی نہیں۔ مجھے اپنی "آبزرویشن رپورٹ" دینی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔" اس نے کسمسا کر پوسوال سے الگ ہوتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا کیونکہ ابھی ان کے اور نوجوانوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں بڑھا تھا۔

"وٹ.....؟" پوسوال نے اچانک اسے جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا اور اس کو بے بس کر دینے کی حد تک قابو کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ کامنی کو اس کی آنکھوں میں خون اترتا دکھائی دے رہا تھا۔

"مسٹر پوسوال' سر! مجھے....."

اس نے دوبارہ گھبرا کر اپنی بات دہرانی چاہی۔

"میں جانتا ہوں۔ تجھے کیا کرنا ہے۔ اپنے یار سے ملنا ہو گا۔ سالی! ہمارے ہوتے ہوئے ان مسلوں سے۔"

اس نے جانے کس کس کو گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ کامنی کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ وہ جانتی تھی کہ پوسوال کی بدباطنی نے طاہر کو خیالی دشمن بنا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا ہے کیونکہ اس نے کامنی اگروال کا رویہ اس کے تئیں کچھ بہتر دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی اور اب دنیا کی کوئی طاقت اس کی رائے نہیں بدل سکتی تھی۔

"آل رائیٹ۔ مجھے اپنی ڈیوٹی کرنی ہے۔"

کامنی نے ڈرتے ڈرتے اور خوف کی ملی جلی کیفیات کے تحت خود کو اس سے الگ کرنا چاہا۔ عین ان لمحات میں جب ان کے درمیان کشمکش جاری تھی' پوسوال کی جہاندیدہ اور مکار

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نگاہوں نے کرنل بھاٹیہ کو کمرے سے برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ان حالات میں اس نے کامنی اگروال کو چھوڑ دینا ہی مناسب جانا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کرنل بھاٹیہ کامنی اگروال کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے اور اس کا شمار بریگیڈیئر ملہوترہ کے مخالف گروپ میں ہوتا ہے۔ پوسوال بریگیڈیئر ملہوترہ کا خاص آدمی سمجھا جاتا تھا۔

○ ○ ○

اس نے خون کے گھونٹ پی کر کامنی کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا' لیکن..... اس طرح ہاتھ آئے شکار کا اس کے پنجے سے نکل جانا اس کی آتش انتقام کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کے اندر موجود درندہ بیدار ہو چکا تھا۔ جانوروں کا خون پینے والا کیپٹن پوسوال اس وقت ڈریکولا بن چکا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو' وہ کامنی اگروال کے خون سے اپنی ہوس کی پیاس بجھائے۔ اس کے لیے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے تو ایسے شکار کا زیادہ مزا آتا تھا۔

"ڈونٹ وری بے بی۔ (بے بی فکر نہ کرو۔)" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

اور.....

تیزی سے مڑ کر اپنے آفس کی طرف چل دیا۔

خوف اور غصے سے سہمی کامنی اگروال نوجوانوں کے تعاقب میں چل دی۔

زندگی میں طویل عرصے کے بعد اس کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔ آج تک ایسا ہوا نہیں تھا۔ شاید بچپن یا دوران تعلیم وہ کبھی ایسی جذباتی کیفیت کی شکار رہی ہو۔ آج اسے پہلی بار شدت سے اپنی بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ اسے یاد آگیا جب وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے اپنے والدین کو "را" میں اپنی سلیکشن کی خبر دے رہی تھی تو پولیس انسپکٹر سورج اگروال کچھ بے چین سا دکھائی دینے لگا تھا۔

سورج اگروال اس کا باپ تھا' لیکن..... دونوں کے درمیان باپ بیٹی سے زیادہ دوستی کا رشتہ تھا۔ جب اس نے اپنے باپ کو پہلی مرتبہ بتایا کہ وہ "را" کے لیے درخواست دینے جا رہی ہے تو سورج اگروال نے اس کے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ "پتا جی! آپ تو خود پولیس افسر ہیں پھر بھی....." اس نے حیرانی سے دریافت کیا تھا۔

"بیٹی میں پولیس افسر ہوں' اسی لیے تمہارے اس فیصلے سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ تم پولیس میں کیوں اپلائی نہیں کرتی؟" انہوں نے قدرے تشویش سے کہا۔

"پتا جی! آپ جانتے ہیں مجھے ایڈونچرس لائف گزارنے کا شوق ہے۔ میں ایک انٹیلی جنس آفیسر بن کر زیادہ خوشی محسوس کروں گی۔" اس نے اپنے باپ کو بظاہر یہ بات کہہ کر مطمئن تو کر دیا تھا لیکن..... سورج اگروال کبھی مطمئن نہیں ہوا۔

اس نے بادل نخواستہ ہی اپنی بیٹی کے فیصلے پر صاد کیا تھا۔

نوکری پر جانے سے پہلے ہی پروز اس سے رازداری کا جو حلف لیا گیا تھا' اس نے قانونی طور پر کامنی کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس مسئلے پر زیادہ بات نہ کرے۔ اس کے باپ کو بھی اس بات کا علم تھا۔ جب کبھی اس کی کامنی سے ملاقات ہوتی' ایک فقرہ معمول کے مطابق ضرور کہا کرتا:

"کیسی جا رہی ہے تمہاری سیکرٹ سروس؟"

"ایک دم شاندار پتا جی۔" کامنی کی طرف سے رٹا رٹایا جواب ملتا۔ کامنی اگروال نے ایک دو مرتبہ سوچا کہ اگر وہ اپنے گھر والوں کو یہ بتائے کہ وہ ایک انٹیلی جنس آفیسر کی حیثیت سے سوائے ایک ویشیا کے اور کوئی کام نہیں کر رہی تو شاید شرم سے اس کے وضع دار والدین مر ہی نہ جائیں۔

اس نے کبھی انہیں اپنے کام کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ البتہ مختلف شہروں میں اپنے تبادلے کی خبر ضرور دے دیا کرتی تھی' لیکن..... وہ بھی افسران کی اجازت سے۔

آج اسے زندگی میں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس نے باپ کی بات نہ مان کر سخت غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی جس کا خمیازہ اب اسے مرتے دم تک بھگتنا ہو گا کیونکہ ایک مرتبہ "را" میں آنے والوں کے لیے واپسی کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔

اور..... وہ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی "را" کی نظروں میں رہتے ہیں۔

طاہر کے کمرے کے دروازے پر پہنچنے تک وہ قدرے نارمل ہو چکی تھی۔

لیکن..... نجانے کیوں طاہر کو وہ نارمل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ کامنی کے لیے اپنے دل میں کچھ ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے تخریب کاروں کے برعکس اس نے کن انکھیوں سے پوسوال کی بدتمیزی کا جائزہ لیا تھا اور اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ سب کچھ اس کا کیا دھرا ہے۔

○ ○ ○

یہاں کی روایات کے مطابق یہاں کوئی بھی زیر تربیت تخریب کار کسی بھی واقعہ' حادثہ'

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کارروائی پر نہ تو تبصرہ کر سکتا تھا' نہ ہی تجسس ظاہر کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی بھی طرح اس میں دخل اندازی کر سکتا تھا۔ تخریب کاروں کی وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اچانک ہی ان صفوں میں سے کسی ایک تخریب کار کو انسٹرکٹر باہر نکالتا اور ان سب کے سامنے وحشیانہ انداز میں بغیر کوئی وجہ بتائے تشدد شروع کر دیتا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ اس تشدد کی تاب نہ لا کر تختۂ مشق بننے والے کی موت واقع ہو جاتی۔

لیکن.....

کیا مجال جو اس کے کسی ساتھ کے کان پر جوں بھی رینگتی۔ وہاں موجود انسٹرکٹر جیلوں بہانوں سے ان کی جذباتی' جسمانی اور نفسیاتی حرکات کا جائزہ لیتے رہتے۔ کسی بھی ایجنٹ کو اگر ابنارمل پاتے تو اس کو ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا جاتا جو اس کا طویل انٹرویو لینے کے بعد اس کی قسمت کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔

اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح طاہر کے ذہن پر لپکا۔ کیوں نہ کامنی سے اظہار ہمدردی کر کے وہ اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرے' کیونکہ اپنے منصوبے کے اگلے حصے میں انہیں کامنی اگروال کی ہمدردی بہت کام دے سکتی تھی۔

کامنی جو اب بظاہر بالکل نارمل تھی' ان سے ضرورت سے زیادہ مسکراتے ہوئے شاید اس لیے باتیں کر رہی تھی کہ کسی کو اس پر شک نہ گزرے' لیکن..... اس کے دلی جذبات کو طاہر اچھی طرح سمجھتا تھا۔ "آج شام کے بعد آپ کی "ریکی" کلاس ہو گی۔ تم تینوں میرے ساتھ "ریکی" کرو گے۔" اس نے طاہر اور اس کے دونوں ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"او۔کے میڈم۔" طاہر کی بجائے سلیم نے جواب دیا جو شاید طاہر کے منصوبے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ مشتاق جو بظاہر صورت حال سے لاتعلق نظر آ رہا تھا' ان کی طرف دیکھے بغیر صورت حال کو کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔

"شام تک آپ لوگ ریلیکس (آرام) کریں۔"

یہ کہہ کر کامنی نے کمرے میں رکھے ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول تھام لیا اور تین چار اسٹیشن بدلنے کے بعد ایک ایسا اسٹیشن لگا دیا جہاں ان کے تن بدن میں آگ لگانے والی فلم چل رہی تھی۔

"انجوائے یور سیلف۔"

اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر کہا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

باہر نکلتے ہی وہ دوبارہ اسی کیفیت کا شکار دکھائی دینے لگی' جس سے کچھ دیر پہلے تک گزر رہی تھی۔ پوسوال اپنی تمام حرام کاریوں سمیت اس کے دل و دماغ میں جیسے کسی بدروح کی طرح

سما چکا تھا۔

بار بار اس کا تصور ذہن سے جھٹکنے کے باوجود پوسوال کے آسیب سے نجات حاصل نہ کر سکی تھی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح وہ اپنے کمرے تک پہنچی اور اسے اندر سے تالا لگا کر بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ لنچ اس نے کمرے ہی میں منگوایا تھا اور تھوڑا بہت زہر مار کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

کروٹیں بدلتے اسے تھوڑی سی اونگھ آ گئی۔ کامنی کی آنکھ فون کی گھنٹی بجنے کی آواز پر کھلی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر فون اٹھایا۔

"گیٹ اپ لیڈی۔" دوسری طرف کرنل بھاٹیہ موجود تھا۔

"اوہ سوری۔ سر۔"

اس نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ یہ تو چائے کا وقفہ تھا۔ اسے ان لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینی تھی۔

"ایکسکیوزمی سر۔ اب میں جاتی ہوں۔" اس نے فون پر کہا اور فون رکھ کر باتھ روم کا رخ کیا۔

بمشکل پانچ منٹ بعد وہ طاہر کے کمرے کے سامنے موجود تھی' جس کے باہر ایک ویٹر ٹرالی میں چائے کے برتن لگائے کھڑا تھا۔ "کم آن" اس نے کمرے کے دروازے پر لگا بیل بٹن دبا کر اندر والوں کو خبردار کیا اور ویٹر سمیت کمرے میں داخل ہو گئی۔

"ویل کم میڈم۔" طاہر نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دانت نکال دیئے۔

"کیسے ہو بھئی آپ لوگ..... تھک تو نہیں گئے؟ ابھی "ریکی" پر جانا ہے۔ یہ پندرہ کلومیٹر پہاڑی راستہ ہے۔ اچھی طرح اپنے معدے بھر لینا۔"

اس نے ویٹر کو اشارہ کیا جس نے چائے اور سینکس کمرے کے ایک کونے میں دھرے میز پر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں چائے پی رہے تھے۔ اس دوران یہاں کے معمول کے مطابق کامنی اگروال نے ان سے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کر دیئے تھے۔

وہ بڑے نامحسوس انداز میں ان کی اندرونی کیفیات نوٹ کر رہی تھی۔ اس وقت وہ مکمل پروفیشنل تھی۔

چائے سے فراغت کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او۔ کے گائیز۔ دس منٹ بعد ہم چل رہے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

اس کی دوسری ساتھی ریکھا ساتھ والے کمرے کے نوجوانوں کے ساتھ مصروف تھی۔ وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بھی باہر آ گئی اور دونوں برآمدے کے ایک کونے میں کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ دونوں تعلق چونکہ ایک ہی ایجنسی سے تھا اور اکثر و بیشتر انہیں اکٹھے ہی فرائض انجام دینے پڑتے اس لیے ان میں گاڑھی چھنتی تھی۔

ریکھا نے آج پہلی مرتبہ اپنی سہیلی اور عزیز از جان دوست کامنی کو پریشان دیکھا تھا' کیا مجال جو اس نے ریکھا کے کسی بھی ایسے سوال کو جواب دیا جو بعد میں اس کے لیے پشیمانی باعث بنے۔

ریکھا سمجھتی تھی کہ کامنی کبھی اسے حقیقت حال سے باخبر نہیں کرے گی۔ یہ ان تربیت تھی۔ انہیں ایک دوسرے سے بھی اپنے دل کا حال چھپانا تھا۔ بصورت دیگر دونوں سے جو بھی پہلے دوسری کے خلاف رپورٹ فائل کرتی' وہ بچ جاتی اور دوسری کی کم بختی آ جاتی۔

بہرحال ریکھا کو یہ سمجھ تو آ گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ دس منٹ ہو گئے۔ اور اب وہ دوبارہ دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ طاہر' مشتاق اور سلیم تیار تھے۔ تینوں کے تعاقب میں چلتے باہر آ گئے۔

گیٹ تک کا سفر انہوں نے پیدل طے کیا تھا اور گیٹ کے باہر پارکنگ ایریا میں موجود جیپوں میں سے ایک پر اب وہ سوار ہو رہے تھے۔ اس جیپ کو کامنی اگروال چلا رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کی طوفانی ڈرائیونگ کے بعد وہ مسوری کی طرف جانے والی ایک شاہراہ سے نیچے اتر رہے تھے۔ یہاں رک کر کامنی نے جیپ کے ڈیش بورڈ سے ایک نقشہ نکالا اور اسے باہر نکل کر جیپ کے بونٹ پر پھیلا دیا۔ اس نے تینوں کو اس نقشے کی مدد سے جنگل کے اندر موجود تنصیبات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انہیں یہ دس کلومیٹر کا فاصلہ اندر موجود "واچ ٹاورز" سے بچ کر طے کرنا ہے اور کس مقام پر اکٹھے ہونا ہے۔

دم رخصت اس نے تینوں کو ایک ایک واکی ٹاکی دیا تھا۔

"اس کی رینج دس کلومیٹر تک ہے' اور فریکوئنسی سیٹ ہے۔ لیکن اسے تم میں سے کوئی استعمال نہیں کرے گا۔ اسے صرف اس وقت استعمال کرنا ہے جب آپ میں سے کسی کو "سے ڈے" پیغام دینا ہو۔ اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ مل رہا ہو۔ یہ سرخ بٹن دبانے پر تمہاری ڈائریکشن مین سیٹ پر آ جائے گی۔ ناؤ گڈ لک۔ سٹارٹ۔" اس نے اچانک ہی مشتاق اور سلیم کو الگ الگ سمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

طاہر نے چاہا کہ تیسری سمت بڑھے لیکن..... اچانک زمین نے اس کے قدم تھام لیے۔

"تم ٹھہرو۔" اس نے آخر میں روانگی سے چند لمحے پہلے طاہر سے کہا اور وہ رک گیا۔

"یس میم۔" اس کے لیے تو گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن صرف آج۔ کیونکہ تم پہلی مرتبہ کسی کیمپ میں آئے ہو۔ وہ دونوں تربیت یافتہ ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور اس نے طاہر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں تقریباً پانچ منٹ تک خاموشی سے چلتے رہے۔ نجانے کیوں شدید خواہش کے باوجود کامنی اسے ابھی تک کریدنے کے لیے کوئی ڈھنگ کے الفاظ نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی۔

"تم کمال کے کھلاڑی ہو' مارشل آرٹس کے۔"

اس نے تمہید باندھنے کے لیے یہی فقرہ کہنا چاہا لیکن..... طاہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے آپ سے عرض کیا ناں کہ میں نے یہ سب کچھ لگن اور جذبہ انتقام سے سیکھا ہے۔"

"لیکن کیوں؟ تمہیں کس سے انتقام لینا ہے؟"

کامنی نے اچانک ہی رک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ لمحہ تھا طاہر کے لیے کہ اس کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر جانے کا۔ اسے اب اپنی بہترین اداکارانہ صلاحیتوں کا امتحان لینا تھا۔

"میڈم مجھے اپنی محرومیوں کا انتقام سارے زمانے سے لینا ہے۔"

اس نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"لیکن اس کا یہ طریقہ کیا تمہارے نزدیک صحیح ہے؟"

اچانک ہی کامنی نے پوچھ لیا۔

"ہاں۔" طاہر نے اعتماد سے جواب دیا۔

کامنی اچانک ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ کسی الجھن کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔ اس لمحے طاہر نے اس پر نفسیاتی حملہ کر دیا۔

"میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو میری وجہ سے بہت زحمت ہوئی۔"

اس نے اچانک کامنی اگروال کے بہت نزدیک ہو کر یہ بات کہہ دی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

کامنی کچھ گھبرا سی گئی۔

"دیکھئے میڈم' میں کوئی بہت اچھا انسان نہیں ہوں' لیکن شاید آپ کو یقین نہ آئے میں اشد ضرورت کے تحت جھوٹ نہیں بولتا۔ اور آپ کے سامنے تو بول ہی نہیں سکتا۔ میں نے آج تک زندگی کا ایک ہی روپ دیکھا تھا۔ نفرت کا روپ۔ یا تو سماج نے مجھ سے نفرت کی یا پھر میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے سماج سے۔ میں نفرت کی کوکھ سے جنم لیا۔ اسی ماحول میں پلا بڑھا' جوان ہوا اور شاید میں مرجاؤں۔ میری زندگی میں درجنوں عورتیں آئیں اور گئیں۔ میں نے انٹرنیشنل ڈرگ سمگ کی ہے۔ بہت خوبصورت عورتوں سے میرا تعلق رہا ہے لیکن صرف جسمانی تعلقات کی حد تک میڈم مجھے علم نہیں کہ اس بات کا نتیجہ کیا نکلے گا' ممکن ہے مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں لیکن مجھے آپ سے یہ بات کہنی ہے کہ پہلے ہی روز آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد سے میری اپنی کیفیت بدلنے لگی ہے۔ میں اپنے آپ میں بے بس سا ہو گیا ہوں۔ اگر آج میں آپ سے بات نہ کہتا تو شاید اس گھٹن کے ہاتھوں مرجاتا۔ میڈم! آج جب انسٹرکٹر صاحب آپ کے ساتھ بدتمیزی کر رہے تھے تو میں نے خود پر بہت جبر کیا۔ بہت جبر کیا۔ میرا جی چاہتا تھا....."

اس کی آواز باقاعدہ بھرا گئی۔ بے اختیار اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"مم..... مجھے معاف کر دیں۔" اس نے بے بسی کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کامنی کے سامنے بلند کر دیئے۔

تیر عین نشانے پر لگا تھا۔ گو کہ اس نے اندھیرے ہی میں چلایا تھا۔ کامنی پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ جیسے کسی نے جادو پڑھ کر اسے زمین پر گاڑ دیا ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے جیسے اس نظر سے' اس انداز سے دیکھا تھا۔ طاہر نے جو کچھ بڑی سادگی سے کہہ دیا تھا' اس نے کامنی کے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔

"فار گاڈ سیک۔" اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں طاہر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر انہیں الگ کیا۔

"بھگوان کے لئے تم جو کوئی بھی ہو' دوبارہ یہ بات کبھی نہ کہنا۔ تم جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہو گا؟ تم جانتے ہو.....؟" کامنی نے اسے قریباً جھنجھوڑ دیا۔

"ہاں مس کامنی اگروال۔ جانتا ہوں۔ تم ہی مجھے گولی مار دو گی۔ لو مار ڈالو' لیکن تم اپنے اوپر قتل کا الزام بھی کیوں لو۔ مجھے کہو میں ابھی اس چٹان سے نیچے کود جاتا ہوں۔ اگر میری کسی بات سے آپ کو دکھ ہوا ہے تو پھر میں شاید خود بھی جی نہ پاؤں۔ میں نے کہا ناں۔ اس جذبے نے مجھے مار ڈالا ہے۔ دو ہی راتوں میں' مجھے....."

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پھر ٹسوے بہانے شروع کر دیئے۔ کامنی اگروال کو یوں لگا جیسے کیوپڈ مہاراج نے تاک کر نشانہ لگاتے ہوئے محبت کا بھالا اس کے کلیجے میں اتار دیا ہو۔

"طاہر! بھگوان کے لیے نارمل ہو جاؤ۔ ہم پھر کبھی بات کریں گے' لیکن اگر تم میرے متعلق کوئی بھی ہمدردی رکھتے ہو تو یاد رکھنا' اگر کبھی اس بات کی بھنک بھی کسی کے کانوں میں

منی۔ اگر تمہاری کسی بھی حرکت سے کبھی کوئی غیر معمولی پن دکھائی پڑا تو تمہارے ساتھ مجھے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

اس کی آواز واقعی بھرا گئی۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا مس کامنی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ایسا مت کہیں۔ مت سوچیں ایسا۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو خدا کی قسم میں سارے جہان کو آگ لگا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بظاہر بے اختیار ہو کر قدیم عاشقوں کے سے انداز میں گھٹنا زمین پر ٹکا کر کامنی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اوہ۔ طاہر بس کرو۔ میں مرجاؤں گی۔ او۔کے۔ آؤ چلتے ہیں۔"

اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ الگ کرتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ طاہر کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اسے شاندار اور ناقابل یقین کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ دل ہی دل میں اپنی شاندار اداکاری پر اس نے خود ہی اپنے آپ کو داد دی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

دونوں نے سات آٹھ منٹ تک یہ مشکل راستہ خاموشی سے اور بات کیے بغیر طے کیا۔ کامنی کو یوں لگ رہا تھا جیسے اب مرتے سمے تک اس کے دل کی دھڑکنیں کبھی نارمل نہیں ہوں گی۔

یہ دشوار گزار راستہ تھا لیکن..... اس کا دیکھا بھالا۔ اس سے پہلے دو گروپ اس کے ہاتھوں تربیت مکمل کر کے جا چکے تھے۔ معمول کے مطابق وہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہی تھی جب اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا اور اس سے پہلے کہ وہ سر کے بل نیچے سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں جا گرے' بجلی کی سی پھرتی سے آگے بڑھ کر طاہر نے اسے پکڑ لیا۔ کامنی اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

○ ○ ○

اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے سینے کا پنجرہ توڑ کر من کا پنچھی اڑ جائے گا۔ کامنی گڑبڑا کر رہ گئی۔

ابھی تک اس کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے' لیکن..... اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی اور اس نے سب سے پہلے "تھینک یو" کہہ کر آہستگی سے خود کو طاہر سے الگ کیا اور وہیں ایک پتھر پر بیٹھ کر اپنے سانس اور دھڑکنیں نارمل کرنے لگی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔" طاہر نے بے ساختہ پوچھا۔ اس اچانک حادثے کا اس نے بھی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

گہرا اثر قبول کیا تھا۔

"تم..... تم کیا ہو؟" کامنی اگروال نے اس کے سوال کا جواب الجھے ہوئے لہجے سوال ہی کی صورت میں دیا تھا۔

"اس پر پھر کبھی بات کر لیں گے۔ ابھی آپ چلیں۔ ہم اپنا راؤنڈ مکمل کر لیں۔" ا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

کامنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بڑی الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اسے خود سمجھ نہیں رہی تھی کہ اسے آخر کیا ہو گیا ہے۔ زندگی میں اس نے خود کو کبھی اتنا کمزور محسوس نہیں تھا۔ اس لڑکے نے نجانے اس پر کون سا جادو پڑھ کر پھونک دیا تھا۔

دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ تربیت کے مطابق یہاں انہی مختلف رکاوٹیں عبور کے اپنے "ٹارگٹ ایریا" میں پہنچنا اور پھر واپس آنا تھا اور یہ معمول کی پریکٹس تھی۔ ا درمیان بطور انسٹرکٹر کامنی نے ان کی غلطیاں نوٹ کر کے انہیں بچ نکلنے کی تراکیب تھیں۔

لیکن..... ابھی تک تو وہ خود غلطیاں کرتے چلی جا رہی تھی۔ طاہر نے اسے بے بس کر تھا۔

"ایک بات پوچھوں طاہر۔"

اس نے اچانک ہی ایک جگہ رک کر طاہر کی آنکھوں میں جھانکا' جہاں سوائے معصو کے اور کچھ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا' کیونکہ طاہر نے اس دوران اپنا چہرہ مستقل مانگنے وا جیسا بنا رکھا تھا۔

"پوچھیں۔ اس میں اجازت لینے والی کیا بات ہے۔"

طاہر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟"

اچانک ہی کامنی اگروال اس کی طرف گھوم گئی۔

"میں..... کاش کامنی جی مجھے علم ہوتا کہ میں کون ہوں۔ آپ یقین جانیں مجھے آج اپنے آپ سے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔"

اس نے سنبھل کر فلسفیانہ انداز اختیار کیا۔ حالانکہ کامنی کے اس سوال پر ایک با اس کا دل بھی دھک سے رہ گیا تھا۔

"گویا تم بتانا نہیں چاہتے۔"

کامنی نے کھڑے کھڑے کہا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

طاہر نے جواب دیا۔

"طاہر کیا تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔"

کامنی نے براہ راست سوال کر کے اسے بظاہر بوکھلا دینا چاہا۔

"ہاں۔ میں ایمانداری سے کہہ رہا ہوں۔"

طاہر نے بڑا محتاط لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تم جانتے ہو..... میں کون ہوں اور تم کون ہو۔"

کامنی نے اب چلنا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں۔ مجھے علم ہے' لیکن اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ جس دیش سے آپ کی وفاداری ہے' میں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔ اسی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

طاہر نے اپنی دانست میں اسے مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"طاہر تمہیں یقین ہے کہ تم سچ بول رہے ہو۔"

کامنی نے یہ بات اس کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی' لیکن طاہر کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

"کامنی جی۔ میں سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ۔ اس کا فیصلہ شاید ابھی نہ ہو سکے لیکن جلدی ہو جائے گا۔ مجھے آپ سے صرف یہ کہنا ہے کہ جان بوجھ کر مرنے کا شوق کسی کو نہیں ہوتا۔ کم از کم میں اتنی جلدی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے کئی قرض لوٹانے ہیں۔ مجھے علم ہے' آپ اگر چاہیں تو مجھے ابھی گولی سے اڑا سکتی ہیں۔ آپ کو اس کا اختیار حاصل ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ میری بات مانیں تو میں شاید اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کر پاؤں گا۔ نہ مانیں تو بھی دونوں صورتوں میں میری موت ہے۔ لیکن میں نے کہا ناں کہ میں اس جذبے کے ہاتھوں بے بس ہو کر آپ کے سامنے اقرار کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اب میں اطمینان سے مر سکوں گا۔ اگر اس سے پہلے مر جاتا تو مرنے کے بعد بھی پچھتاوا لگا رہتا۔"

وہ چلتے چلتے اس طرح کامنی اگروال کے سامنے آ چکا تھا کہ وہ آگے نہیں جا سکتی تھی۔

"اوہ بھگوان۔"

کامنی نے بے ساختہ کہا اور طاہر کے روئیں روئیں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ کامنی کو ورغلانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

"آؤ چلیں۔"

کامنی نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ دونوں نے اپنی "ریکی" مکمل کرنے تک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب وہ "فنشنگ پوائنٹ" کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔

"طاہر ایک درخواست کر رہی ہوں۔ اپنا اور میرا خیال رکھنا۔ اگر تمہاری غلطی سے تمہیں کچھ ہو گیا تو شاید میں خود کو زندگی بھر معاف نہ کر پاؤں۔"

اچانک ہی کامنی رک گئی تھی۔

"تم اب دوسری طرف سے چکر کاٹ کر پہنچو۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ ہم دونوں اکٹھے تھے۔ بہت احتیاط کرنا۔ یہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔"

اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے طاہر کو راستہ دکھایا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"تم جانتے ہو ایسے سوالوں کے جواب نہیں ہوا کرتے۔"

یہ کہہ کر کامنی اگروال اس کی اگلی بات سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

○ ○ ○

طاہر نے سکھ کا لمبا سانس لیا۔ ابھی تک وہ کامیاب جا رہا تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ اب کامنی اگروال بچ کر نہیں جا سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ مشرق کی ہر عورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ اور..... آج اسے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا تھا۔

اگلے پندرہ منٹ کے بعد جب وہ مقررہ ہدف پر پہنچا تو کامنی سلیم اور مشتاق کے ساتھ وہاں موجود تھی۔

"تم تین منٹ لیٹ ہو مسٹر۔" اس نے جان بوجھ کر قدرے سخت لہجے میں طاہر سے کہا۔

"آئی ایم سوری میڈم۔"

طاہر نے بھی سعادت مند شاگردوں کی طرح جواب دیا۔

"سوری سے کام نہیں چلے گا۔ اس بزنس میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ ایک ایک لمحہ..... تم جانتے ہو ایک منٹ کی غفلت سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ عین ممکن ہے وہ بم جو تم کسی اور کے لیے لگا رہے ہو' تمہارے ہاتھ میں پھٹ جائے۔ عین ممکن ہے ٹائمنگ کی معمولی سی غلطی تمہارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔" کامنی نے جان بوجھ کر قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"معافی چاہتا ہوں میڈم۔" طاہر نے معذرت کی۔

"او۔کے۔ آؤ چلیں۔ باقی باتیں کیمپ جا کر ہوں گی۔"

اس نے تینوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کیمپ پہنچنے تک طاہر جان بوجھ کر منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔ اسے مشتاق کے متعلق کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ سلیم نے اس کے رویے کا نوٹس لیا' لیکن طاہر نے اسے آنکھ کے مخصوص اشارے سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

شام ڈھل رہی تھی جب وہ اپنے کیمپ میں پہنچے۔ کامنی ان کے کمرے میں ہی آ گئی جہاں اس نے تینوں کے لئے چائے طلب کی تھی اور اب باری باری ان سے ریکی سے متع سوالات کر رہی تھی۔

قریباً" آدھ گھنٹہ ان کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ انہیں اگلے روز تک کے لیے الو کہہ کر چلی گئی۔

رات ڈھل رہی تھی۔

تینوں اپنے اپنے بستر میں آرام کی نیند سو رہے تھے' جب اچانک طاہر کی آنکھ کھل اور اس نے دیکھا کہ مشتاق اپنے بستر سے ٹانگیں لٹکائے بیٹھا تھا۔ شاید وہ ان دونوں سے مط مطمئن ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ طاہر نے کروٹ لینا بھی مناسب نہ جانا اور ایکشن میں لیٹا رہا۔

مشتاق اس اطمینان کے بعد کہ وہ دونوں گہری نیند سو چکے ہیں' اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب بلیوں کے بل بلی کی طرح بغیر آواز پیدا کئے چلتا ہوا دروازے کی طرف جا رہا تھا' پھر طاہر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے آواز پیدا کئے بغیر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

طاہر نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر اپنے ساتھ ہی دوسرے پلنگ پر لیٹے ہوئے سلیم کو ہ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے منہ سے کوئی بات کہے۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خام رہنے کا اشارہ کرنے کے بعد اس کے کان کے نزدیک اپنا منہ لے جا کر سرگوشی کے انداز اس سے کہا کہ وہ مشتاق کے تعاقب میں باہر جا رہا ہے۔

سلیم یہ نہیں چاہتا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی تھی وہ جان گیا تھا کہ واقعی مشتاق کو ان کی جاسوسی کے لیے ان کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ عین ہے وہ کوئی خفیہ رپورٹ ہی ان سے متعلق دینے گیا ہو۔ سلیم کو اس بات کا اطمینان تھا کہ تک ان کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی ایسی غلطی سرزد نہیں ہوئی جس کو بنیاد ب ان پر شک کا اظہار کیا جا سکے اور مشتاق کے پاس کہنے کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن.....

طاہر کی سوچ مختلف تھی۔ نجانے کیوں اسے اس بات کا شک ہو رہا تھا کہ اس نے جو ته زبردستی اپنی انسٹرکٹر کامنی اگروال سے طے کر دیا ہے' وہ اس موذی کے علم میں آ چکا ہے پھر اسے کوئی شک پیدا ہو چکا ہے۔

اگر اس نے اپنا شک اپنے مالکان کی طرف منتقل کر دیا تو شاید کامنی اگروال سے وہ کام لے پائیں جس کے لیے اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ سلیم اور طاہر دونوں نے یہاں آنے ے فوراً" بعد ہی یہ رائے قائم کر لی تھی کہ انہیں اگر کوئی مقامی مدد میسر آ جائے تو کام آسان سکتا ہے۔

کام تو انہیں بہرحال کرنا ہی تھا' خواہ اس کے لیے ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی کیونکہ ی مرتبہ اپنے ملک و قوم کی بربادی کا سامان کرنے والوں کو دیکھنے کے بعد ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ انہیں چھوڑ دیں۔

انہیں بٹواری کیمپ تباہ کرنا تھا' خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔ اور..... نجانے ق کیا گل کھلا دے۔

اس کے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے ہی طاہر نے اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا تھا اور وہ بھی اسی طرح بلیوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

مشتاق کے کمرے سے نکلنے کے بمشکل دو منٹ بعد ہی اس نے دروازہ اس طرح بغیر آواز لے کھولا اور گردن باہر نکال دی۔

طاہر کو علم تھا کہ یہاں رہائشی بلاکوں میں رات کو پہرے دار نہیں ہوتے' البتہ مین گیٹ دیواروں کے ساتھ ضرور بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔ باہر کچھ فاصلے پر جلنے والے بلب کی ہلکی فی میں اس نے مشتاق کی آخری جھلک اس وقت دیکھی جب وہ بائیں ہاتھ ان کے ساتھ لے کمرے کے دوسری طرف گھوم رہا تھا۔ طاہر نے اپنی پشت پر کھڑے سلیم کی طرف دیکھا جو اٹھا میں اٹھ کر وہاں آ گیا تھا۔

اس نے سلیم کو اشارے سے اپنا پلان بتایا اور اس کی طرف سے اثبات میں جواب ملنے گے بڑھ گیا۔

مشتاق سے دگنی رفتار کے ساتھ وہ بلاک کے کارنر والے اس کمرے تک پہنچ چکا تھا جس عد مشتاق اس بلاک کی پشت پر پہنچ گیا جہاں قدرے اندھیرا تھا' کیونکہ اس سے آگے گھنے ل اور سرکنڈوں کا سلسلہ تھا جہاں انہیں تربیت دی جاتی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

مشتاق درختوں کے اس جھنڈ کے پاس پہنچ کر رک گیا اور اب وہ شاید کسی کا منتظر
طاہر کے لیے بڑی عجیب سچوایشن بن گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہلنے کا خطرہ مول نہیں لے
تھا۔ اسے ابھی یہاں ایک پلر کے ساتھ چپک کر ہی صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔

اچانک وہ چونکا جب اسے درختوں کے جھنڈ سے کوئی اس طرف آتا دکھائی دیا۔
والے کے نقوش واضح نہیں تھے' لیکن..... اس کی چال ڈھال سے طاہر کو یقین تھا کہ
انسٹرکٹر پوسوال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب وہ صورت حال کو اچھی طرح جاننے
لیکن اس کی خواہش ضرور تھی کہ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن سکے۔

پوسوال نے اس کی نظروں کے سامنے مشتاق سے مصافحہ کیا اور دونوں وہیں ایک چ
بنچ پر بیٹھ گئے۔ ان کی پوزیشن اب ایسی تھی کہ ان کے اور طاہر کے درمیان ایک پلر' جس
پیچھے طاہر چھپا ہوا تھا' اور اس کے بعد ایک بڑے درخت کا تنا حائل تھا اور اس کے بعد وہ
بنچ تھا جس پر دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

طاہر نے چند سیکنڈ بعد ہی خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے لیے جاننا ضرور
کہ مشتاق پوسوال تک کیا اطلاع منتقل کر رہا ہے' کیونکہ ان کے مستقبل کی ساری منصوبہ
کا انحصار اسی پر تھا۔

انتہائی احتیاط کے ساتھ اور دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے وہ کوئی
پیدا کیے بغیر آخر درخت کے پیچھے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب اس نے اپنے کان دونوں کی طرف لگا رکھے تھے۔ یہاں گفتگو واضح تو سنائی
دے رہی تھی' لیکن کسی حد تک ان کی بات سمجھ آ جاتی تھی۔ مشتاق کی آواز آ رہی تھ
پوسوال سے کہہ رہا تھا۔

"سر دونوں کے درمیان کوئی چکر ہے ضرور' لیکن..... دونوں بڑے چالاک ہیں۔ ابھی
انہوں نے کوئی ثبوت نہیں دیا۔"

"الو کے پٹھے' مجھے ثبوت چاہیے۔ ثبوت۔ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھو۔ تمہیر
دونوں کے درمیان اس لیے نہیں چھوڑا گیا کہ تم صرف شک کرتے پھرو۔" پوسوال کی
قدرے واضح تھی۔

"سر میں بالکل چوکنا ہوں۔ ان کی کوئی حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ میر
دونوں کی گفتگو سے اندازہ قائم کیا ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میری نظروں سے وہ ایک

کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو سکتے۔"

مشتاق نے چاپلوسی کا مظاہرہ کیا۔

"دیکھو تم کسی بھی طرح ان دونوں میں سے کسی ایک کو اعتماد میں لے کر یہ جاننے کی
کوشش کرو کہ کامنی اور اس لونڈے کے درمیان کیا تعلق ہے' اور وہ دونوں کس حد تک جا چکے
ہیں....." پوسوال نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا سر۔ میں ایسا ہی سوچ رہا تھا۔ میں آپ کو پھر یقین دلاتا ہوں سر کہ دونوں
کی کوئی حرکت مجھ سے چھپ نہیں سکتی۔ میں نے پاکستان سے یہاں تک ان کی کسی حرکت کو نظر
انداز نہیں کیا۔" مشتاق نے پھر اپنی بات دہرائی۔

○ ○ ○

طاہر کے لیے یہاں مزید رکنا بے کار تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی اس موذی
نے صرف شک ہی ظاہر کیا تھا اور کوئی بات نہیں کی۔ وہ چاہتا تو اپنی طرف سے کوئی بھی من
گھڑت کہانی سنا دیتا اور پوسوال اس پر یقین کر لیتا جس کے بعد ممکن ہے ان کے لیے لاینحل
مسائل پیدا ہو جاتے۔

اس سے پہلے کہ مشتاق کی باتوں کا سلسلہ ختم ہو' اس نے کمرے میں واپس پہنچنے کا فیصلہ
کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مشتاق اس سے پہلے کمرے میں پہنچ جائے۔ پہلے کی طرح اپنے
سانس کی آواز سے بھی ہوشیار طاہر اپنے پنجوں پر چلتا دوبارہ اس پلر تک پہنچا جس کے پیچھے وہ
کچھ دیر پہلے تک موجود تھا۔

یہاں آ کر اس نے خود کو نارمل کیا۔ اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا اور دوبارہ جس طرح
دبے پاؤں آیا تھا' واپس اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

سلیم شاید دروازے سے لگا ابھی تک اس کا منتظر تھا۔ اس نے بلب کی ہلکی سی روشنی
میں اپنے ساتھی کا ہیولا پہچانتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھول دیا اور دونوں دوسرے ہی لمحے
اپنے اپنے بستر میں منتقل ہو گئے۔

سلیم نے کسی بھی ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ جس میں
موقعہ پڑنے پر یہاں سے فرار بھی شامل تھا۔ لیکن..... طاہر کی طرف سے مطمئن رہنے کا اشارہ پا
کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ دروازہ انہوں نے اسی پوزیشن میں چھوڑ دیا تھا جس میں مشتاق
اسے چھوڑ کر گیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

طاہر نے چارپائی پر بیٹھنے کے بعد اسے سرگوشی میں بتایا کہ مشتاق کیپٹن پوسوال کو رپورٹ کرنے گیا تھا لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ باقی باتیں انہوں نے صبح کے لیے چھوڑ دی تھیں اور اب وہ پہلے کی طرح "گہری نیند" کے مزے لوٹ رہے تھے۔

چند منٹ بعد مشتاق بھی آ گیا۔ اس کی دانست میں یہاں "سب اچھا" ہی تھا۔ اپنی دانست میں اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور پہلے کی طرح اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

○ ○ ○

پوسوال کے لیے یہ اطلاع ایک دھماکے سے کم نہیں تھی۔ گو کہ اس کے مخبر نے کوئی حتمی بات نہیں کی لیکن پوسوال جنونی تھا۔ اس نے خود ہی ایک مفروضہ قائم کر کے طاہر کو اپنے دشمن کی حیثیت دے دی تھی۔ اس کے لیے یہ سوچ ہی ناقابل برداشت تھی کہ کامنی اگروال کسی دہشت گرد میں دلچسپی لے رہی ہے۔ یہ کامنی کا معمولی جرم نہیں تھا۔ پوسوال کے نزدیک یہ ناقابل معافی گناہ تھا جس کی کم از کم سزا موت تھی..... موت!

اور.....

اس نے کامنی اور طاہر دونوں کے لیے اس سزا کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے ان دونوں کو باری باری ختم کرنا تھا۔

پوسوال کے لیے طاہر کو مار دینا کچھ مسئلہ نہیں تھا۔ اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی لمحے بغیر کوئی وجہ بتائے اسے سب کے سامنے گولی مار دے۔ اس کے لیے وہ کسی کو جوابدہ بھی نہ تھا۔

البتہ کامنی اگروال کی موت اتفاقیہ ہونی چاہیے تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کرنل اور بریگیڈیئر دونوں ہی اس کے عاشق تھے۔ دونوں ہی کے منہ لگتی تھی وہ..... اور پوسوال ان دونوں میں سے کسی کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

یوں تو اس کی حیثیت بٹواری کیمپ میں غیر معمولی تھی اور ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے اس کے "باس" اس کی کارروائیوں سے بڑے خوش تھے۔ اس کے ہاتھوں تیار کردہ دہشت گرد ان کی توقعات سے بڑھ کر بہترین نتائج حاصل کر رہے تھے۔

○ ○ ○

پوسوال خود انسانی بھیس میں ایک درندہ تھا۔

وہ اپنے زیر تربیت تمام تخریب کاروں کو درندے بنا کر ان کے ملکوں میں بھیجا کرتا تھا اور اس کے تیار کردہ تخریب کاروں کے دل و دماغ میں صرف ایک ہی سودا سمایا رہتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تباہی پھیلا کر اپنی عیاشی کا سامان پیدا کرتے رہیں۔

وہ انسانیت کے دائرے سے نکل کر وحشی بن جایا کرتے تھے۔ یہ پوسوال تھا جس نے پاکستان ہتھوڑا گروپ، کلہاڑا گروپ قسم کی متعارف کروائی تھیں۔ کسی انسان کا سر آہنی ہتھوڑے سے کچل کر مار ڈالنا انسانوں کے بس کی بات ہرگز نہیں تھی۔ جہاں ایک ایسی واردات ہو جاتی، سارا شہر ہراساں ہو جاتا۔ ہر طرف خوف پھیل جاتا اور اس خوف کی کوکھ سے جنم لینے والی افواہیں اور خدشات مقامی آبادی کے اذہان کو اس طرح جکڑ لیتے کہ انہیں اپنے سائے سے بھی ڈر لگنے لگتا۔

اس سہمی ہوئی فضا میں پوسوال ہی کے زیر تربیت ایجنٹ خطرناک افواہیں پھیلاتے۔ مقامی آبادی کے منہ میں ایک بات ڈال کر وہ اسے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا دیتے۔ وہ لوگوں کو غیر محفوظ ہونے کا احساس دلاتے اور ان کے دلوں میں اپنی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اخبارات میں سوال اٹھتا کہ آخر حکومتی ادارے اتنے بے بس کیوں ہیں۔

○ ○ ○

پوسوال کا کام اور آسان ہو جاتا جب اس کے ٹارگٹ ایریا کی پولیس عوام کو مطمئن کرنے کے لیے جعلی "ہتھوڑا گروپ" گرفتار کر لیتی جس کے ساتھ ہی اخبارات ایک ہلچل مچا دیتے، کیونکہ گرفتار شدگان بے گناہ ہوتے تھے اور کوئی نہ کوئی صحافی ان کی اصلیت جان لیتا جس کے بعد اخبارات حکومت پر چڑھائی کر دیتے کہ وہ اپنی نالائقیوں پر پردہ ڈالنے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لیے بے گناہوں کو گرفتار کر رہی ہے۔

اس کے بعد ایک نیا تماشا شروع ہو جاتا۔ لوگ اس خوف و ہراس کی فضا میں اپنی دشمنیاں بھی چکا دیتے۔

وہ اپنے دشمنوں کو اس طرح ہلاک کرتے جیسے پوسوال کے سدھائے ہوئے وحشی درندے ہلاک کرتے تھے۔ جس کے بعد یہ کارنامے بھی خوامخواہ اس کے نام لگتے چلے جاتے۔

روسی سپیشلز کے ساتھ تربیت حاصل کرنے والے پوسوال نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاکستان میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ وہ اپنے رینک کے حساب سے کیپٹن ضرور تھا' لیکن اسے بھی کرنل سے زیادہ مراعات حاصل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دوران تربیت اس کے ہاتھوں ، والے کسی بھی تخریب کار سے متعلق انکوائری نہیں کی جاتی تھی۔

اس کے افسران جانتے تھے کہ بسا اوقات نفسیاتی دھاک بٹھانے کے لیے اور ان زر غلاموں کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ وہ اب کبھی ان کی قید سے آزادی کا تصور بھی نہ کر اس طرح کے نفسیاتی حربے آزمائے جاتے تھے اور پوسوال یا کوئی اور انسٹرکٹر بلاوجہ بھی زیر تربیت تخریب کار کو جس پر انہیں یہ شک ہو جاتا تھا کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ہے یا اپنے میں جا کر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں گے' ان کے ساتھیوں کے سامنے اچانک قتل کر جاتا تھا۔

صبح جب معمول کے مطابق وہ لوگ اپنے تربیتی کیمپ میں پہنچے تو پوسوال یہاں کا اگروال کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے طاہر اور سلیم کو اس طرف آتے دیکھ کر جان بوجھ کر کا کے ساتھ زبردستی ایک بے ہودہ حرکت کی تھی' جس کا جواب کامنی اگروال نے نفرت سے ا ہاتھ جھٹک کر دیا تھا۔

لیکن.....

پوسوال جان بوجھ کر بے شرموں کی طرح دانت نکالتا رہا۔

○ ○ ○

اپنی دانست میں وہ یہ سب کچھ کر کے طاہر کو طیش دلانے کے لیے کر رہا تھا لیکن طا اس صورت حال سے قطعی لاتعلق دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے نفسیاتی حربے کیوں ا کب اپنائے جاتے ہیں؟ کیا پوسوال کو اس کے اور کامنی اگروال کے درمیان پیدا ہونے وا ایک روزہ تعلق کا علم ہو گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو وہ کیوں یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ شاید اپنے ک شک کی تصدیق کرنے کے لیے؟

اگر پہلی بات ٹھیک ہے تو پوسوال کو یہ شک کیسے ہوا؟ کیا اسے مخبری کی گئی ہے؟ اگر صحیح ہے تو ایسا صرف مشتاق ہی کر سکتا ہے کیونکہ مشتاق ہی ان کے گروپ میں مشکوک تھا ا دونوں پہلے ہی سے یہ بات جانتے تھے کہ مشتاق کو ان کے درمیان چھوڑا گیا ہے۔ پھر اس سوچا' یہ مفروضہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے کیونکہ پوسوال کا پہلے روز بھی کامنی کے ساتھ یہی سلوک تھا۔ وہ شاید بنواری کیمپ کا سرکاری سانڈ تھا جسے مکمل اختیارات کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا

بات کچھ بھی رہی ہو' اسے خود کو نارمل رکھنا تھا۔

اور.....

اس نے ایسا ہی کیا۔ دو گھنٹے کی اس کارروائی میں مسلسل اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے بعد پوسوال کچھ گڑبڑا گیا تھا۔ عین ممکن تھا مشتاق کی اطلاع غلط ہی ہو۔

لیکن.....

کامنی کی یہ جرات؟ اس نے پوسوال کا کسی بھی طرح حکم ماننے سے انکار کیوں کیا؟

کامنی جیسی درجنوں لڑکیاں اس کے بستر کی زینت بننے کے لیے تیار رہتی تھیں' پھر کامنی نے یہ گستاخی کیوں کی؟ کچھ بھی ہو اسے سزا ملنی چاہیے۔ پوسوال کی درندگی نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔ اب اسے صرف مشتاق کے مفروضے کی تصدیق کرنا تھی۔ جس کے لیے اس کے خود ہی ایک پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔

معمول کی کلاس سے فارغ ہو کر تینوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے جہاں تھوڑی دیر بعد کامنی بھی آ گئی۔ کامنی نے اپنے جذبات چھپانے کے لیے گو کہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ جما رکھی تھی اور معمول کے مطابق اپنے فرائض انجام دے رہی تھی۔

لیکن.....

طاہر نے ایک ہی نظر میں اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بہت کمفیوژ ہے اور پوسوال کے پریشر سے ابھی تک نجات حاصل نہیں کر سکی۔ یہ اس کے لیے تو آئیڈیل سچویشن تھی۔

اسے ان لمحات سے ہی بھرپور فائدہ اٹھانا تھا' لیکن مشتاق کی موجودگی نے اسے قدرے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کامنی سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہتا تھا لیکن..... مشتاق کی موجودگی میں نہیں کیونکہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تھا کہ وہ پوسوال کا مخبر ہے۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا ناشتہ خود ہی کچن میں تیار کر لوں۔ دراصل مجھے آملیٹ صرف اپنے ہی ہاتھ کا بنا ہوا پسند آتا ہے۔"

عین ان لمحات میں جب معمول کے مطابق ویٹر ان کے لیے ناشتہ لے کر کمرے میں داخل ہو رہا تھا' طاہر نے کامنی سے معمول کے لہجے میں پوچھا۔

کامنی جان گئی تھی۔ شاید وہ بھی یہی چاہتی تھی۔

"وہ کیوں نہیں۔"

اس نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار میرے لیے بھی بنا لینا۔ اصل میں صبح کا ناشتہ اچھا نہ ہو تو دن اچھا نہیں گزرتا۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سلیم نے اسے ہلاشیری دی۔

مشتاق البتہ ہونقوں کی طرح ان کے منہ کی طرف دیکھتا رہا' جس کے سامنے ویٹر ناشتہ رہا تھا۔

"او۔کے تم صاحب لوگوں کو سرو (Serve) کرو۔ میں ان کے ساتھ کچن میں جاتی ہوں۔ کامنی نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب جانا۔ طاہر کے متعا وہ شدید الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ اگر اگلے روز وہ اس کا ہاتھ نہ تھام لیتا تو کامنی آج یہا موجود نہ ہوتی۔ سینکڑوں فٹ اونچائی سے گرنے کے بعد اس کے جسم کا کیا حال ہوتا؟ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

○ ○ ○

"را" میں اپنی زندگی کے تین سال بیتانے کے بعد بھی شاید ابھی تک وہ اپنے اندر کی عورت کو قتل نہیں کر پائی تھی۔ یوں تو اس درمیان اس کی زندگی میں درجنوں مرد آئے اور چلے گئے لیکن وہ سب کچھ اس کے پروفیشن کا حصہ تھا۔ اس کی ذمہ داری تھی۔ کرنل بھاٹیہ کے حکم پر اسے اب بھی یہاں زیر تربیت کسی بھی تخریب کار کے لیے اپنی خدمات انجام دینے کا حکم دے سکتا تھا۔ اس میں اب ضمیر نام کی کوئی شے کا وجود ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

"دیش سیوا" کے نام پر "را" نے اس جیسی نجانے کتنی لڑکیوں کے جسم کی دلالی کا دھندا اپنا رکھا تھا۔ کالج لائف میں وہ خاصی آئیڈیل لڑکی تھی' لیکن ایڈونچر پسند!!

اس کی یہی ایڈونچر پسندی اسے "را" میں لے آئی تھی اور اگر اس نے خود کو اپنے افسران کی نظروں میں نمایاں کرنے کے لیے ان کے ہر اشارہ ابرو پر اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی اس کی بے پناہ قربانیوں کے صلہ میں Abroad Posting مل جائے گی۔ اسے کسی بھی یورپی ملک میں موجود بھارتی سفارت خانے میں "را" کی نمائندگی کے لیے بھیج دیا جائے گا۔

بس اب یہی دھن تھی جو اس پر سوار تھی۔

یہی سودا اس کے دماغ میں سمایا ہوا تھا۔

البتہ ایک حسرت کبھی کبھی دل کے کسی کونے سے خفیہ آتش فشاں کی طرح سر اٹھاتی کہ اس کی زندگی میں آج تک کوئی مرد اس کی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ وہ تو کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ شاید یہی وہ بے نام سا پچھتاوا تھا جس نے اسے زندگی میں اپنی سروس کے دوران پہلی مرتبہ

پوسوال کے ناجائز احکامات کی تعمیل سے روک دیا تھا۔ شاید اس کے اندر کی عورت جاگنے لگی تھی۔

اور.....

اب جب ایک باہر کے مرد نے گو کہ وہ بھی اس دھندے کا حصہ تھا' لیکن نجانے کیوں اس نے اچانک کامنی اگروال سے اظہار محبت کر دیا۔ کامنی گڑبڑا کر رہ گئی۔

اس محبت کو تسلیم کرنا جرم تھا۔ اس جرم کی کم از کم سزا ایک دردناک اور بے نام موت تھی۔ وہ "را" کے حکم پر طاہر جیسے درجنوں تخریب کاروں کے بستر گرما سکتی تھی لیکن اسے اپنی مرضی سے کسی میں معمولی دلچسپی لینے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ یہی یہاں کا پروٹوکول تھا۔ اس "کوڈ آف کنڈکٹ" کی پابندی اس پر لازم تھی۔

یہ ایک خفیہ اور ان لکھا معاہدہ تھا جو اس کے اور ایجنسی کے درمیان پہلے ہی روز طے پا گیا تھا۔ اگر وہ ایسے کسی بھی جرم میں ملوث پائی جاتی تو یہاں اس کے لیے کوئی عدالت نہیں لگنی تھی' کوئی کورٹ مارشل نہیں ہونا تھا۔ ایسا کوئی بھی شک ہونے پر کرنل بھاٹیہ یا بریگیڈیئر ملہوترہ کے معمولی سے اشارے پر ہی اسے بے نام موت مل جاتی۔ اسے کبھی کبھی اپنے آج تک زندہ رہنے پر حیرت ہونے لگتی تھی۔

○ ○ ○

اسے یاد آ گیا کہ دو سال پہلے جب اس کی ایک کورس میٹ میناکشی نے ایک سویلین نوجوان سے محبت کی پینگیں بڑھائی تھیں اور ایجنسی کی طرف سے وارننگ کے باوجود ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا تھا تو اس کا انجام کیا ہوا تھا۔ بے چاری میناکشی تو اسی روز آنکھوں میں ہزاروں سپنے سجائے اپنے محبوب سے ملنے کے لیے اپنی موٹر سائیکل پر اسی کے ہوسٹل کی طرف جا رہی تھی تو ہوسٹل کے بالکل نزدیک ایک ٹرک نے اسے کچل ڈالا تھا۔ ٹرک ڈرائیور گرفتار ہو گیا تھا۔

لیکن.....

بمشکل بارہ روز جیل میں گزارنے پر اس کی ضمانت ہو گئی تھی اور بعد میں ایجنسی کے دباؤ ڈالنے پر میناکشی کے والدین کو اس سے صلح کرنا پڑی۔ اس صلح کی قیمت انہیں البتہ ضرور مل گئی تھی لیکن بیٹی تو ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اب وہ اسی ہندو سماج میں رہتے ہوئے ساٹھ ستر ہزار روپے کی رقم کیوں ہاتھ سے جانے دیتے۔ بے چاروں کے لیے کوئی دوسرا راستہ بچا ہی کب تھا۔

یوں بھی انہیں یقین دلا دیا گیا تھا کہ یہ حادثہ اتفاقیہ تھا۔ بدقسمتی سے میناکشی کے بوڑھے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

والدین نے اسے تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا۔

وہ یہ بات تو جانتے تھے کہ اگر اس میں ٹرک ڈرائیور کا قصور ہوتا تو ایجنسی کے لوگ اس کی تکا بوٹی کر دیتے کیونکہ وہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ ان کی بیٹی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

وہ تو اسے بھی دیوی ماں کی کرپا سمجھ رہے تھے کہ کم از کم ایجنسی نے دھونس دباؤ سے ٹرک مالکان سے انہیں اتنی رقم لے دی ورنہ حکومت کی طرف سے ان کے بمشکل پندرہ بیس ہزار روپے ہی نکلنے تھے کیونکہ ان کی بیٹی نے ابھی نوکری کا آغاز ہی کیا تھا۔ ابھی تو اس نے ابتدائی ملازمت بھی پوری نہیں کی تھی۔ نہ وہ سرکاری سہولیات کی مستحق قرار پائی تھی۔

بے چارے بوڑھوں نے اس رقم سے میناکشی کی بڑی بہن کے ہاتھ پیلے کر دیئے جو گزشتہ ڈیڑھ سال سے مطلوبہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی رخصتی کی منتظر بیٹھی تھی۔

شاید دوسری لڑکیوں کی طرح کامنی اگروال بھی اسے ایکسیڈنٹ سمجھتی لیکن دو سال بعد ایک روز جب راجھستان کے ایک تخریب کاری کے کیمپ میں اس نے اسی ٹرک ڈرائیور کو کیمپ کمانڈر کی جیپ چلاتے دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ میناکشی کے مقدمے کے سلسلہ میں تین چار مرتبہ تھانے اور عدالت میں اسی ٹرک ڈرائیور کو دیکھ چکی تھی۔ کیا اس کی آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا۔ "نہیں۔" اسے اپنے سوال کا جواب ملا۔

اس نے بالکل صحیح پہچانا تھا۔ یہ وہی ٹرک ڈرائیور تھا اور اب اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کا اپنا طریق کار ہوتا ہے' جس کے مطابق انہوں نے یہ کام کر دیا۔

یہاں کسی کو کوئی بھی ڈیوٹی سونپی جا سکتی تھی۔

اور.....

کسی کی مجال نہیں تھی کہ ایجنسی کے حکم کی سرتابی کرتا۔ ممکن ہے اس بے چارے کا دل میناکشی کی موت پر رضامند نہ ہوتا۔

لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ یہاں دل کی نہیں' دماغ کی نہیں صرف اپنے "باس" کی آواز پر کان دھرنے کا حکم تھا۔

اس روز کامنی سہم کر رہ گئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اس انفارمیشن میں اپنی کسی اور دوست کو شریک کر لے' لیکن..... وہ اب ایسی بے وقوف بھی نہیں رہی تھی۔ جانتی تھی کہ اسے جان بوجھ کر اسی ڈرائیور کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ شاید وہ لوگ اس کی وفاداری اور پروفیشنل ازم کا امتحان لینا چاہتے ہوں۔ شاید وہ اسے کسی بڑے کام کے لیے تیار کر رہے ہوں۔ کچھ بھی ممکن تھا۔ کچھ بھی۔

کامنی نے خاموشی اختیار کر لی۔

اس نے اپنے دل و دماغ کو سمجھا لیا کہ اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اسے دھوکہ ہوا ہو گا۔ اس نے کبھی بھول کر بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس طرح اس نے دراصل اپنی ترقی کا ایک اور امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔ اس کا اندازہ چند ماہ بعد ہی ہو گیا جب کسی اور طریقے سے اس کے "باس" نے اس کی حس رازداری کو سراہتے ہوئے اس کو اگلے گریڈ میں ترقی کا مژدہ سنایا۔

آج نجانے کیوں اسے دو سال قبل قتل ہونے والی میناکشی اچانک ہی یاد آ گئی۔ اور.....

کیا اب وہ بھی اگلی میناکشی بننے جا رہی ہے۔ یہ اس کے دل کو کیا ہو گیا۔

کہیں دیوی ماں کا شراپ تو نہیں پڑ گیا اس پر؟ گزشتہ دو سال سے اس نے کبھی مندر کا دروازہ بھی نہیں دیکھا تھا' جب کہ اس کے گھر میں صدیوں سے روزانہ "کالی ماں" کی پوجا ہوتی آ رہی تھی۔ اتنے ایڈوانس ہونے کے باوجود ابھی تک اس کی ماتا جی روزانہ صبح کو اپنے گھر میں خود "پوجا" کا اہتمام کرتی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے ماہ کسی نہ کسی بہانے ان کے ہاں کوئی نہ کوئی "ہون" ہوتا رہتا تھا۔ کیسے کیسے برہمچاری' کیسے کیسے گرو اور پنڈت ان کے ہاں آیا کرتے تھے۔

لیکن.....

گزشتہ دو سال سے وہ ایسی کسی "پوجا" میں شرکت ہی نہیں کیا کرتی تھی بلکہ اب تو اسے اس پوجا پاٹھ کے پکھنڈ سے الجھن سی ہونے لگتی تھی۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی کی تو بات ہے جب موسی کوشلیا نے اسے سمجھا بجھا کر پجاری جی کے سامنے "سیس نوانے" کو کہا تو اس نے اپنی بوڑھی موسی کو قریباً ڈانٹ کر خاموش کروا دیا تھا۔ تب ان کے گھر کی پرانی ملازمہ نے کہا تھا۔

"بھگوان نہ کرے کامنی بیٹی پر کہیں دیوی ماں کا شراپ نہ پڑ جائے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

آج نہ جانے کیوں اسے یہ ساری بھولی بسری باتیں بچپن میں سنائی اپنی نانی ماں کی کہانیوں کی طرح یاد آنے لگی تھیں۔

طاہر کے ساتھ ہی وہ کمروں کے ایک کونے میں موجود کچن تک آئی تھی۔ راستے میں دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ طاہر نے کچن میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ اب تک کامنی ابنارمل تھی اور اس نے بڑی محنت سے اپنے خوشگوار موڈ کا سوانگ رچایا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ کچن میں پہنچے' سارے جہاں کا حزن و یاس جیسے کامنی اگروال کے چہرے پر سمٹ آیا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ طاہر کو کسی عورت کا چہرہ دیکھ کر عجیب طرح کے جذبات کا احساس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوا جسے وہ فی الوقت ہمدردی کے جذبات ہی کہہ سکتا تھا۔

○ ○ ○

"مجھے کچھ تیار نہیں کرنا۔"

اس نے ایک بڑے سے فریج کی طرف بڑھتی کامنی کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے علم ہے۔"

کامنی نے اس کی طرف دیکھے بغیر فریج کا دروازہ کھول کر دو تین انڈے باہر نکال ۔

"پھر بھی آپ....."

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن کامنی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں پھر بھی مجھے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ تو بھرنا ہے۔ کوئی تو جواز پیدا کر کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔"

کامنی نے عجیب سے کھوئے کھوئے لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کامنی جی میں جانتا ہوں یہ۔ کچھ غلط ہے' لیکن میں بے بس ہوں۔ دل کے ہاتھوا ہوں۔ اف میرے خدا! میں کبھی اتنا بے بس نہیں تھا۔ آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آج سب کچھ برداشت کیا۔ مجھ سے آپ کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی۔ میں جانتا ہوں یہ سب سود ہے۔ میں آپ کے لئے مر بھی جاؤں تو کوئی اہمیت نہیں ہو گی اس موت کی۔ کون کہ میں کون تھا۔ کس کے لیے مر گیا اور آپ جان بوجھ کر خاموش رہیں گی کیونکہ یہ ڈیوٹی ہے۔ میں سب کچھ سمجھتا ہوں کامنی جی' لیکن میں کچھ کر نہیں سکتا۔ میرے اختیار نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اور.....

کامنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

دوسری طرف طاہر کو بھی اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا تھا۔

"کہیں اداکاری میں حقیقت کا رنگ تو نہیں بھرنے لگا۔"

اس کے ضمیر نے جیسے ایک زوردار کوڑا اس کی پیٹھ پر رسید کر دیا اور طاہر سہم گ اسے اچانک کیا ہونے لگا تھا۔ وہ تو اداکاری کر رہا تھا۔ وہ تو کامنی اگروال کا دل جیت کر ڈھال بنا کر' اسے سیڑھی بنا کر بٹواری کیمپ کو تباہ کرنا اور یہاں سے زندہ بچ کر اپنے وطن جانا چاہتا تھا۔ اس نے تو یہ سارا ڈھونگ سلیم کے ساتھ پلاننگ کے بعد رچایا تھا۔ دونوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد تین چار منصوبے تیار کئے تھے جن میں سے بالآخر ایک پر صاد کیا تھا اور وہ یہ سب کچھ اس منصوبے کے مطابق کر رہا تھا۔ یہ اداکاری اس منصوبے کا حصہ تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس کی جگہ یہ پارٹ سلیم ادا کرتا۔

لیکن.....

اس نے طاہر سے معذرت کر لی تھی کیونکہ ماضی میں اسے طاہر کے ساتھ اور دو تین مہمات کا تجربہ ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اداکاری کے میدان میں کم از کم اس کے ساتھیوں میں سے کوئی اس کا ثانی نہیں۔

اپنی چرب زبانی' تر دماغی اور شاندار اداکارانہ صلاحیتوں کی بدولت جو شاید اسے قدرتی طور پر ودیعت ہوئی تھیں' طاہر نے بڑے ناممکن اور مشکل ترین حالات میں بھی حیرت انگیز نتائج حاصل کئے تھے اور یہاں بھی اسے اپنی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بہترین نتائج حاصل کرنے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"بزواری کیمپ" کوئی عام سا تخریب کاری کا مرکز نہیں تھا۔ ایس ایس بی بھارت کی عا
سی ایجنسی نہیں تھی۔

اس کیمپ کے تربیت یافتہ تخریبی کاروں نے اس کے ملک میں تباہی مچا دی تھی۔ اسے بادل نخواستہ اپنی اس تباہ کاری کے مرکز کو تباہ کرنے کے مشن پر روانہ کیا گیا تھا۔

یہ اس طرح سے Impossible Mission تھا۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

لیکن..... یہ کیا؟ یہ اسے اچانک کیا ہو گیا تھا؟ وہ کامنی اگروال سے متعلق ایسے عجیب غریب سے جذبات کا مظاہرہ کیوں کرنے لگا تھا۔

"سنبھلو صاحب زادے، سنبھلو۔ کس چکر میں پڑنے لگے ہو۔ اپنے ساتھ سلیم کو بھی مروا گے۔ کیا؟ اور تمہارے مشن کا کیا بنے گا؟" ایک زوردار ذہنی جھٹکے سے وہ قدرے سنبھل گیا۔

کامنی خاموشی سے انڈے توڑ کر اپنی ایک پلیٹ میں ڈال کر پھینٹ رہی تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہیں؟ کچھ بولتی کیوں نہیں؟"

اس نے کامنی کے دائیں ہاتھ پر اچانک اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ طاہر کا دل گواہی دے رہا تھ کہ اس کا یہ عمل بے ساختہ ہے اور اس نے کسی پلاننگ کے بغیر یہ سب کچھ کیا ہے۔ بالکل اُ اداکاروں کی طرح جو کبھی کبھی رونے کی اداکاری کرتے ہوئے جذباتی ہو کر خود بھی رو پڑتے ہیں۔

"کیا یہ اس سین کی ڈیمانڈ تھی؟"

اس نے اپنے دل کو ایک اور جھوٹی تسلی دے کر بہلانا چاہا۔

لیکن.....

ادھر سے نفی میں جواب ملنے پر وہ جیسے ڈر گیا۔

کامنی نے اچانک ہی اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دی تھیں۔ کامنی کی آنکھوں میں چھلک جانے کو بے قرار ہوتے ہوئے آنسوؤں کا سیلاب اسے صاف دکھائی پڑ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھیں جو شاید اس کے سارے وجود کا سب سے خوبصورت حصہ تھیں، اس کی آنکھوں کے راستے براہ راست اس کے دل میں اتر رہی ہوں۔

"دیکھو تمہیں خوش رکھنا میری ڈیوٹی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری ہر طرح سے سیوا کر سکتی ہوں، پھر اس سب کی کیا ضرورت ہے؟ تم مجھے اس کے بغیر بھی......"

کامنی کی نامکمل بات اس نے کاٹ دی۔

"نہیں۔ خدارا ایسے نہ کہیں۔ میں یہ کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے علم ہے میری زندگی ہی ان کاموں میں بسر ہوئی ہے۔ میرے لیے یہ کچھ نیا نہیں ہو گا۔ میں تو......"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"تم جانتے ہو اس کا انجام؟ کبھی تم نے اپنی اور میری حیثیت پر غور کیا ہے۔ ہم دونوں دو الگ انتہاؤں پر رہنے والے ہیں۔ اور تم......"

کامنی نے اب آملیٹ بنانا شروع کر دیا تھا۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں کامنی جی۔ میرا دماغ وہی کہتا ہے جو آپ کہہ رہی ہیں لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ نہیں بتا سکتا۔" اس نے بے بسی کے انداز میں گردن جھکا لی۔ کامنی نے آملیٹ بناتے ہوئے نظریں طاہر پر گاڑ دیں جس نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی۔ بالکل ان ملزموں کی طرح جو اپنی سزا کے فیصلے کے منتظر ہوں۔

"بھگوان کے لئے مجھے اتنا بے بس نہ کرو۔ تم کیوں مجھے اور اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔" کامنی نے تڑپ کر کہا۔

"نہیں آپ کو نہیں۔ ایسا کبھی دوبارہ مت کہیں۔ صرف اپنے آپ کو۔ جس روز مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ میری وجہ سے آپ کو کچھ ہونے والا ہے تو شاید میں خود کو گولی مار دوں۔ میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گا کامنی جی، لیکن آپ پر ایسا وقت نہیں آنے دوں گا۔"

اس نے بڑے جذباتی پن کا مکمل اور بھرپور مظاہرہ کیا۔

کامنی اگروال کو شاید اس سے زیادہ صورت حال کی سنگینی کا احساس تھا۔ وہ قدرے چونکی دکھائی دے رہی تھی۔

"طاہر احتیاط کرو۔ یہاں کچھ بھی ممکن ہے، کچھ بھی۔ اگر تمہارے جذبات سے متعلق کوئی شک بھی ان لوگوں کو ہو گیا تو وہ مجھے ہی نہیں تمہیں بھی مار ڈالیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی۔" کامنی اگروال نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کامنی جی۔ میں آپ کو بھی بتانے والا تھا۔ ہمارا تیسرا ساتھی ...اق پوسوال کا مخبر ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کل رات کی ساری کہانی سنا دی۔

کامنی خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔

"او کے میں کوئی صورت نکال لوں گی لیکن پلیز تم نارمل رہنا۔ خاص طور سے پوسوال

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے سامنے' خواہ وہ کچھ ہی کرے۔ خواہ مجھے جان سے مار ڈالے لیکن تم خاموش رہنا۔ اور ا
کسی بھی حرکت سے انہیں شک میں مبتلا نہ ہونے دینا۔ کسی بھی حرکت سے۔ وہ درندہ ہے' و
درندہ۔ وہ اب جنونی حرکت کرے گا اور کچھ بھی کر گزرے گا۔ اسے یہاں بے پناہ اختیارا
حاصل ہیں۔ اسے سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ اور ہاں اس لڑکے مشتاق سے تو بہت ہو
رہنا۔ خبردار اس کے سامنے کبھی بھولے سے بھی کوئی بات نہ کرنا۔ تمہارے دوسرے ساتھی کو
شک نہیں ہوا ناں۔"

اس نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ اسے کچھ علم نہیں۔ وہ جانتا ہے میں کسی عورت کو اس انداز میں لے ہی نہ
سکتا۔ جس طرح تمہارے ساتھ انوالو (Involve) ہو گیا ہوں۔"

اس نے جان بوجھ کر تم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔

اس مرتبہ کامنی اگروال مکمل عورت بن گئی۔ اس کے لیے اپنے آنسو ضبط کرنا مشک
تھا۔ آنسو بہاتے ہوئے وہ طاہر کے کندھے سے لگ گئی۔

لیکن..... یہ صورت حال چند منٹ سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔ کامنی کو احساس تھا
انہیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

"چلو اب تمہارے کمرے میں چلتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ اس نے حیر
انگیز طور پر خود کو نارمل کر لیا تھا اور اب سنک سے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔

آملیٹ کی دو پلیٹیں اس نے تیار کی تھیں اور وہاں دونوں نے بمشکل آٹھ دس منٹ
گزارے تھے۔ ابھی وہ لوگ ناشتے میں مصروف ہی تھے جب دونوں وہاں پہنچ گئے۔ سلیم نے
ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ مزید چند منٹ کی دیری کوئی بھی قیامت ڈھا سکتی تھی۔ ا
نے فوراً" ہی اس پلیٹ پر ہاتھ صاف کرنے شروع کر دیئے جو بظاہر کچن سے طاہر بنا کر لایا تھ
لیکن اصل میں کامنی نے تیار کی تھی۔ دوسری پلیٹ طاہر نے سنبھال لی۔ وہ مشتاق کو کوئی مو
نہیں دینا چاہتے تھے۔

"میڈم آپ بھی آج ہمارے ساتھ ہی کھالیں ناں۔" سلیم کو نجانے کیوں اچانک کامنی
خیال آگیا۔

"تھینک یو۔ میں صبح کا ناشتہ نہیں کرتی۔ جو کرتی ہوں وہ کر چکی۔ البتہ تمہارے سا
چائے ضرور شیئر کروں گی۔ میرے کپ میں چینی اور دودھ نہیں ڈالنا۔"

کامنی اگروال کی گفتگو سے یوں لگ رہا تھا جیسے چند منٹ پہلے اس کے دل و دماغ پ
منوں بوجھ پڑ رہا تھا' وہ اب اتر گیا ہو۔ وہ پہلے کی طرح بہت نارمل اور قدرے شوخ لہجے

بات کر رہی تھی۔ مشتاق نے اب تک تین مرتبہ اس کی طرف چور نظروں سے دیکھا تھا اور
کامنی ہی نے نہیں' طاہر نے بھی اس کی چوری پکڑ لی تھی۔

کامنی نے جان بوجھ کر مشتاق سے دو باتیں کی تھیں۔ گو کہ وہ یہ سب کچھ بادل نخواستہ کر
رہی تھی لیکن ایسا کرنا اس کے لیے ناگزیر تھا۔ ابھی تک مشتاق نے پوسوال کے سامنے اپنا شک
ی ظاہر کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات یقینی دکھائی دے۔ حالانکہ اس نے طاہر کے سامنے
ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کے دل نے عقل پر فتح پا لی تھی اور محبت فاتح عالم کی سچائی اس کے
رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی لیکن وہ محتاط تھی۔ چوکنی ہرنی کی طرح۔ جیسے کسی بھی لمحے' کسی
بھی سمت سے' کسی بھی درندے کے حملہ آور ہونے کا خطرہ رہا ہو۔ اس نے معمول کے مطابق
ن کے ساتھ قریباً" آدھا گھنٹہ گزارا تھا اور اب اگلی کلاس کا وقت شروع ہونے کی وجہ سے باہر
آگئی تھی۔

○ ○ ○

اسے روزانہ ان تینوں کا نفسیاتی مطالعہ کرنا ہوتا تھا' جس میں ان کی معمولی سے معمولی
رکتوں کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ آج اس نے طاہر کی طرف سے اپنے ہاتھ سے ناشتہ کرنے کی
واہش اور باقی کی ساری کارروائی بھی اپنے حساب سے لکھ دی تھی تاکہ کوئی بھی چیز آف دی
یکارڈ نہ رہے۔ دوپہر کے بعد وہ معمول کے مطابق کرنل بھاٹیہ کے آفس کی طرف اپنی رپورٹ
ل کرنے جا رہی تھی۔ انہیں ہفتے میں ایک روز اپنے اپنے زیر تربیت گروپ کو کرنل بھاٹیہ کے
امنے "ڈسکس" کرنا ہوتا تھا۔

اور..... آج اس کی باری تھی۔ آج کامنی نے کرنل بھاٹیہ کو پیش کرنے کے لیے رپورٹ
کے ساتھ ایک تجویز بھی تیار کر لی تھی۔ اسے عشق نے یہ راہ سجھائی تھی۔ یہ عقل کا کام نہیں
ا۔ اس نے اگلے ہی روز کرنل بھاٹیہ کو طاہر سے متاثر ہوتے دیکھ لیا تھا اور اب کرنل بھاٹیہ
ے دل میں طاہر کے لیے موجود "سافٹ کارنر" کا فائدہ اس نے اٹھانا تھا۔

"سر یہ لڑکا بہت کام کا ثابت ہو گا' اگر اس پر تھوڑی محنت ہو جائے۔" کرنل بھاٹیہ کے
ب طرف فائل رکھنے کے بعد اس نے طاہر سے متعلق ریمارکس دیئے۔

"ہوں ں....." کرنل نے سگار کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ بظاہر تو یہی
گتا ہے' لیکن ابھی کچھ کہنا قبل از وقت نہیں ہو گا؟"

کرنل بھاٹیہ نے اس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بات میں آپ سے کہنے والی تھی۔ اسے ذرا اور دیکھنا ہو گا۔ سر اس سے بہت کام لیا سکتا ہے۔ بہت دم ہے اس لڑکے میں۔ اس نے بڑے پروفیشنل انداز سے کہا۔

"ہوں۔ کامنی ایک تجویز ہے۔" کرنل بھاٹیہ شاید اس سے پہلے ہی ذہن بنا کر بیٹھا تھا واقعی اس نے پہلے ہی روز طاہر کے تیور دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ سلیم نے اس مرتبہ اسے ہ زبردست لڑکا دیا ہے اور اس سے اب بریگیڈیئر ملہوترہ پر فتح حاصل کرنے کے لئے کوئی بڑا کارنا بھی تو کروانا تھا۔

"یس سر۔" کرنل بھاٹیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے مودب لہجے میں کامنی نے کہا۔

"میک اٹ یور سپیشل کیس۔" (اسے اپنا خاص کیس بناؤ۔)

کرنل بھاٹیہ نے یہاں خاص اصطلاح استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"مائی پلیئر سر۔ اپنے دیش کے لیے کوئی بھی سیوا کرنا میرا دھرم اور ڈیوٹی ہے سر۔ آپ جانتے ہیں سر کہ آج تک کامنی اگروال کا کوئی "سپیشل کیس" ناکام نہیں رہا۔ ہمیشہ ہم۔ "بہترین رزلٹ" دیا ہے سر۔ اور آپ کو علم ہے کہ ابراڈ پوسٹنگ (بیرون ملک تعیناتی) کے لـ میرا کیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا ہے۔ اگر یہ لڑکا بھی میرا کیس بنا تو میرے لیے "پلس پوائنٹ" ہو سر۔ اب ایک آدھ پلس پوائنٹ کے بعد مجھے یہ چانس مل سکتا ہے۔ میں آپ کی بہت دھنواد ہوں سر۔ یو آر رئیلی گریٹ سر۔"

اس نے کرنل بھاٹیہ کی شان میں قصیدہ پڑھ دیا۔

کرنل بھاٹیہ سمجھ گیا کہ کامنی اگر خود بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہی ہے تو کسی خا مقصد سے اور اب اسے اس خاص مقصد کا پتہ بھی لگ گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ کامنی اگروا اپنی غیر ملکی تعیناتی کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھی۔ وہ بڑی پروفیشنل لڑکی تھی۔ ا شروع ہی سے کامنی پر بہت اعتماد تھا۔ اس کی صلاحیتوں کا وہ ہمیشہ سے معترف رہا تھا۔

اب دونوں اپنی اپنی مار پر تھے۔ اگر کامنی کو غیر ملکی پوسٹنگ کے لیے کسی کارنامے ضرورت تھی تو کرنل بھاٹیہ کو اپنی کمانڈ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ملہوترہ سے زیادہ اس اہل تھا اور وہی ایک ایسی ہستی ہے جو ایس ایس بی کے بٹواری کیمپ کو کمانڈ کر سکتی ہے۔ ا یہ ثابت کرنا تھا۔ دونوں کی نگاہیں اس کام کے لیے طاہر پر لگی ہوئی تھیں۔

"گوا ہیڈ بے بی۔ میک اٹ سپیشل۔" اس نے کامنی اگروال کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہو کہا۔

کامنی کو امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے یہ مہم سر کر لے گی۔ اس نے محض ا مفروضے کو بنیاد بنا کر کہ کرنل بھاٹیہ طاہر سے پرامید ہے' اندھیرے میں تیر چلایا تھا جو اس

خوش قسمتی سے نشانے پر لگا تھا۔ اسے طاہر سے متعلق گرین سگنل مل چکا تھا۔ اب پوسوال اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

○ ○ ○

بریگیڈیئر ملہوترہ کچھ دنوں کے لیے رخصت پر تھا اور بٹواری کیمپ کی کمانڈ عملاً" اب کرنل بھاٹیہ کے ہاتھ میں تھی۔ پوسوال کو اس کیمپ میں جو "گستاپو" والی حیثیت حاصل تھی' وہ بھی بریگیڈیئر ملہوترہ کی وجہ سے تھی۔ اب کم از کم وہ "آن دی ریکارڈ" اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"آف دی ریکارڈ" اگر وہ کچھ کرنا چاہتا تو دونوں مل کر اس کا سامنا کر سکتے تھے۔ اب شاق کی مخبری بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی بلکہ اب اسے تفویض کردہ ڈیوٹی کے مطابق س کیس پر زیادہ محنت کرنا تھی اور طاہر کو یہ تاثر دینا تھی کہ وہ اس پر مرمٹی ہے۔ اسے اپنے م کا عادی بنانا تھا۔ اسے ذہنی اور نفسیاتی کے ساتھ ساتھ بالآخر جسمانی محتاجگی بھی دینا تھی تاکہ وہ پھر ہمیشہ کے لیے اس کا دم بھرتا رہے اور اس کے اشارہ ابرو پر کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہے۔ کچھ بھی۔

کرنل بھاٹیہ کے آفس سے باہر آتے ہوئے کامنی سوچ رہی تھی کہ واقعی اس نے کرنل ے سامنے سچ بولا ہے۔ اگر اسے گرین سگنل مل بھی گیا تھا تو وہ دونوں کتنا عرصہ ایک دوسرے ے ساتھ رہ پائیں گے۔ یہاں تربیت دو ماہ میں مکمل ہو جائے گی جس کے بعد کیا وہ لوگ اسے ہر سے رابطہ رکھنے کی اجازت دیں گے؟

"اے بھگوان میں کس گورکھ دھندے میں پھنسے جا رہی ہوں؟ یہ کیا شراپ ہے دیوی ا؟" اس نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

اور نجانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ آج زندگی میں شاید پہلی مرتبہ وہ ایک ہی دن میں دو تبہ روئی تھی۔ وہاں کچن میں تو اس نے کمال ضبط سے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

لیکن..... یہاں اپنے کمرے میں اس نے خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا۔ زندگی میں اس سے ، وہ کبھی سسکیاں لے کر نہیں روئی تھی۔ آج وہ بچوں کی طرح رو دی۔ اسے اپنے آپ پر ں آ رہا تھا۔ اپنی بے بسی پر اس کا دل ماتم کرنے کو چاہتا تھا۔ جانے اس نے کب سے اپنے ر آنسوؤں کا یہ سمندر جمع کر رکھا تھا جو اب ریت کی ساری دیواریں توڑ کر بہتا چلا آ رہا تھا وہ اکیلی اپنے کمرے میں روتی رہی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

روتے روتے اسے نیند آ گئی۔

اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ معمول کے مطابق آپریٹر نے ٹیلی فون کی گھنٹی بجا کر اسے پانچ ب
پر بیدار کیا۔ یہ یہاں کی پریکٹس تھی۔ تمام انسٹرکٹرز دوپہر کے بعد اپنے کمروں میں کچھ د
آرام کیا کرتے تھے اور پانچ بجنے پر انہیں دوسری کلاس کی تیاری کے لیے بیدار کیا جاتا تھا۔

باتھ روم کے شیشے میں اپنی شکل پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا دی۔ خلاف معمول آج ا
نے سہ پہر کو باتھ لیا اور جب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو اسے اپنا بدن پھول کی طرح ہلکا پھلکا ہو
کا احساس ہوا۔ جیسے اس نے اپنے سر پر موجود وزن آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی صورت
دیا ہو۔ اس نے معمول کے مطابق کپڑے پہنے تھے جو جین اور جیکٹ پر مشتمل تھے' کیونکہ ا
وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ تربیت پر جا رہی تھی۔

کامنی نے ان تربیتی کیمپوں میں آنے کے بعد خود کو عورت سمجھنا ہی چھوڑ دیا تھا لیک
آج ایک طویل عرصے بعد اس کے اندر کی عورت کو جیئے طاہر نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ اس
کبھی میک اپ نہیں کیا تھا۔ معمول کی فیس کریم ضرور استعمال کیا کرتی تھی لیکن آج نجانے کیو
اس نے لپ سٹک بھی لگا لی تھی۔ عموماً" وہ اپنے گھر رخصت کے وقت جاتے ہوئے یا پھر چ
دن اپنے گھر میں رہتی' اس عرصے میں لپ سٹک لگایا کرتی تھی یا پھر کیمپ کے باہر کبھی یا ڈ
دون میں شہر میں کسی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے۔ اس طرح کیمپ میں ہونٹوں کو سرخی لگا
کا یہ اس کا پہلا موقعہ تھا۔

جب وہ طاہر کے کمرے میں پہنچی تو تینوں ہی حیران رہ گئے۔ طاہر کے لیے حیرانگی کی با
اس کا لاپرواہ ہونا تھا کیونکہ آج صبح ہی اس نے طاہر کو خود محتاط رہنے کے لیے کہا تھا اور ا
خود تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی سے اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اسے با
لے جا رہی تھی۔

اور.....

سلیم اور مشتاق ہونقوں کی طرح دونوں کے پیچھے آ رہے تھے۔

"یا اللہ خیر۔"

سلیم نے دل ہی دل میں کہا۔ "کہیں الٹی آنتیں گلے کو نہ آ جائیں۔ یوں لگتا ہے طا
نے کچھ زیادہ ہی جذباتی اداکاری کر دی ہے۔"

لیکن.....

یہ بے احتیاطی.....!

طاہر خود یہی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

روانگی پر اس نے طاہر کو اپنے ساتھ بٹھایا تھا اور ان دونوں کو پیچھے۔ سلیم پر گھبراہٹ
ری ہو رہی تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب مشتاق کے لیے کوئی مزید ثبوت تلاش کرنا مشکل
ں ہو گا اور وہ کسی بھی لمحے مارے جائیں گے۔

○ ○ ○

اسے اپنے فیصلے پر خود ہی پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے طاہر کو کس کام پر لگا دیا لیکن.....
ہر بھی اتنا بے وقوف تو نہیں۔ اس نے سوچا اور تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ رہا۔ تمام راستے وہ تینوں
ے ہنس ہنس کر باتیں کرتی آئی تھی۔ اس دوران اس نے پہاڑی راستوں پر ڈرائیونگ کرتے
ئے دو تین مرتبہ کسی بات پر قہقہہ بھی لگایا اور ایک مرتبہ تو سٹیرنگ پر اس کا ہاتھ ذرا سا بہکا
رتیوں سہم کر رہ گئے۔

"ارے اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے؟"

اس نے گاڑی کو سیدھے کرتے ہوئے کہا اور تینوں خواہ مخواہ مسکرا دیئے۔

تربیت گاہ پر پہنچ کر وہ رک گئے۔

گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اس نے نقشہ نکال کر بونٹ پر بچھا دیا اور انہیں ہاتھ کے
اروں سے سمجھانے لگی کہ کون کون سا ٹارگٹ کہاں کہاں ممکن ہے' جس کے بعد اس نے
بم اور مشتاق کو ڈی بم دے کر جنگل اور پہاڑی راستوں کی طرف روانہ کر دیا۔

سب نے اپنی اپنی گھڑیاں آپس میں ملا لی تھیں۔ انہیں ایک گھنٹہ میں اپنا اپنا کام مکمل کر
کے اس جگہ واپس پہنچنا تھا۔

دونوں..... طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔ دونوں نے کچھ
استہ اکٹھے طے کرنا تھا جس کے بعد انہیں الگ ہونا تھا۔

"میڈم طاہر پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو گئیں کیا؟"

اچانک ہی مشتاق نے سلیم سے کہا۔

سلیم کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا تھا۔ وہ قطعاً" یہ تاثر
ینے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ اور طاہر ایک ہی ہیں۔ البتہ ایک بات کی اسے اب تک سمجھ آ
ا تھی کہ اگر واقعی طاہر نے کامنی کو شیشے میں اتار لیا تھا تو ہرگز بے احتیاطی نہ خود کر سکتا تھا
ر نہ ہی کامنی ایسا کرنے کا خطرہ مول لے سکتی تھی۔ اگر کامنی طاہر میں ضرورت سے زیادہ
پی ظاہر کر رہی تھی تو ضرور یہ کسی پلان کا حصہ ہو گا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس سوچ کے بعد اب وہ اطمینان سے اس کی ہاں میں ہاں ملا سکتا تھا۔

"ہاں بھئی اپنے اپنے نصیب ہیں۔ پچھلی مرتبہ وہاں راجستھان میں ہمارا بھی دل لگ تھا' اس مرتبہ ہم یونہی رہ گئے۔ بہرحال ابھی تو کافی عرصہ باقی ہے۔ ہمیں بھی محروم تو نہیں جائے گا۔ ویسے ہے سالی پٹاخہ......"

اس نے مشتاق کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

مشتاق کے لیے اس کا جواب بالکل غیر متوقع تھا۔

لیکن.....

وہ نارمل رہا۔

اب وہ کم از کم پوسوال کو ضرور یقین کے ساتھ سب کچھ بتا سکتا تھا اور..... پوسوال طرف سے نقدی اور شراب و شباب کی صورت میں اسے خاصا انعام مل سکتا تھا۔

"ہاں ہاں واقعی اپنی اپنی قسمت ہے۔"

مشتاق نے بظاہر ٹھنڈی آہ بھری۔

اور.....

دونوں الگ ہو گئے۔

اب انہیں ایک گھنٹہ الگ گزارنا اور اپنے اپنے ٹارگٹ ہٹ کرنے تھے۔ دونوں ۔ اپنے اپنے واکی ٹاکی چیک کئے اور کامنی کو روانگی کا سگنل دے کر اپنی اپنی منزل کی طرف چا دیئے۔

"گھبرا گئے کیا؟"

کامنی نے ان کے وہاں سے ہٹتے ہی طاہر سے کہا۔

"نہیں' لیکن....."

طاہر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کہے' کیا نہ کہے۔

"بھئی میں نے سوچا جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ تم سے ملنے کے بعد میرے..... اچانک ؟ خیالات بدل گئے۔ جب تم میرے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کر رہے تو میں کیوں کروں۔ بھا! میں گئیں تمام احتیاطیں اور وہ..... پوسوال اور یہ تمہارا جاسوس۔"

کامنی کی مسکراہٹ کسی اور بات کی چغلی کھا رہی تھی۔

طاہر ابھی تک الجھن کا شکار تھا۔

"کامنی خدا کے لیے سسپنس ختم کرو۔ تم جانتی ہو مجھے تمہاری زیادہ فکر ہے۔" اس نے کہہ ہی دیا۔

اور.....

کامنی پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

ہنستے ہنستے وہ طاہر سے بغل گیر ہو گئی اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی جیپ کے نزدیک ہی ب بڑے پتھر پر بیٹھ گئی۔

○ ○ ○

"طاہر مجھے تمہارے سامنے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے۔ یقین نا میں نے زندگی میں کبھی اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ میں اپنے کالج کی زندگی میں بہترین ھلیٹ تھی۔ محبت آئیڈیل تھی لیکن محبت کرنے کا شاید وقت ہی مجھے نہیں ملا یا پھر کوئی مجھے ڑ ہی نہ کر سکا۔ کالج کی زندگی ختم ہوئی تو اپنی ایڈونچر پسند طبیعت کے ساتھ میں نے یہ پیشہ یار کر لیا۔ یہاں اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد مجھے فیلڈ میں بمشکل ایک سال کام کرنے کا قع ملا جس کے بعد مجھے اس کام پر لگا دیا گیا۔ تب سے اب تک مختلف تخریب کاری کیمپوں ں میری ڈیوٹی لگتی رہی ہے۔ میرے کام سے خوش ہو کر مجھے "بٹواری کیمپ" میں بھیج دیا گیا۔ کسی بھی لڑکی کے لیے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ میں شاید واحد لڑکی ہوں جسے تین سال کے اندر ہی ا کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اس دوران میں نے درجنوں تخریب کاروں کو ٹرینڈ کیا ہے۔ یہ میری ٹی ہے۔ مجھے وقت آنے پر دیش سیوا کے لیے کسی کی بھی سیوا کرنی پڑتی ہے۔ طاہر! یہ اچھی ت ہے یا بری۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ میرے انسٹرکٹروں نے مجھے بتایا تھا کہ اپنے شاشتروں ، مطابق ہمیں اپنی جنم بھومی کو بچانے کے لیے اپنا شریر (جسم) بھی "تیاگنا" پڑے تو یہ ہمارا بتوے (فرض) ہے۔ میرے لیے یہ سب کچھ بڑے "گربھ" (فخر) کی بات رہی ہے۔ میرے باس نے مجھے بتایا تھا کہ ہیڈ کوارٹر میرے کام سے بہت خوش ہے اور اب وہ میری ابروڈ پوسٹنگ کے لق سوچ رہے ہیں۔

جیسی تیسی بھی زندگی تھی' میں اس سے مطمئن تھی۔ میں کبھی دھارمک (مذہبی) نہیں رہی لن میرا سارا پریوار بہت دھارمک ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میری کسی بات سے ناراض ہو کر میری ی نے کہا تھا' مجھ پر دیوی ماں کا شراپ پڑے گا۔ تب میں نے اس بات کو اہم نہیں جانا تھا۔ ے معمول کی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا' لیکن اب مجھے لگتا ہے مجھ پر دیوی ماں کا شراپ پڑ ا ہے۔ تمہارے ساتھ ملاقات کے بعد مجھے یقین نہیں تھا کہ تم میری زندگی میں کبھی یہ مقام ل کر لو گے جو آج سے سات آٹھ سال پہلے کسی ہندو نوجوان کو حاصل کرنا چاہیے تھا۔ تم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے مجھے لاچار کر دیا ہے طاہر۔ بے بس کر دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بے ساختہ رو دی۔

طاہر کو یوں لگا جیسے کسی نے پورے زور سے اس کے دل پر گھونسہ رسید کر دیا ہو۔ کسی نے اسے اچانک اس طرح سے جھنجھوڑا ہو کہ اس کے بدن کا رواں رواں کانپنے لگا۔

اس کا دل نجانے کیوں بھر آیا۔

"یہ اداکاری کبھی اس طرح حقیقت کا روپ بھی دھار لے گی۔"

یہ سوچ کر وہ لرز اٹھا۔

اسے یوں لگا جیسے اس نے کامنی سے جو کچھ بھی کہا تھا' وہ سچ تھا جیسے اس نے سلیم مشاورت سے اداکاری نہیں کی۔ دراصل اپنے دل کی آواز کامنی تک پہنچا دی تھی۔ زندگی دس سال اسی پیشے میں گزارنے کے بعد'

درجنوں خطرناک اور جان لیوا مہمات سر کرنے کے بعد'

اپنے ملک و ملت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد'

ایک روز

اس طرح بالآخر وہ "را" کی تربیت یافتہ کسی فاحشہ کی زلفوں کا اسیر ہو جائے گا۔ پچھتاوا اس کی جان کو آ گیا تھا۔

"نہیں..... نہیں۔"

اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

یہ تو ہمدردی کے جذبات ہیں۔ شاید اسے کامنی اگروال کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ شاید اسے ہمدردی ہے اس سے یہ محبت نہیں..... اس نے سوائے اپنے عظیم مشن کے' ملک و ملت کے' اپنے کاز کے اور کسی سے محبت کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ تو وطن سے اس عشق تھا جو اس نے خود کو رضاکارانہ طور پر اس خطرناک فیلڈ میں دھکیلا تھا۔ ورنہ وہ تو آ آفیسر تھا۔ فوج کا باقاعدہ آفیسر جس کے کریڈٹ میں کئی کارنامے تھے۔ جب کبھی وہ اپنی ور پہنتا۔ اس کا سارا سینہ ان اعزازات سے بھر جاتا جو اس نے یکے بعد دیگرے حاصل کئے تھے۔

وہ اپنی یونٹ کا مایہ ناز کمانڈو تھا۔

محیر العقول کارنامے اس سے وابستہ تھے۔

اور.....

آج..... آج یہاں ایک لڑکی کے سامنے وہ ہتھیار ڈال رہا تھا۔

یہ لڑکی اس کی منزل نہیں تھی۔

یہ تو راستے کا کوئی سنگ میل ہو سکتا تھا۔ وہ عشق کرنے نہیں بٹواری کیمپ کو تباہ کرنے آیا تھا۔

میں اتنا کمزور نہیں ہوں کامنی اگروال۔ مجھے اپنا مشن پورا کرنا ہے۔ میں تمہارے ساتھ وہ تمام تخریب کاری کیمپ ایک ایک کر کے تباہ کر دوں گا جن سے تربیت حاصل کرنے والے میرے ملک کے آستین کے سانپ میرے ملک میں تباہی و بربادی پھیلا رہے ہیں۔ نفرت کی فصل بو رہے ہیں۔ سلامتی کے لیے چیلنج بن گئے ہیں۔"

اس نے اپنے عزم کو دہرایا اور بڑے مضبوط قدموں پر کھڑے ہو کر کامنی کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

"کامنی اگر میرے کسی عمل سے تمہیں دکھ ہوا ہے تو مجھے معاف کر دینا۔ یہ میرا غیر اختیاری عمل تھا۔ تمہیں دکھ دینا میرا مقصد نہیں تھا۔ میں تو اپنے دل کے ہاتھوں بے بس تھا۔"

اس کا دل نجانے کیوں بھر آیا' لیکن..... بڑی مردانگی سے اس نے اپنے آنسو ضبط کر لئے۔

دونوں نے بھیگی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں مسکرا دیئے۔ اس لمحے کامنی کی آنسوؤں سے بھیگی مسکراہٹ نے اسے ایک نئی زندگی کا احساس دلایا۔ کامنی اب نارمل ہو چکی تھی۔ اس نے طاہر کو سب کچھ بتا دیا تھا اور اسے کہا تھا کہ "اب وہ ایک "سپیشل کیس" کی حیثیت سے اس کے مکمل اختیار میں آ چکا ہے۔ کم از کم ہماری دوران تربیت وہ کامنی سے الگ نہیں ہو سکتا۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"اور اس کے بعد.....؟"

نجانے کس طاقت نے یہ فقرہ نہ چاہتے ہوئے بھی طاہر کے منہ سے کہلوا دیا۔

"طاہر بھگوان کے لیے یہ بات دوبارہ کبھی نہ کہنا۔ کبھی نہ کہنا۔ مجھے آج میں جی لینے صرف آج میں۔ کل کیا ہو گا؟ مجھے یہ سوچ ہی مار ڈالے گی۔"

اس کی آواز طاہر کو کہیں دور افق کے پار سے سنائی دے رہی تھی۔ اس لمحے وہ بالکل بدلی ہوئی کامنی تھی۔ جب وہ طاہر سے بات کر رہی تھی' اس کے چہرے کی کرختگی اور چالاکی کی جگہ ایک عام سی معصومیت سمٹ آئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ سب کچھ خود نہیں کہہ رہی کوئی اور طاقت اس سے کہلوا رہی ہے۔

دونوں خاموشی سے سامنے پہاڑ پر سورج کی روشنی سے سرخ ہوتے سبز درختوں کو دیکھتے رہے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ دونوں کے پاس کہنے کو تو بہت کچھ تھا لیکن دونوں کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔

"آؤ تمہارا "ٹاسک" مکمل کر لیں۔"

اس نے شرٹ کی آستین سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" بوجھل دل سے طاہر نے کہا اور دونوں پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گئے۔ طاہر کی بجائے اس کا سارا کام وہ خود ہی کرتی جا رہی تھی۔ شاید وہ پوسوال کے لیے کوئی بہانہ باقی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنے تجربے کی بنیاد پر اس نے ایک گھنٹہ کا یہ کام بمشکل آدھ گھنٹہ میں مکمل کر لیا' پھر طاہر کی جانب متوجہ ہوئی جو سحرزدہ معمول کی طرح اس سے بندھا چلا آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے' پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" اس نے بے تکلفی سے طاہر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ سوچتا ہوں کہ مجھ سے کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی۔ خدا جانے یہ سب کچھ......"

اسے اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے مناسب الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

"میں نے تو زیادتی کی شکایت نہیں کی مہاراج۔ اور اس کھیل کا آغاز بھی آپ ہی نے کیا ہے۔ اب خود ہی بھاگ جانے کے چکر میں ہو۔ طاہر اب تم بھاگ نہیں پاؤ گے۔ یاد رکھنا'" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جیپ کی طرف واپس چل دی۔ دونوں جیپ کے پاس کافی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود ان کے پاس مناسب الفاظ ہی نہیں رہے تھے۔ طاہر سوچ رہا تھا کہ اپنا کام مکمل کر کے جب وہ چلا جائے گا تو کامنی پر کیا گزرے گی۔ اور..... اس کے ساتھ طاہر کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا

کا تصور ہی بڑا لرزہ خیز تھا۔ طاہر نے پہلی مرتبہ خود کو عجیب سے مخمصے کا شکار پایا تھا۔ دونوں دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

کامنی نے اس دوران آئندہ کے لائحہ عمل سے آگاہ کر دیا تھا اور خصوصاً" اسے سمجھا دیا کہ اسے پوسوال سے بچ کر رہنا ہے۔ اس نے پوسوال کے متعلق طاہر کو بہت کچھ بتایا تھا۔ اندازہ اسے پہلے ہی سے تھا اور باقی معلومات اسے کامنی اگروال نے بہم پہنچا دی تھیں۔

اس کی گفتگو کے خاتمے پر اس کے دل و دماغ نے پوسوال کے لیے کم از کم سزا موت ز کی تھی۔ کامنی اگروال کی زبانی اسے علم ہوا تھا کہ اس کے ملک میں ہتھوڑا گروپ اور ت پھیلانے والے دوسرے واقعات کا بانی بھی پوسوال ہے' جس نے روسی کمانڈوز کے ساتھ جی بی کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی۔ جہاں اسے زندہ جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے مار کر ں کا خون پینے کی تربیت دی گئی تھی۔

جہاں اسے دو دو ماہ تک گھنے جنگلات میں جنگلی پتے' درختوں کی چھال اور جانوروں سے ٹ کی آگ بجھانے کی تربیت دی گئی تھی اور وہاں سے اپنے اندر سرائت کرنے والی ساری ندگی وہ اب پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

کامنی نے اسے بتایا کہ دہشت پھیلانے کے نت نئے طریقے نکالنا کیپٹن پوسوال کا کام ہے ر ایس ایس بی کے کسی بھی کرنل سے زیادہ مراعات اور اختیارات کا مالک ہے۔ اس کیمپ میں وجود "را" کی جتنی بھی لڑکیاں ہیں' ان میں سے کسی کی بھی یہ مجال نہیں کہ اس کے حکم کی تابی کر سکے۔ اس نے طاہر سے صاف کہہ دیا تھا کہ پوسوال کو اگر واقعی یہ شک ہے کہ وہ نی میں دلچسپی لے رہا ہے یا کامنی اس میں دلچسپی لے رہی ہے تو وہ کسی مغالطے کو خاطر میں ں لائے گا۔ ڈسپلن کی پابندی کے نام پر بظاہر کچھ بھی کرے گا لیکن اپنی شیطانی فطرت کی وجہ ے وہ ان دونوں کے لیے بے پناہ مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ انہیں اپنے انتقام کی آگ میں اندھا کر مار بھی سکتا ہے۔

کامنی نے اسے بتایا تھا کہ "آف دی ریکارڈ" کسی بھی کارروائی پر پوسوال سے کوئی پوچھ ھ نہیں ہو گی۔

طاہر جانتا تھا کہ کامنی اسے خوف زدہ نہیں کر رہی ہے بلکہ اسے ہوشیار کر رہی ہے اور ا نے سوچ لیا تھا کہ جب سانپ کے بل میں ہاتھ دے دیا ہے تو پھر ڈر کس بات کا۔ جو ہو گا ھا جائے گا۔ مشتاق اور سلیم اپنے مقررہ وقت پر وہاں پہنچ چکے تھے اور ایک مرتبہ پھر کامنی روال اپنے خود ساختہ روپ میں واپس آ گئی تھی۔ جیپ کو بھگاتی ہوئی وہ انہیں کیمپ میں واپس لے آئی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

"مائی فٹ۔"

پوسوال نے اپنے سامنے دھرے کرنل بھاٹیہ کے تازہ ترین آرڈرز پر ایک نظر ڈالنے بعد کاغذ کو اس طرح زین پر دے مارا جیسے اپنی دانست میں وہ طاہر یا کامنی اگروال کو زمین رہا ہو۔

"سالی نے اپنا یارانہ نبھانے کے لیے اب یہ بہانہ تراشا ہے۔"

اس نے کامنی کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ جو کچھ بھی مشتاق کہا تھا' وہ سوچ ہی تھا۔ اب اس نے اپنی اگلی حکمت عملی طے کرنی تھی۔ اس بات کا تو سوال نہیں اٹھتا تھا کہ وہ کامنی یا طاہر کو معاف کر دے۔ اس کے نزدیک اس جرم کی کم از کم موت تھی اور.....

اس نے دونوں کو سزائے موت دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اسے اپنے ارادے کو جامہ پہنانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار تھا۔ اگلے دس بارہ روز اس نے معمول کی ڈ میں گزار دیئے۔ اس دوران اس نے کبھی طاہر کو اہمیت نہیں دی تھی البتہ وہ اس کے سا کامنی اگروال کے ساتھ بیہودہ مذاق ضرور کرتا رہا تھا۔

ایک دو مرتبہ تو طاہر کا خون بھی کھولا کیونکہ اب وہ کامنی سے متعلق کچھ عجیب و غ جذبات کا شکار رہنے لگا تھا۔ لیکن..... کامنی اور پھر سلیم کی سختی سے دی گئی ہدایات کے اس نے خود کو نارمل رکھا۔ سلیم کو اس نے ایک ایک لمحے کی مصروفیات سے آگاہ رکھا تھا۔

اس دوران کامنی اسے قریباً" ہر دوسرے تیسرے روز اکیلے اپنے ساتھ "لانگ ڈرائیو لے جاتی تھی اور گذشتہ تین چار روز سے طاہر کیمپ کے ایریا سے باہر نکلتے ہی خود ڈرائیو سیٹ سنبھال لیتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر کسی غلط پہاڑی راستے پر مڑ جاتا اور کامنی اسے روک دیتی

طاہر اس دوران اس سے غلط راستے کی تفصیلات اس طرح جان لیتا تھا جیسے یہ معمول کی باتیں ہوں۔ قدرت اس کے لیے خود ہی آسانیاں فراہم کر رہی تھی۔

تین چار مرتبہ کیمپ سے باہر ڈیرہ دون کے پہاڑوں اور جنگلوں میں سے گزرتے را پر سفر کرنے کے بعد اسے کم از کم کیمپ کے چاروں طرف فرار کے راستوں کا علم ہو گیا اب وہ بڑے اعتماد سے یہاں سے باہر نکل سکتے تھے اور کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ کبھی طاہر کا ضمیر اسے ملامت بھی کرنے لگتا تھا کہ وہ کہیں اپنے مقصد کی بجا آوری کے

کامنی اگروال پر ظلم تو نہیں کر رہا ہے۔

وہ جانتا تھا اس فرار کے بعد "را" کامنی کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اسے کامنی پر بہت رحم آتا تھا۔ لیکن..... اپنے مشن کی مقصدیت کے سامنے اسے یہ تمام جذبے ہیچ دکھائی دیتے۔ کامنی کو شاید باتیں کرنے کا جنون تھا یا پھر یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی نے پہلی مرتبہ سب کچھ کہہ دینے کا موقع دیا تھا اور اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے بچپن سے را تک ساری کہانی طاہر کو سنا دی تھی۔

○ ○ ○

طاہر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کامنی را کے تربیتی مراکز تک پہنچنا سوائے ایک جذباتی حادثے کے اور کچھ نہیں۔ وہ اندر سے مکمل عورت تھی۔ ایک بھرپور مشرقی عورت' جو زندگی کے بیشتر فیصلے عقل کی بجائے دل سے کیا کرتی۔

اس نے یہ فیصلہ بھی دل ہی دل میں کیا تھا جس کا خمیازہ آج تک بھگت رہی تھی۔ طاہر نے اندازہ لگایا کہ ان تخریبی کیمپوں میں وہ جو بھی خدمات سرانجام دے رہی تھی' اس میں "دیش سیوا" کا جذبہ کم اور خوف کا عنصر زیادہ شامل اور نمایاں تھا۔ شاید اسے علم تھا کہ ایک مرتبہ را کی ایکڈمی سے سند ملنے کا مطلب ہے گرداب میں پھنس جانا۔ اب اسے ساری زندگی اسی گرداب ہی میں چکر کاٹتے بسر کرنی تھی۔ اس نے چونکہ اپنی مرضی سے اس دلدل کا انتخاب کیا تھا' اب جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہی تھی' اس میں اور زیادہ دھنستی چلی جا رہی تھی۔

طاہر سے متعلق کچھ یہی خیالات کامنی اگروال کے بھی تھے۔ اس نے بھی اندازہ لگایا تھا کہ وقتی جذباتیت اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والے انتقام کے اندھے جذبے نے اسے اس جہنم کی طرف دھکیل دیا ہے۔ جہاں اس کے لیے سوائے ذلت اور موت کے کچھ نہیں ہے۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ طاہر کو یہاں سے بھاگ جانے کے لیے کہہ دے۔ اس انکشاف کے بعد کہ اسے طاہر سے محبت ہو گئی ہے' اسے اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی کا احساس ہوا تھا جیسے کسی نے ٹرانسپلانٹ کر کے اس کے اندر نیا دل رکھ دیا ہو۔ اپنے دھرم کے متعلق اس کے جذبات اور نظریات اس سے یا اس کے گھر والوں سے کبھی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ بچپن ہی سے حیرت انگیز طور پر وہ ندر جانے سے ہچکچاتی تھی۔ البتہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر "بابا جی سرکار" کے مزار پر قوالی سننے ضرور چلی جایا کرتی تھی۔ گھر والے تب یہی سمجھتے تھے اور خود کامنی کا بھی یہی خیال تھا کہ اسے میوزک سے دلچسپی کی وجہ سے قوالی پسند ہے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور یہی شوق اسے "بابا جی سرکار" کے پاس لے جایا کرتا تھا۔

گذشتہ چھ سال سے اسے بابا جی سرکار کے پاس بھی بمشکل چار پانچ مرتبہ ہی جا۔ موقع ملا تھا۔

○ ○ ○

اس روز جب دونوں اپنی معمول کی تربیت مکمل کرنے کے بعد شام ڈھلے مشاق اور کو کیمپ میں چھوڑ کر اپنے معمول کے مطابق دوبارہ واپس جا رہے تھے اور پہاڑی سلسلے کے ا قدرے محفوظ گوشہ عافیت میں قدرتی گھاس کے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھے باتوں میں مش تھے تو اچانک ہی طاہر کے الجھے ہوئے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کامنی ایسی بات کہہ دی کہ طاہر بے اختیار سن کر سیدھا ہو گیا۔

"طاہر کبھی کبھی میرا دل کہتا ہے کہ تم یہ سب کچھ غلط کر رہے ہو۔ یا شاید تم وہ نہیر جو تم بظاہر دکھائی دیتے ہو۔ ان دونوں میں سے ایک بات سچ ہے پہلی یا دوسری۔ اگر تم نہ بتانا چاہو تو بھی یہ بات صحیح ہے کیونکہ کبھی کبھی میری چھٹی حس مجھے بالکل صحیح بات کہہ ہے۔" اس نے اچانک ہی کہا۔

طاہر کو تو ایک دفعہ زوردار جھٹکا لگا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔ "ہاں کامنی صحیح کہتی ہو۔ میں بھی کبھی کبھی تمہارے متعلق یہی گمان کرتا ہوں کہ تم جو کچھ دکھائی دے ہو' اصل میں وہ نہیں ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے تم نے زبردستی اپنی شخصیت پر کوئی خول چڑھا ہے۔ تم جیسی لڑکی کا انتخاب ایسے کاموں کے لیے میرے خیال سے تو مناسب نہیں۔ کہاں یہ دھاڑ' قتل و غارت گری اور کہاں تم......"

اس نے اپنی دانست میں سنبھل کر جوابی حملہ کیا تھا' لیکن..... اس روز نجانے کامنی ک ہوا۔ وہ موضوع بدلنے پر تیار نہیں تھی۔

"طاہر میں جانتی ہوں کہ تم یہ بات برائے بات کر رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتی ہوں ک کبھی سچ نہیں بتاؤ گے لیکن مجھے سچ کا علم ہے۔ میں دھرم پر کچھ ایسا وشواش تو نہیں رکھتی' ا مجھے یوں لگتا ہے جیسے دیوی ماں نے مجھے کوئی ایسی شکتی دے دی ہے جو مجھے ان باتوں سے رکھتی ہے۔ طاہر تم گھبراؤ نہیں۔ اگر کبھی وہ کچھ سچ بھی نکلا جو میرا وجدان کہہ رہا ہے تو بھی شاید دل کے ہاتھوں اتنی مجبور ہوں کہ وہ کچھ نہیں کر پاؤں گی جس کے لیے مجھے تنخواہ ملتی - اور جو میرا "کرتوے" (فرض) ہے۔ مجھے علم نہیں' مجھے کیا ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس آواز بوجھل ہو گئی۔

طاہر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے' کامنی کھڑی ہو گئی۔ "آؤ کہیں اور چلیں۔" اس نے زبردستی اپنی آنکھوں میں آئے آنسو روکے ہوئے تھے۔

"کامنی تم......" طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن کامنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ کر خاموش کر دیا۔

"باقی باتیں پھر کبھی۔"

یہ کہہ کر وہ طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریباً" کھینچتی ہوئی جیپ تک لے گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود بیٹھی تھی۔

جیپ کا رخ اب ڈیرہ دون شہر کی طرف تھا۔ طاہر سمجھ گیا تھا کہ کامنی اسی ہوٹل کی طرف لے جا رہی ہے جہاں وہ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ جا چکے تھے۔ یہاں وہ اسے ہمیشہ خصوصی "ٹریٹ" دینے کے لیے لے جایا کرتی تھی۔

"کامنی تم میری وجہ سے پریشان ہو گئی ہو کیا؟"

قریباً" دس منٹ کی مسلسل خاموشی کے بعد طاہر نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کرتے ہوئے کامنی سے پوچھا' جس کو کامنی نے شاید گفتگو سے بچنے یا اپنے جذبات چھپانے کے لیے یپ میں بیٹھتے ہی سٹارٹ کر دیا تھا اور جس کی آواز اب طاہر کو تکلیف دہ لگنے لگی تھی۔

"طاہر زندگی جتنی بھی ہے' جتنا بھی ہمارا ساتھ ہے۔ یہ بات دوبارہ کبھی مت کہنا۔ مجھے ں سے بہت دکھ ہو گا۔ میں اپنی نہیں تمہاری وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔ تم' تم..... میں کیا کروں۔ میں تمہیں کیا کہوں۔ طاہر تم اس دنیا سے نکل جاؤ۔ تم دھوکے کا شکار ہو۔ تم جو کچھ کر ہے ہو' غلط ہے۔ ایک دم غلط۔ کیا معاشرے سے انتقام لینے کے لیے کوئی اپنے گھر کو آگ لگا یا کرتا ہے۔ وہ یہ کیسا انتقام ہے طاہر؟ تم اپنے دیش کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھوں ے قتل کرو گے۔"

اس نے اچانک ہی جیپ سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے روک دی تھی اور طاہر ونچکاں اس کے منہ کی طرف ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے کان جو ھ سن رہے ہیں' وہ واقعی کامنی اگروال کے منہ سے برآمد ہو رہا ہے۔

"طاہر حیران نہ ہونا' میں اپنی دیش سے غداری کر رہی ہوں۔ مجھے ایجنسی کی طرف سے یں نصیحت کرنے کی نہیں' تمہیں ورغلا کر تمہارے ہاتھوں تمہارے ہی بھائی بندوں کے خلاف ی پھیلانے کی تنخواہ دی جاتی ہے' لیکن بھگوان جانے مجھ میں کہاں سے میرا ضمیر زندہ ہو گیا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہے۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔ تمہارے ہاتھوں یہ سب کروانا مجھے اچھا نہیں لگتا
یہ کہہ کر وہ باقاعدہ اس کے کندھے سے سر لگا کر رو دی۔ طاہر چکرا کر رہ گیا۔ کہیں یہ ٹریپ
نہیں۔ کہیں اس کی اصلیت جاننے کے لیے "را" نے کامنی اگروال کو اس کے ساتھ تو نہیں
دیا۔ اس کا دل یہ بات تسلیم نہیں کر رہا تھا' لیکن..... اسے دل کی نہیں عقل کی ہدایت پر
کرنا تھا۔

"کامنی پلیز نارمل ہو جاؤ' پلیز۔ یہ ہم دونوں کے لیے خطرناک ہوگا۔ یہاں کوئی بھی آ
ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

اس نے کامنی کی پیٹھ تھپکا کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

شاید کامنی نے بھی اس صورت حال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا کیونکہ وہ شہر کے نز
آ رہے تھے اور اب سڑک پر ٹریفک کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

"آئی ایم سوری۔"

کامنی نے اپنی آستین کے پلو سے اپنا چہرہ صاف کیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا
آنسوؤں سے بھیگی اس کی یہ مسکراہٹ کسی نیزے کی انی کی طرح طاہر کو اپنے کلیجے میں ا
ہوئی محسوس ہوئی۔

○ ○ ○

اس مرتبہ اس نے ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا تھا اور اپنی سیٹ پر بدن ڈھیلا چھوڑ کر
سے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بیٹھا رہا۔ کامنی کی باتیں تکرار بن کے اس کے
دماغ میں گونج پیدا کر رہی تھیں اور وہ مسلسل ایک ہی گرداب میں پھنس کر رہ گیا تھا کہ
کامنی کے دل کی آواز تھی؟ یا پھر وہ اسے "ٹریپ" کر رہی تھی۔

گو کہ بار بار سوچنے اور غور کرنے پر بھی اسے پہلی بات سچ دکھائی دیتی تھی' لیکن اس
ابھی تک اس سچائی کو عقل سے تسلیم نہیں کیا تھا اور اپنے آپ سے سختی سے وعدہ کیا تھا
دل کی باتوں پر فی الوقت کان نہیں دھرے گا۔

ڈیرہ دون آ گیا تھا۔

کینٹ ایریا کے خوبصورت ہوٹل "آکاش" کی پارکنگ میں کامنی نے جیپ کھڑی کر
اپنے وینٹی بیگ سے شیشہ نکال کر اس نے نظر اپنے چہرے پر ڈالی اور اپنی بے بسی پر شاید
مسکراتے ہوئے ٹشو پیپر سے چہرے کو ٹھیک کیا' پھر بظاہر حیرت انگیز طور پر نارمل ہوتے ہو

کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتر آئی جو جیپ سے نیچے اتر کر اس کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

○ ○ ○

دونوں ابھی ہوٹل کے مین گیٹ پر ہی پہنچے تھے جب مین گیٹ کے سامنے تین کاریں یکے
بعد دیگرے آ کر رکیں اور کسی نے "جے شری راکیش مہاراج کی" کا نعرہ لگایا۔ اس آواز پر
اچانک ہی رک کر کامنی نے اس طرف گردن گھمائی۔

ایک مرسیڈیز کار سے "راکیش مہاراج" برآمد ہو رہے تھے اور ان کے پندرہ بیس چیلے
چانٹے ان کے گرد حلقہ باندھے شاید انہیں ہوٹل کے دروازے تک اپنے جلو میں لے جانے کی
تیاری کر رہے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ۔ یہ کم بخت کہاں سے آ گیا۔ چلو واپس چلیں۔" کامنی نے طاہر سے کہا اور
دونوں انہی قدموں پر واپس گھوم گئے۔

ضرور دال میں کچھ کالا تھا طاہر نے یہاں کچھ پوچھنا مناسب نہ جانا اور اس کے پیچھے
پارکنگ تک آ گیا۔

کامنی نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا اور جیپ کا رخ شاید کسی دوسرے ہوٹل کی طرف کر
دیا۔

طاہر چپ چاپ اس کے ساتھ بیٹھا اس کے افعال کا جائزہ لے رہا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کامنی کے چونک جانے کا انداز اتنا فطری اور اچانک تھا کہ طاہر کو کچھ دیر کے لئے سیریس ہونا پڑا۔ اس نے ابھی تک سوامی کی ایک جھلک دور ہی سے دیکھی تھی لیکن اس کا سراپا ایک نظر دیکھنے پر بھی طاہر کے دل و دماغ پر نقش ہو گیا تھا۔

"کون ہے یہ؟"

اس نے حیران و پریشان کامنی سے دریافت کیا۔

"لعنت بھیجو۔ آؤ چلیں۔"

کامنی نے اپنی دانست میں یہ کہہ کر جان چھڑا لی تھی۔

"لیکن....."

طاہر کا تجسس قائم تھا۔

وہ کامنی کے تعاقب میں کار پارکنگ ایریا کی طرف جا رہا تھا جہاں انہوں نے جیپ پارک کی تھی' لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک وہیں جمی تھیں۔

سوامی اب ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا اور اس کے تعاقب میں آنے والی بھیڑ بھی اندر ہی چلی گئی تھی۔

دونوں ایک مرتبہ پھر جیپ میں بیٹھ گئے تھے۔

"شاید یہ موسم محبت کے لیے سازگار ہی نہیں۔"

کامنی نے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے کہا کیونکہ اس نے نوٹ کیا تھا کہ طاہر گذشتہ تین چار منٹ سے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"ہاں شاید۔"

اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر بظاہر کامنی کو یہ بتانا چاہا کہ اسے بھی افسوس ہو رہا تھا اور شاید وہ بھی آج کامنی سے بہت کچھ کہنا سننا چاہتا تھا۔

"کمبخت نے ساری شام برباد کر دی۔"

کامنی نے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ سوامی جی مہاراج ہے کون؟ اور کوئی بھی ہو آخر....."

طاہر کی بات نامکمل ہی رہی۔ کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو میں ابھی شاید تمہارے ہر سوال کا جواب نہ دے پاؤں۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا اس کے سامنے نہ جانا ہی دونوں کے لیے بہتر تھا۔ دیکھو طاہر میرا من کہتا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر ہو۔ یہ میں نہیں کہتی' اپنے دیش کی طرف سے یا بھگوان کی طرف سے۔ بہرحال لگتا ہے کہ تم ایک دن اس سب کچھ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ کیونکہ تم اس سیٹ اپ میں ان فٹ ہو۔ شاید تم محض اپنے اشتعالی جذبے کی تسکین کے لیے یہاں تک آ گئے ہو۔ شاید تمہیں پرماتما کسی خاص مشن کے لیے تیار کر رہا ہے کیونکہ یہ سارا گورکھ دھندہ جو یہاں پھیلایا گیا ہے' اس کا مقصد سوائے انسانیت کی تباہی کے اور کچھ نہیں۔ یہاں انسانوں کو حیوان بنایا جاتا ہے۔ انہیں درندے بنا کر اپنے ہی لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے اور تم ابھی تک انسانیت کی سطح سے گرے نہیں۔ ابھی مجھے تمہارے اندر وہ درندگی دکھائی نہیں دی جو یہاں آنے والوں میں نظر آتی ہے۔ یا تو تم بڑے اداکار ہو اور میرے ساتھ محبت کا جھوٹا کھیل رچا رہے ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر تمہیں ایک روز یہاں سے بھاگنا ہو گا' کیونکہ محبت کرنے والے اپنے بچوں کو بم دھماکوں سے نہیں اڑایا کرتے۔ اپنے ہنستے بستے گھروں' کھیتوں اور کھلیانوں کو اجاڑا نہیں کرتے۔ تم میری باتیں سن رہے ہو نا؟"

اس نے اچانک ہی جیپ سڑک کے کنارے گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑی کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

طاہر سہم کر رہ گیا۔

یہ بڑا بھرپور نفسیاتی حملہ تھا۔

اسے سنبھل کر جوابی وار کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا کامنی سچ کہہ رہی ہے۔ وہ بہرحال عورت تھی' جس کے دل میں اس نے اپنے جھوٹے سچے جذبے سے محبت کی جوت جگا کر اسے اس کی اصلیت کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔

وہ جانتا تھا کامنی سچ کہہ رہی ہے۔

لیکن.....

کیا یہ سچ اس کی اصلیت اگلوانے کے لیے بولا جا رہا ہے؟ یا پھر کامنی اسے احساس دلا رہی ہے کہ وہ واپس چلا جائے کیونکہ اس کی زندگی کا جہاز کسی غلط سیارے پر لینڈ کر گیا ہے۔

یہ اس کی منزل نہیں

یہ تو سراب ہے..... سراب.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کامنی اسے اس دھوکہ کی دنیا سے نکال دینا چاہتی تھی۔

اگر یہ سچ تھا تو کامنی اسی لمحے دنیا کی عظیم ترین عورت بن کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ اپنی زندگی کا ایسا جوا کھیل رہی تھی جس میں سوائے ہار کے اور کچھ نہیں تھا۔ جس کا انجام سوائے ایک اذیت ناک موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

طاہر کو ہالی وڈ کی وہ فلمیں یاد آگئیں جو اس نے ویت نام کی جنگ پر دیکھی تھیں جہاں کسی جوا خانے میں بھرے ہوئے پستول کے ساتھ ہارنے والے کی کنپٹی پر یہ کہہ کر فائر کیا جاتا تھا کہ میگزین میں ایک گھر خالی ہے اور دوسرا بھرا ہوا ہے اور ہر دفعہ پستول کا ٹریگر دبنے سے تماشائیوں کے دلوں کی دھڑکن کس طرح رک جایا کرتی تھی۔

آج حالات نے اس کے ہاتھ میں خالی میگزین والا پستول دے کر کامنی کو اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اب اسے کامنی اگروال کی کنپٹی پر گولی چلانی تھی۔

اور.....

اس کا انجام کیا ہوتا؟

وہ بخوبی جانتا تھا۔

اس کے دل نے اسے گمراہ نہیں ہونے دیا تھا' لیکن آج نجانے کیوں طاہر کو لگا جیسے اس کا دل اس کا ساتھ چھوڑ رہا ہے کیونکہ وہاں سے کامنی کے متعلق کیے گئے سوال کا ایک نیا جواب آ رہا تھا۔

کامنی سچی ہے۔

وہ اس کی طرح اداکاری نہیں کر رہی۔

کسی کمزور ترین لمحے میں اس نے کامنی کی طرف کیوپڈ مہاراج کا جو تیر چلایا تھا' وہ سیدھا اس کے دل میں ترازو کر گیا تھا۔

اور.....

اسے احساس ہو گیا ہے کہ دیش بھگتی کے نام پر اس کی زندگی تماشا بن چکی ہے۔ یہ نوکری تو دلی اور بھارت کے دوسرے بڑے شہروں کے ہوٹلوں میں کرنے والی پیشہ ور کال گرلز سے بھی زیادہ بری تھی۔

وہاں تو ہر کال گرل کو اس بات کا علم ہوتا تھا کہ وہ جسم فروشی کی قیمت اپنی مرضی سے وصول کر رہی ہے۔

اور..... یہاں

یہاں اس کا جسم ہی نہیں' دل و دماغ بھی گروی رکھ کر ان کے آقا اپنی مرضی سے اپنی مرضی پر فروخت کر رہے تھے اور بکنے والی کے ہاتھ سوائے ایک بدنام پچھتاوے کے اور کچھ نہیں آنا تھا۔

اپنی دوسری بہت سی دوستوں کی طرح آج کامنی اگروال کے ضمیر نے بھی اس سے خیانت کیا کہ ایک طرف تو ان کا دھرم مسلمانوں کو نیچ سمجھتا ہے' اور دوسری طرف.....

بھارت ماتا کی اکھنڈتا کے نام پر ان کے جیون کا بلیدان (قربانی) کیا جا رہا تھا۔

انہی مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے جسم پیش کیے جا رہے تھے۔ اپنی دیش بھگتی کے نام پر حکم دیا جا رہا تھا کہ فلاں ایجنٹ کا بستر گرم کر کے اسے اپنے دام تزویر میں پھنسا لو تاکہ پھر وہ تمہاری زلفوں کا اسیر بن کر تمہارے اشاروں پر بندروں کی طرح ناچتا رہے۔

اپنے ہم مذہبوں' ہم وطنوں کا خون بہاتا رہے۔

یہ سب کیا تھا؟

آخر یہ بڑے بڑے دھرماتما (مذہبی اور سیاسی لیڈر) کسے دھوکہ دینے جا رہے تھے۔

گذشتہ تین چار سالوں میں کامنی نے کئی مسلمان نوجوانوں کو اپنے ناز و ادا سے "غداری" کے لیے آمادہ کیا تھا۔

اب تو اسے ڈھنگ سے ان کے نام بھی یاد نہیں آ رہے تھے۔

اور اسے اس کا عوضانہ کیا ملا؟

کچھ خصوصی اسناد' کچھ نقد انعامات..... اور "ابراڈ پوسٹنگ" کا وعدہ۔

لعنت ہے۔

اسے اپنے آپ سے اپنے دھندے سے جسے پیشے کا نام دیا جاتا تھا' گھن آنے لگی تھی۔

"کامنی..... میں جانتا ہوں تم مجھ سے کیا سننا چاہتی ہوں' لیکن ابھی میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے پاؤں گا۔ دراصل ہر سوال کا جواب اتنی جلدی دیا بھی نہیں جا سکتا۔ وقت سے سوالوں کے جوابات وقت دیا کرتا ہے۔ ہاں ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمہیں ان تمام سوالوں کا جواب ضرور ملے گا۔ میں تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک مخلص رہوں گا اور یہ کہ میرے محبت کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے' ممکن ہے وہ پہلے جھوٹ ہی ہوں لیکن یہ میری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے اور اس سچ کی مجھے جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے' میں ضرور ادا کر
گا۔"

اس نے کامنی کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اپنے الفاظ کے ذریعے سچائی
ایسی طاقت اتار دی تھی جس نے کامنی کے ڈگمگاتے قدموں کو مضبوط کر دیا۔

اس کے دل و دماغ پر جمے شکوک و شبہات کی گہری دھند جسے سورج کی تیز کرنوں
ساتھ اچانک تحلیل ہو گئی۔

اب سامنے کا منظر واضح تھا۔

کامنی کو اپنے تمام سوالوں کے جوابات مل گئے تھے۔ گو کہ یہ "آن دی ریکارڈ" جواب
نہیں تھے۔

لیکن......

طاہر کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ کی سچائی نے اس کے اندر بیٹھے خوف اور وسو
کے سارے اندھیروں کو چاٹ لیا تھا۔

اب وہ بڑے صاف اور واضح ذہن سے کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔ اب اسے اپنے
غلط یا صحیح فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہ ہوتا۔

اور.....

وہ یہی چاہتی تھی۔

اب وہ غلامی کے اس طوق کو جو ایک ہندو گھرانے میں جنم لینے سے اس کے گلے
دھرم اور دیش بھگتی کے نام پر ڈال دیا گیا تھا' اتار کر پھینک سکتی تھی۔ مکمل اعتماد اور بھر
کے ساتھ۔

ایک سرشاری کے عالم میں۔

فتح کے احساس سے۔

سربلندی اور فخر کے ملے جلے جذبات سے اس نے طاہر کی طرف دیکھا اور اس
سراپے کو دو قالب اور یک جان بنا ڈالا۔

طمانیت کے یہ لمحات اسے اگلے جہانوں کی سیر کروانے لگے تھے۔ اسے اپنا وجود ہلکا ہو
آسمانوں پر تیرتا محسوس ہونے لگا تھا۔

مدہوشی کی ایک رگ و پے میں سرایت کر جانے والی کیفیت نے اسے اپنی لپیٹ میں
رکھا تھا۔ جب سامنے سڑک پر دور سے آنے والی کسی گاڑی کے ہارن کی آواز نے جو یہاں
ٹیڑھی میڑھی پہاڑی سڑکوں کا موڑ مڑتے ہوئے سامنے سے آنے والے ڈرائیور بجایا کرتے

کامنی کو عالم ہوش میں واپس لوٹا دیا۔

بادل نخواستہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور جیپ پھر سڑک پر رینگنے لگی۔

کافی دیر تک دونوں اپنے اپنے دل کی دھڑکن سنتے رہے۔ شاید دونوں ہی ایک دوسرے
سے بات کرنے کے خواہش رکھنے کے باوجود آنکھ ملا کر بات نہیں کرنا چاہتے تھے' جیسے دونوں
ایک دوسرے کے چور تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کی چوری پکڑ لی تھی۔ دس پندرہ منٹ
خاموشی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

سڑک کے دو رویہ کھڑے تناور درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ جس میں جیپ کے انجن
کی آواز بھی شامل تھی' دروازوں سے ٹکرا کر بڑی زوردار آواز پیدا کر رہی تھی اور دونوں خواب
کے مسافروں کی طرح جیپ کو جہاز کی طرح اڑتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

بڑواری آنے والا تھا۔

ریسٹ ہاؤس والی سڑک سے وہ اپنی منزل کی طرف گھوم گئے۔

سڑک کے دو رویہ بجلی کے کھمبوں پر لٹکے بلبوں کی زرد روشنی سیاہ تارکول میں لپٹی سڑک
پر پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ رہی تھیں۔

"سوامی اگر زندگی کے کسی موڑ پر مل جائے تو اس سے بچ کر رہنا۔ ایجنسی میں اسے کوئی
بہت خصوصی حیثیت حاصل ہے۔"

اچانک ہی کامنی نے سامنے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور
اسے چونکا دیا۔

"تھینک یو۔"

بے ساختہ طاہر کے منہ سے نکل گیا۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

کامنی نے پھیکی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

دونوں اب مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔

کامنی جیپ کو بیرک تک لے آئی تھی۔

"Please Be Normal"

اس نے طاہر کو اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنے اندر کے ڈر سے
روشناس کرایا۔

"Please Be Brave"

طاہر نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا اور نیچے اتر گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے مڑ کر کامنی کی طرف نہیں دیکھا تھا جو اس کے بیرک کو جانے والے راستے سیڑھیاں چڑھنے تک اس کی منتظر رہی' پھر طاہر کو جیپ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور کا آگے بڑھ گئی۔

○ ○ ○

دونوں اسی بات سے قطعی بے خبر تھے کہ ان کے گیٹ سے اندر داخل ہونے سے یہا تک کے ایک ایک لمحے کا کیپٹن پوسوال نے اپنی نفرت بھری آنکھوں سے مکمل نظارا کیا ہے۔ گیٹ پر موجود اس کے مخبر نے انٹرکام کے ذریعے پوسوال کو جو اس وقت ٹی وی پر ایک بلیو سے لطف اندوز ہو رہا تھا' دونوں کی آمد کی خبر دی تھی۔ اور پوسوال ٹی وی کا سوئچ آف کر پھرتی سے اپنی نائٹ ویژن (اندھیرے میں دیکھنے والی) دوربین آنکھوں سے لگا کر اپنے کمرے کھڑکی سے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اس کا کمرہ رہائشی بلاک کے فرسٹ فلور پر تھا' جہاں سے سارا منظر بڑا واضح دکھائی د رہا تھا۔

غصے اور نفرت سے اس کے بدن پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ اس کا جی چاہتا تھا ابھی جائے اور دونوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کر کے اپنی فتح کا جشن منائے۔ وہ ایسا کر کا اختیار بھی رکھتا تھا۔

لیکن.....

کرنل بھاٹیہ نے "سپیشل کیس" کی فائل اس تک پہنچا کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے تھ اس سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت کامنی کو اس کے بستر تک پہنچنے سے نہیں روک سکی تھی۔ وہ بااختیار تھا کہ جب چاہتا' یہاں موجود انسٹرکٹر لڑکیوں میں سے کسی ایک کو بھی اٹھا کر ا کمرے میں لے آتا۔

یہاں کی کسی لڑکی کی جرات نہیں تھی کہ اس کی مرضی کے خلاف معمولی سا احتجاج بلند کر سکے۔ اگر وہ کامنی کے خلاف اب "آن ریکارڈ" کوئی حرام کاری کرتا تو اس مسئلے کا سیر نوٹس لیا جا سکتا تھا کیونکہ بریگیڈیئر ملہوترہ کی غیر موجودگی میں کرنل بھاٹیہ مکمل اختیارات کا ما تھا اور ملہوترہ کا نزدیکی ساتھی ہونے کی وجہ سے بات کوئی غلط رخ بھی اختیار کر سکتی تھی۔

بریگیڈیئر ملہوترہ ہی کی وجہ سے تو وہ یہاں راجا بنا ہوا تھا۔ اس کی تمام تر بدمعاشیوں مکمل پشت پناہی ملہوترہ کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

اب اسے جو کچھ بھی کرنا تھا "آف دی ریکارڈ" کرنا تھا۔

اور....

کسی معقول وجہ کے بغیر انتقام کی آگ میں سلگتے ہوئے پوسوال نے کامنی کو بڑی بھیانک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا' جس پر وہ اگلے آٹھ دس روز کے بعد ان کی "فائنل ایکسرسائز" کے وقت عمل کر سکتا تھا۔

رات کے اندھیرے میں "بٹواری کیمپ" کے کچھ فاصلے پر گھنے جنگل میں اس نے اس فائنل ایکسرسائز کے موقع پر کامنی کی آبرو ریزی کے بعد اسے "حادثاتی موت" سے دوچار کرنے کا مکمل منصوبہ بنا لیا تھا۔

○ ○ ○

جنگل اور رات کے اندھیرے میں اسے شکار کھیلنے کا کتنا مزا آئے گا۔

کامنی کس طرح تڑپے گی اور وہ کتنی درندگی سے اس کی بوٹیاں نوچنے کے بعد اس کے جسم کو سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں پھینک دے گا جہاں تیز رفتار برفانی نالے میں سے کسی ایک نالے میں اس کی لاش پتھروں سے ٹکرانے کے بعد جب یہاں سے کچھ دور برآمد ہو گی تو اسے "اتفاقی حادثہ" لکھ کر کیس ختم کر دیا جائے گا۔ اپنی حیوانیت کے اس تصور سے ہی اس کے رگ وپے میں نشہ اترنے لگا۔ اس نشے کی کیفیت کو دو آتشہ کرنے کے لئے اس نے رم کی بوتل نکالی اور انٹرکام پر لگے اگلے ہی روز "بٹواری سنٹر" جوائن کرنے والی لڑکی کو اپنے کمرے میں پہنچنے کا حکم دیا۔

"آج بڑی دیر لگا دی۔"

اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلیم نے مشتاق کی طرف دیکھ کر آنکھ دباتے ہوئے مخصوص اشارے سے کہا۔

"آج میڈم اپن کو لیے ٹرپ پر لے گئی تھی۔"

طاہر نے تماش بینوں کے سے لہجے میں اس طرح کہا کہ مشتاق وہی سمجھے جو وہ چاہتے ہیں۔

"یار تمہارے ساتھ سالی بڑی سیٹ جا رہی ہے۔"

سلیم نے جان بوجھ کر اگلا فقرہ کہا۔

"یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے پیارے۔ ذرا ادھر جا لینے دو۔ ایک دھماکہ کر کے ہی سالی کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اپنے قابو میں کر لوں گا۔ بس تم دیکھتے رہنا۔"

طاہر نے قہقہہ لگایا۔

سلیم کے ساتھ مشتاق نے بھی بادل نخواستہ ہی ان کا ساتھ دیا تھا۔

مشتاق اب حیلوں بہانوں سے ایسے سوال کر رہا تھا جس میں ان دونوں سے متعلق شک کوئی پہلو نکلے اور وہ اس سے پوسوال کو باخبر کر دے۔ پرانا ایجنٹ ہونے کے ناطے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ بسا اوقات کسی ایجنٹ میں خصوصی مہارت دیکھنے کے بعد ایجنسی اس کے ساتھ کسی لڑکی کو مستقل چپکائے رکھتی ہے تاکہ وقت آنے پر وہ اس گدھے کو اس لڑکی کے ذریعے بہتر طریقے سے استعمال کر سکیں۔ اسے یہ تو سمجھ آ رہی تھی کہ کامنی اور طاہر کے درمیان جو بھی معاملات چل رہے ہیں، ان کا علم ایجنسی کو ہو گا۔

لیکن......

اسے کیپٹن پوسوال کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے الگ کوئی بات تلاش کرنی تو تھی ہی۔ وہ اپنے انعام کی رقم میں اضافہ کروا سکتا تھا۔

رات کا کھانا انہوں نے حسب معمول ہال کمرے میں کھایا، جس کے بعد انہیں گزشتہ تین روز سے شروع ہونے والی رات کی تربیت کے لیے بلایا گیا۔ یہ خصوصی تربیت تھی جو انہیں آسام کے ایک کرنل نے دینی تھی۔

کھانے کے بعد پندرہ لڑکوں کے ایک گروپ کو وہ لوگ ایک فوجی ٹرک پر بٹھا کر یہاں سے ڈیرہ دون کی طرف لے گئے۔ یہ علاقہ جہاں وہ آئے تھے، طاہر کے لیے بھی اجنبی تھا۔ حالانکہ اس نے کامنی کے ساتھ یہاں خاصی مٹرگشت کی تھی اور نزدیک دور کی سڑکوں اور راستوں کا بھی اسے علم ہو گیا تھا۔

شاید بھارتی آرمی کی کوئی ٹریننگ فیلڈ تھی، جہاں انہیں ٹرک سے اتار کر کرنل صاحب کے سامنے پیش کیا گیا جنہوں نے باری باری تمام لڑکوں سے انہیں سبوتاژ کے متعلق دی گئی تربیت سے متعلق سوالات پوچھے۔

قریباً" ایک گھنٹہ کے بعد انہیں ایک بڑے میدان میں لے جایا گیا جسے ان لوگوں نے ایک ریلوے پلیٹ فارم کی شکل دے رکھی تھی، جہاں بالکل اسی انداز کے ریلوے کے ڈبے اور انجن موجود تھے جیسے پاکستان میں ہیں جب کہ دوسرے کونے پر پاکستانی بسیں کھڑی تھیں۔

یہاں کرنل نے ان سے باری باری ٹرین کے ڈبوں، بسوں اور لاریوں میں خفیہ طریقے اور برق رفتاری سے بم نصب کروانے کا عملی مظاہرہ کروایا۔

○ ○ ○

وہ سوائے تین لڑکوں کے اور کسی کی ٹائمنگ سے مطمئن نہیں تھا۔ ان کے ساتھ کیمپ آنے والے کیپٹن پوسوال سے اس نے بڑے طنزیہ انداز میں دو تین باتیں کر کے اپنی بے ناپی کا اظہار بھی کیا تھا اور اگلے چار روز تک مسلسل یہاں آ کر ان کی ٹائمنگ کو بہترین نے کی تلقین کی تھی۔

سپیشل سروس بیورو (ایس ایس بی) اپنے تربیت یافتہ تخریب کاروں کو تخریب کاری اور ت گردی میں اوج کمال تک پہنچانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

یوں تو بھارت میں بہت سے دہشت گردوں کے تربیتی کیمپ موجود تھے، لیکن اس کیمپ تربیت پانے والے ایجنٹ اپنے بہترین نتائج کی وجہ سے اپنے فن میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔

جن تین لڑکوں کی کارکردگی پر کرنل نے اطمینان کا اظہار کیا تھا، ان میں ایک طاہر بھی جس کا مطلب یہی تھا کہ اب کیپٹن پوسوال کو مزید محتاط ہونا پڑا کیونکہ اب طاہر کا شمار اس ں کے بہترین تربیت یافتہ دہشت گردوں میں ہونے لگا تھا اور اس کے خلاف کسی بھی روائی میں کسی انسٹرکٹر کے ذاتی تعصب کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

واپسی پر کیپٹن پوسوال کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ تمام راستے اپنے شاگردوں کو گالیاں دیتا تھا۔ البتہ طاہر اور بنگلہ دیش کے دونوں لڑکوں کی اس نے بطور خاص تعریف کرتے ہوئے ان لیے مخصوص رقم کے انعام کا اعلان کر دیا تھا۔

اس نے بھی ایک لمحے کے لیے یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ اس کی اصلیت کو جانتا ہے۔

طاہر کو اب زیادہ انتظار نہیں کرنا تھا۔

اگلے ہفتے میں کسی بھی وقت یہاں بارشوں کا سیزن شروع ہونے والا تھا اور وہی ان کے کام کرنے کا بہترین وقت تھا۔

یہاں کے کڑے انتظامات کے سبب تو ابھی تک انہیں "سیف سگنل" (جاسوس اپنے ٹ تک محفوظ پہنچنے کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹر کو جو سگنل دیتے ہیں۔) بھی نہیں بھیج سکے تھے انہیں علم تھا کہ ان کے "وابستگان" کو ان کی خیریت کی اطلاع ہو چکی ہو گی کیونکہ وہ اکیلے ماں نہیں تھے۔

بہت کچھ ممکن تھا۔

عین ممکن تھا کہ یہاں کوئی اور بھی ان کی طرح ایسے ہی کسی مشن پر بھیجا گیا ہو۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اپنے افسران اور ان کے درمیان جو ایک روحانی واسطہ ہر وقت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

موجود رہتا ہے' اس نے انہیں ضرور طاہر اور سلیم کی خیریت سے آگاہ رکھا ہو گا۔

جاسوسی اور تباہ کاری کے اس کھیل میں سب کچھ طے شدہ اصولوں کے مطابق ہی نہ کھیلا جاتا۔ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے جب حالات اور واقعات خود ہی نئے رولز اور ضابطے بناتے چلے جاتے ہیں۔

○ ○ ○

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی' جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچے۔ کیپٹن پوسوال جا بوجھ کر اسے اس کے کمرے تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس دوران اس نے جی بھر کے طاہر کو اس استعداد کار کی داد دی تھی اور دوسرے ہی روز اس کا نقد انعام بھی اس تک پہنچانے کا وعدہ تھا۔

تینوں کو ان کے کمرے تک پہنچا کر وہ "گڈ نائٹ" کہہ کر واپس چلا گیا۔ اس دوران تینوں سے باتیں کرتا آیا تھا۔

لیکن.....

کیا مجال جو اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ایسا تاثر دیا ہو کہ وہ پہلے سے مشتاق کو جانتا ہے یا اس کا مشتاق سے کوئی تعلق بھی ہے۔

صبح چونکہ ان کی چھٹی تھی' اس لیے تینوں دیر گئے تک لمبی تان کر سوتے رہے' اور طاہر کی آنکھ معمول کے مطابق کھل گئی اور بیدار ہوتے ہی کامنی ایک سوال بن کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی' جس کے بعد وہ پھر سو نہیں پایا۔

اس کے ضمیر نے اس سے ایک ہی بات دریافت کی تھی کہ کیا وہ واقعی کامنی کو "اس" کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جائے گا تاکہ وہ اس کے تمام جرائم کی قیمت پھر کامنی وصول کرتے رہیں۔

طاہر جانتا تھا کہ یہاں جس مشن پر وہ آئے ہیں' اسے مکمل کرنے کے بعد اگر وہ نکل جانے میں کامیاب ہوئے تو پھر کامنی کو دنیا کی کوئی طاقت ایس ایس بی کے تفتیشی مرکز جانے سے نہیں بچا سکتی جہاں وہ لوگ اس کے جسم کی بوٹی بوٹی الگ کر کے اس کے منہ سارا سچ اگلوا لیں گے۔ گو کہ کامنی کو اس کے عزائم کا علم نہیں ہے لیکن اس نے جھوٹا اپنے اور اس کے درمیان جو تعلق قائم کر لیا تھا' اس کے بعد کامنی کو ایس ایس بی زندہ نہ کر دے گی' پھر وہ کیا کرے گی۔

کامنی سے تعلق کو توڑنا اب اس کے اختیار میں تو نہیں رہا تھا۔

یہ بات وہ جانتا تھا کہ ایک مرتبہ اگر کامنی کو ڈاج دے کر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو اس کا ضمیر ہی ساری زندگی اسے کچوکے دیتا رہے گا۔

لیکن.....

کیا محض اس کی خواہش سے کامنی اس کے ساتھ چل دے گی؟

کیا اس کے لیے اپنے گرد و پیش اتنی مضبوط اور لاتعداد زنجیروں کو توڑنا ممکن رہے گا؟

بہت سوچ بچار کے بعد وہ بہرحال ایک نتیجے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر حالات نے آخری مراحل پر کامنی اور اس کو آپس میں ٹکرا دیا تو وہ کامنی کو یہ آفر ضرور کرے گا کہ وہ اگر چاہے تو طاہر اسے ایک نئی زندگی سے آشنا کروا سکتا ہے۔ اس کے اندر جو شمع جلی تھی' اسے جلائے رکھنے میں اس کی معاونت کر سکتا ہے اور اس کے ضمیر سے لڑنے والے تمام سوالات سے اسے نجات بھی دلا سکتا ہے۔

اس کے بعد کامنی کیا فیصلہ کرتی ہے؟

یہ اس کی قسمت۔ اگر وہ انکار بھی کرے تو بھی اس کا ضمیر تو مطمئن رہے گا کہ اس نے کامنی کے ساتھ غداری نہیں کی۔ اپنے ایمان سے بے وفائی کا مرتکب نہیں ہوا اور اپنی پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے مسلمان ہونے کو نہیں بھلایا۔ اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق اپنا فرض ادا کیا ہے۔

○ ○ ○

اگلے تین روز کیسے گزر گئے' طاہر اور کامنی کو علم نہ ہو سکا۔ البتہ ان تین دنوں میں طاہر نے بالکل غیر جانبداری سے کامنی کی شخصیت کا مکمل جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ کامنی اگروال کی "کایا پلٹ" ہو چکی ہے۔

وہ ایک بدلی ہوئی لڑکی تھی۔

اس کے اندر کوئی بہت بڑی انقلابی تبدیلی جنم لے چکی تھی جو نہ صرف اس کے بلکہ سارے ہندو سماج کے لیے بہت دھماکہ خیز ثابت ہو سکتی تھی۔

ان تین دنوں میں اس نے طاہر پر مسلسل ایک ہی دباؤ ڈالا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ اس نے طاہر سے کہا تھا کہ اسے فرار ہونے میں مدد دینے کے لئے وہ تیار ہے۔ خواہ اس کو اسے کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

جب طاہر اس سے دریافت کرتا کہ وہ اسے یہاں سے بھاگ جانے پر کیوں مجبور کر رہی ہے تو اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ یہ طاہر کی دنیا نہیں ہے۔ وہ نہ یہاں اپنی مرضی سے آیا ہے' نہ ہی رہ پائے گا۔ اس سے پہلے کہ یہاں کے مکین اس کی اصلیت جان جائیں' وہ بھاگ جائے۔

"اور تم.....؟"

"میں یہ سروس چھوڑ دوں گی۔"

طاہر کے سوال کا اس نے ایک ہی جواب دیا تھا۔

"تم جانتی ہو کامنی ایک مرتبہ اس دلدل میں اترنے کے بعد اس سے نکلنا ممکن نہیں۔ تم یہ سروس اپنی مرضی سے جوائن کر سکتی تھی' اپنی مرضی سے چھوڑ نہیں سکتی۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔"

طاہر نے اسے کہا۔

"تمہیں اس سے کیا۔ کیا وہ مجھے مار ڈالیں گے ناں۔ مار ڈالیں۔ مرجانے دو مجھے۔ مجھے اپنی اس زندگی سے گھن آنے لگی ہے۔ یہ کوئی زندگی ہے۔ فاحشہ عورت کی زندگی لعنت ہے۔"

وہ چڑ کر جواب دیتی۔

"لیکن یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

طاہر نے اس روز کہا۔

"تو پھر تم کیا برداشت کر سکتے ہو۔ مجھے لے جاؤ گے اپنے ساتھ۔ کر سکو گے ایسا تم؟"

اس روز کامنی نے گویا اس کے اعصاب پر ٹائم بم چلا ہی دیا۔

"کامنی تم سچ کہہ رہی ہو۔"

اس نے کامنی کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہنے کے باوجود تمہارے ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتی۔"

کامنی نے اس سے نظریں ملاتے ہوئے سچ بولا۔

"دیکھ لو کامنی۔ یہ آسان کام نہیں۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان ملک ہی نہیں' مذہب کی دیوار بھی حائل ہے۔ کامنی تم یہ دیوار چین عبور کر لو گی؟"

کامنی کو اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں۔ اگر تم میرے ساتھ ہو۔ اگر تم اپنے ایمان کے مطابق میرا ساتھ دو تو میں دنیا کی تمام دیواریں پھلانگ جاؤں گی۔ طاہر مجھے اب یہ زندگی نہیں جینا۔ مجھے اس زندگی سے اب گھن آنے لگی ہے۔ نفرت ہو چکی ہے۔ مجھے اب ایک مشرقی عورت کی زندگی جینا ہے یا پھر میں مر

ں گی۔"

کامنی کے لہجے کے اعتماد نے طاہر کو لرزا کر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے کامنی۔ اگر تم تیار ہو تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گی۔ اور ہاں میں دعویٰ تو نہیں ا لیکن یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اتنا آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔ اب موت کو تم تک پنے کے لیے مجھ سے ٹکرانا ہو گا۔ ہاں کامنی پہلے مجھ سے۔"

اس نے کامنی کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر مضبوطی سے دبایا۔

طاہر نے اب بھی احتیاط برتی تھی اور اسے اس دن سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ بس یہی کہا تھا اگلے دو تین روز میں وہ بھاگ جائیں گے۔

"کل تمہاری فائنل ریہرسل ہے۔ میں تم تینوں کے ساتھ بطور انسٹرکٹر جاؤں گی۔ اس رسل میں پندرہ لڑکے حصہ لیں گے جن کے انسٹرکٹر بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اگر تم کہو یہ موقعہ بہت مناسب ہے۔"

کامنی نے کہا۔

"نو۔ کیسی بات کرتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ ان لوگوں نے ریہرسل کے لیے سارے علاقے گھیرے میں لیا ہو گا کیونکہ دھماکوں کی آواز دور تک جاتی ہے۔ میرے خیال سے بٹواری کے واگرد سے پندرہ بیس میل کا ایریا تو انہیں "لینڈ لاک" کر دیا ہو گا۔"

طاہر نے عندیہ ظاہر کیا اور اس کے لیے اپنا مشن مکمل کیے بغیر یہاں سے فرار ہونا ناممکن

"اوہ اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا تھا۔"

کامنی نے اسے نظروں ہی نظروں میں داد دی۔

"دیکھو کامنی تم مجھے ہمیشہ نارمل رہنے کی تلقین کرتی ہو۔ آج میں تمہیں حکم دے رہا کہ اب تم بالکل نارمل رہو اور خاص طور سے پوسوال پر نظر رکھنا۔ مجھے وہ بہت کینہ پرور نظر آتا ہے۔ اس سے کچھ بعید نہیں ہے۔"

"اوہ۔ طاہر ہمیں اب چلنا چاہیے۔"

کامنی نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر اپنے اپنے عہد کو پورا کرنے کی دہانی ایک دوسرے کو دلائی اور حاصل کی تھی۔

آج ان کے کورس کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا تھا اور وہ فائنل ریہرسل پر جا رہے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

انہیں یہاں سے دس میل دور ایک گھنے جنگل میں جانا تھا جہاں ان کے لیے "ٹارگٹ ڈمی" رکھی ہوئی تھیں۔ ہر ایجنٹ کو اپنا ٹارگٹ مقررہ مدت میں ہٹ کر کے اپنے محفوظ ٹھکانے پر اور اپنے اپنے انسٹرکٹرز کو رپورٹ کرنا تھی۔

انہیں داخلے اور فرار کے راستے سمجھانے کے ساتھ ساتھ یہاں "واچ ڈاگ ڈمیاں" موجود تھیں، جن سے انہیں بچ کر کام مکمل کرنا تھا۔

○ ○ ○

رات ایک پہر ڈھل چکی تھی جب ان تینوں کی ٹیم اپنی انسٹرکٹر کامنی اگروا سربراہی میں یہاں پہنچی۔ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ یہاں آنے والی پہلی ٹیم آخری۔ کیونکہ یہاں جنگل میں جو لوگ بھی آپریٹ ہٹ کر رہے تھے، ان سب کو ایک دو کی نظروں سے بوجھل رہ کر اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

روانگی پر جب چند سیکنڈ کی تنہائی طاہر اور کامنی کو میسر آئی تو کامنی نے چھٹتے ہی اس کہا۔

"پوسوال اچانک تین دن کی رخصت پر چلا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی ما مرگ پر ہے اور اس کا جانا ناگزیر ہے۔ ایمرجنسی چھٹی لے کر یہاں سے بہت کم لوگ کرتے ہیں۔"

کامنی کے خبر بتانے کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔

طاہر کا ماتھا فوراً ٹھنکا۔

اس کی چھٹی حس نے بتایا کہ کیپٹن پوسوال سابقہ "سیٹینز" بھی ہے۔ اب اس جگ ان کا شکار کھیلے گا کیونکہ ایسی کارروائیاں یہاں آف دی ریکارڈ ہی کی جاتی ہیں، لیکن ا کامنی کو پریشان کرنا مناسب نہیں جانا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"طاہر تم ہوشیار رہنا۔ میں خود ساری کارروائی مکمل کر لوں گی۔ تمہاری او کے دے دوں گی لیکن بھگوان کے لیے تم....."

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب مشتاق انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا، لیک نے اسے ہاتھ اور آنکھوں کے اشارے سے مکمل اطمینان دلانے میں کوئی کسر نہیں ا تھی۔

چاروں اپنے لیے مخصوص کردہ جگہ پر پہنچ گئے۔ بعد انہوں

آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے کیونکہ یہاں اب کسی بھی لمحے بارش شروع نے والی تھی۔

اندھیری رات اور جنگل کے سناٹے نے فضا میں ایک بے نام سا خوف بٹھا دیا تھا۔ کامنی جیپ کے بونٹ پر نقشہ بچھا کر انہیں جنگل کی لوکیشن سمجھائی اور مشتاق کے بعد پانچ منٹ کے فرق سے سلیم کو بھی جنگل میں دھکیل دیا جس کے بعد طاہر کی باری تھی۔ جیسے ہی طاہر نے قدم بڑھایا، اس نے طاہر کا بازو تھام لیا۔

"تم نہ جاؤ۔"

کامنی نے بڑے ملتجی لہجے میں کہا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔ کیوں ان لوگوں کو شک میں مبتلا کر رہی ہو۔"

طاہر نے اپنا بازو آہستگی سے چھڑایا۔

اور.....

اس کی طرف دیکھے بغیر جنگل کے گھنے سلسلے میں اپنے بیگ سمیت غائب ہو گیا۔

دو روز پہلے ہی اسے کرنل بھاٹیہ نے طلب کیا تھا۔

"یس سر۔"

خلاف معمول کیپٹن پوسوال نے کرنل بھاٹیہ کے کمرے میں داخل ہو کر دونوں ایڑیاں تے ہوئے اسے ضرورت سے زیادہ ہی تعظیم دی تھی۔

کرنل نے کھڑے ہو کر اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس کی خیریت فت کر کے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"کل فائنل ریہرسل ہے۔ اس مرتبہ ٹارگٹ اور ٹائمنگ چارٹ تم تیار کرو۔"

میری خوش قسمتی ہے جناب اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔ آج شام کو میں آپ کی پر سارا "بلیو سکیچ" بنا دوں گا۔

اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید ہے کیپٹن پوسوال۔"

کرنل بھاٹیہ نے اپنی بھاری مونچھوں کے عقب سے دانت چمکاتے ہوئے کہا۔ یہ جنگل ال کے لیے کبھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ گذشتہ تین سال سے وہ یہاں دہشت گردوں کو تربیت دیتا ہا تھا۔ اسے یہاں کے ایک ایک چپے کا علم تھا اور اس بات کا بھی کہ فائنل پلان تیار کرنے لے کرنل بھاٹیہ کے بٹواری مرکز میں اس سے زیادہ سینئر اور سمجھدار آفیسر اور کوئی نہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

انہیں

اسے دراصل اس دن کا انتظار تھا۔

گذشتہ ایک ماہ سے وہ جس انتقام کی آگ میں جل رہا تھا' اسے ٹھنڈا کرنے کے اسے اب موقع ہاتھ لگا تھا۔

○ ○ ○

اب اس کی حس حیوانیت کی تسکین ہمیشہ کے لیے ہونے والی تھی۔ اب وہ روسی "سپیشلز" کے ساتھ کی جانے والی اپنی تربیت بروئے کار لانے والا تھا۔ اس تربیت میں انسان جانور کا پتھر اور لکڑی کے ساتھ شکار کرنے کے بعد اس کے خون سے اپنی پیاس بجھا بھوک بجھانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اسے آج بھی اپنی بھوک اور پیاس بجھانی تھی۔

اسے سائبیریا کے سرحدی علاقوں کے وہ دیہات یاد آنے لگے جو روسی سپیشلز کی اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ جایا کرتے تھے کیونکہ ان کے زیر تربیت درندوں کے لیے ا کی حیثیت بھی جنگلی پرندوں سے زیادہ نہیں رہ جاتی تھی۔ اگر گاؤں کی اکا دکا دوشیزہ کبھی کی تلاش میں کسی برفیلے جنگل میں ان کے قابو آ جاتی تو وہ اسے جانوروں کی طرح نوچ پیاس بجھانے کے بعد جنگلی درندوں کی خوراک بنانے کے لئے پھینک کر آگے نکل جاتے تھے

دو تین روز کے بعد جب دیہاتیوں کو مسخ شدہ لاش ملتی تو وہ بے چارے پہلے یہ سمجھا کرتے تھے کہ شاید یہ جنگلی جانوروں کا کارنامہ ہے۔ اس کا علم گو انہیں بعد میں ہوتا یہ جانوروں کا نہیں' انسان نما درندوں کا کارنامہ ہوتا تھا جن کو "سپیشلز" کہا جاتا ہے اور ر کی ریڈ آرمی کے مایہ ناز کمانڈوز تھے۔

ایک مرتبہ اس نے بھی اپنے روسی ساتھی کے ساتھ ایک ایسی ہی لڑکی کا شکار اور اس شکار کا مزہ بھی دونوں نے ہی لیا تھا' جس کے بعد انہوں نے بدقسمت لڑکی کو سے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس کے زخم خوردہ جسم کو وہیں ایک گہرے کھڈ میں پھینک راہ لی تھی۔

اس شکار کا نشہ جب بھی اسے یاد آتا' وہ باؤلا ہو جاتا۔ اس کی حس درندگی تسکین وہاں پہنچی تھی' اس کے بعد پھر سری لنکا ہی میں اس نوعیت کا شکار مل سکا جب وہ امن فوج کا ایک آفیسر بن کر "بٹی کلاہ" میں گیا تھا جہاں انہوں نے تامل ٹائیگرز کے کارروائی کی اور ایک جگہ جنگل میں رات کو گشت کے دوران جب ایک تامل لڑکی اس میں آئی تو وہ تڑپتی مچلتی اس لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی خفیہ پناہ گاہ پر لے آیا

اس نے اپنے ایک کورس میٹ کے ساتھ مل کر سائبیریا کی یاد تازہ کی تھی جس کے بعد انہوں نے لڑکی کو مار کر پھینک دیا تھا۔

دو سال بعد تک اس درندگی کا مزہ تازہ رہا۔

اب تو وہ بڑی تشنگی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اب اسے واقعی اپنے خون کی حدت قائم رکھنے کے لیے کسی ایسے شکار کی تلاش تھی۔

اور.....

اب وہ کامنی اگروال کا شکار کھیلنے جا رہا تھا۔

سالی' حرام خور۔ مجھے چھوڑ کر اس مسلے کے ساتھ یارانہ لگا رہی ہے۔ کتے کی بچی۔

اس نے دل ہی دل میں نجانے کتنی گالیوں سے کامنی کو نوازا تھا۔

اس نے اپنے وعدے کے مطابق بروقت نقشہ کرنل بھاٹیہ تک پہنچا دیا تھا۔

"ویل ڈن۔"

بھاٹیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

واقعی کیپٹن پوسوال اپنے کام کا ماہر تھا۔

"مرا میری خواہش تھی کہ اس مرتبہ بھی میں خود نگرانی کرتا لیکن بدقسمتی سے میں ایسا نہیں کر پاؤں گا۔ ماتا جی بستر مرگ پر ہیں اور آپ تو جانتے ہیں' میرے پتا جی بھی جب سورگباش ہوئے تو میں شنواری کیمپ میں تھا۔ اس مرتبہ بھی اگر ایسا ہوا تو میرے خاندان کے لوگ شاید مجھے برادری ہی سے نکال دیں۔"

اس نے موقع مناسب دیکھ کر کہا۔

"اوہ۔ آل رائیٹ۔ تم جاؤ۔ واقعی سیریس مسئلہ ہے۔ کوئی بات نہیں ٹنڈولکر ہے ناں۔ س کو آخر کس بات کی تنخواہ ملتی ہے بھئی۔"

کرنل بھاٹیہ نے قہقہہ لگایا اور پوسوال نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

اس طرح وہ اگلے تین دن کی چھٹی لے کر اس رات بڑواری کیمپ سے چلا گیا تھا۔

کیمپ کی حدود سے باہر نکلتے ہی اس نے اپنے اردلی کو گاڑی واپس لے جانے کا حکم دیا تھا اور جیپ کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی جنگلی سلسلے میں غائب ہو گیا۔

ساری رات کیپٹن پوسوال نے جنگل میں گزاری۔ ساری رات وہ پیدل چلتا رہا اور پو پھٹنے کے نزدیک اس جنگل تک پہنچ گیا جہاں اس نے اپنا شکار کھیلنا تھا۔ اپنے ہاتھوں تربیت کے لیے ار کردہ سارا نقشہ اس کے ذہن پر نقش تھا۔ اس نے بڑے اطمینان سے ایک گھنے درخت کا تخاب کیا اور اب وہ اس درخت پر اپنے بیگ سمیت بندر کی پھرتی سے چڑھتا چلا گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

سالوں پرانے اس گھنے درخت کی گھنی شاخوں میں جس کے پتوں سے چھن کر سورج کی روشنی بھی بمشکل زمین تک پہنچ پاتی تھی' اس نے بڑے اطمینان سے نائیلون کی جالی کی مدد سے اپنا بستر جمایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

چار گھنٹے وہ اطمینان سے سوتا رہا۔ اس کی آنکھ نیچے موجود ٹنڈولکر اور اس کے ساتھیوں کی آوازوں سے کھلی جو یہاں ڈل ٹارگیٹ اور واچ ڈاگ میٹ کرنے آئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ چلے گئے۔

ان کی روانگی پر پوسوال درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنے بیگ سے ڈبہ کھول کر اطمینان سے کھانا کھایا۔ سگریٹ نوشی کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ چونکہ اس نے خود یہاں پانچوں گروپوں کا پروگرام بنایا تھا' اس لیے وہ جانتا تھا کہ کب ان کی آمد شروع ہو گی۔

ان کی آمد سے ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ اپنے ٹھکانے پر واپس چلا گیا' لیکن زمین پر اس نے اپنے کپڑے تبدیل کر لیے تھے اور سیاہ رنگ کا وہی لباس پہنا تھا جو وہ پہنا کرتا تھا۔ اپنے چہرے پر سیاہ ماسک چڑھا کر وہ دوبارہ درخت پر چڑھ گیا۔ اب اسے کامنی کا انتظار تھا۔

کامنی اپنے ساتھیوں کے ساتھ جیسے ہی اس پہاڑی موڑ تک پہنچی' جس سے راستہ اس ٹیلے تک آ رہا تھا۔ وہ کیپٹن پوسوال کی نائٹ ویژن کی رینج میں آ گئی۔ وہ جیپ پر نظریں جمائے چوکس بیٹھا تھا اور اب اسے اپنے شکار کا انتظار تھا۔

کامنی نے جیپ نیچے ہی کھڑی کر دی تھی اور اب وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے بعد اوپر آ رہی تھی۔ جس درخت پر وہ بیٹھا تھا' زمین سے اس کی اونچائی یہاں ڈیڑھ سو فٹ سے بھی زیادہ بنتی تھی۔

اس نے کامنی کو طاہر کا ہاتھ پکڑ کر روکتے اور طاہر کو ہاتھ چھڑا کر جانے کا منظر بھی دیکھ لیا تھا۔

یہ منظر دیکھنے کے بعد سے اس کے جسم میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے لگے تھے۔ اب اس میں صبر کی تاب نہیں تھی۔ کامنی اس درخت سے کچھ فاصلے پر ایک قدرے کھلی جگہ پر ایک پتھر پر آ کر بیٹھ گئی تھی جہاں اسے دو گھنٹے تک رہنا تھا۔ اس دوران اس کے ساتھیوں نے اپنے ٹارگٹ ہٹ کر کے "واچ ڈاگز" کی نظروں سے خود کو محفوظ کر کے وہاں تک پہنچنا تھا۔

طاہر کو جنگل میں گئے بمشکل پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ بندروں کی طرح بغیر آواز پیدا کیے نائیلون کی ایک چھوٹی سی رسی اپنے منہ میں دبائے درخت سے اس طرح نیچے اترا تھا کہ کامنی کو معمولی سی آہٹ بھی نہیں ہو پائی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ کامنی کے سر پر موجود تھا۔

"ہائے کامنی ڈارلنگ"

اپنے خیالوں میں گم کامنی کے کانوں میں اس کی آواز پگھلتے ہوئے سیسے کی طرح اتری تھی۔

"تم۔"

اس نے بیٹھے بیٹھے گردن گھمائی اور چاند کی روشنی میں اپنے سامنے کیپٹن پوسوال کو دیکھ کر سہم گئی۔

"ہاں میں۔ کیا بات ہے تم ڈر گئی کیا۔ ارے بھئی میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہارا پرانا یار۔"

یہ کہتے ہوئے وہ جست لگا کر کامنی پر اس طرح گرا کہ ایک ہاتھ اس کے منہ پر سختی سے جما دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے کامنی کو اس طرح جکڑ لیا تھا کہ اس کے لیے اپنی جگہ سے جنبش کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ پلک جھپکتے ہی اس نے نائیلون کی رسی سے کامنی کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا تھا۔

ابھی وہ بمشکل سیدھا ہی کھڑا ہوا تھا کہ اس کی کمر پر پڑنے والی زوردار لات نے اسے سامنے درخت سے ٹکرا دیا۔

غصے اور حیرت سے پوسوال نے گردن گھمائی' سامنے طاہر کھڑا تھا۔

طاہر نے اس کی موجودگی کے امکان کو ذہن میں رکھا تھا۔ اس نے کامنی کی بات کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور بظاہر اسے یہ تاثر دینے کے بعد کہ وہ جنگل میں گھس چکا ہے' وہ یہیں زمین سے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اندھیرے کی وجہ سے وہ پوسول کو درخت سے اترتے تو نہیں دیکھ سکا تھا' البتہ ا
کامنی کے منہ سے نکلنے والی ہلکی سی چیخ نما آواز کے ذریعے حالات کی سنگینی کا اندازہ کر لیا تھا
کامنی تک پہنچنے سے پہلے پوسول نے اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے تھے۔
زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر پوسول نے اس کی طرف دیکھا۔
اور.....
مغلظات بکتا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔
لیکن.....
طاہر نے بمشکل اس کا وار خالی کر دیا۔
پوسول کا وار ضرور خالی گیا تھا لیکن اس کے قدموں نے زمین نہیں چھوڑی تھی
اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑا تھا۔ پھر اچانک اس نے بالکل خلاف توقع الٹی قلابازی لگا
طاہر پر آن پڑا۔
اس مرتبہ طاہر پر حملہ اتنا اچانک اور بھرپور ہوا تھا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ
پوسول کا سارا وزن اس پر موجود تھا۔
اس طرح اچانک ہونے والے حملے نے طاہر کو حواس باختہ کرنے کی بجائے اس کا
دوچند کر دیا اور اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا۔
اس سے پہلے کہ پوسول اس کی گردن پر اپنا داؤ آزمائے' طاہر نے زمین پر اس طر
کے بدن سمیت پلٹا کھایا اور پوسول کسی سپرنگ کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔
لیکن.....
طاہر کے زمین پر قدم جمانے سے پہلے ہی وہ سنبھلا اور قدرے جھکتے ہوئے اس
پنڈلی سے بندھا خنجر نکال لیا۔
شاید پوسول نے لاشعوری طور پر کامنی کی طرف سے ہونے والی مزاحمت کے پیش
کمانڈوز کی طرح اپنے جسم سے خنجر باندھنا ضروری سمجھا تھا یا پھر اپنی تربیت کو فراموش نہ
تھا۔
کامنی جس کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے بندھے تھے' بڑی بے بسی سے یہ تماشا دیکھ
تھی۔ پوسول نے اس کے ہاتھوں کو اس طرح گانٹھ لگائی تھی کہ اسے اپنا جسم بانہوں سے
کر ہاتھ سامنے لانا ہی کامنی اگروال کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے ہمت
ہاری تھی۔ طاہر کی آمد نے اس کا حوصلہ دوچند کر کے اس میں نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔
پوسول کے اچانک حملے کے بعد وہ زندگی ہی سے ناامید ہو چکی تھی۔

چاند کی روشنی میں خنجر اس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ اس سے زیادہ چمک پوسول کی
کاری آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ بالکل اس بھیڑیئے کی طرح جسے بہت بھوک کے بعد اچانک شکار
دکھائی دیتا ہے۔
"طاہر ہوشیار۔"
کامنی نے چیخ کر اپنی دانست میں طاہر کی مدد کرنا چاہی۔ وہ بے چاری اس کے سوا اور کچھ
بھی نہیں کر سکتی تھی۔
طاہر کی آنکھیں پوسول کے ہاتھوں پر جمی تھیں۔ اسے اپنے انسٹرکٹر کی وہ وارننگ یاد
آ رہی تھی جو اسے دوران تربیت بار بار دی جاتی تھی۔
"اگر ایک لمحے کے لیے بھی دشمن کے ہاتھوں کی حرکت سے غفلت برتی تو دنیا کی کوئی
زبیت تمہیں نہیں بچا سکے گی۔ دماغ' آنکھیں اور ہاتھ ایک ساتھ روبہ عمل ہوں۔ سمجھے تم ایک
ہاتھ۔ اگر تینوں میں سے ایک بھی آگے پیچھے ہو گیا تو مارے جاؤ گے۔"
اور.....
طاہر کو اب دماغ' آنکھیں اور ہاتھوں کو ایک ساتھ روبہ عمل کرنا تھا کیونکہ اس نے اسی
ن پر کمال حاصل کیا تھا جس کی آزمائش اب ہونے جا رہی تھی۔
عقاب کی طرح وہ چونکا اور زمین پر مضبوطی سے قدم گاڑے کھڑا تھا۔
پوسول نے خنجر کو ہاتھوں میں تولا اور زقند بھر کر اس پر حملہ آور ہوا۔ یہ الگ بات کہ
طاہر نے اپنی جگہ سے ہٹ کر اس کی پشت پر الٹا ہاتھ جمایا اور وہ سیدھا سامنے درخت سے
ٹکرایا تھا۔
لیکن.....
حیرت انگیز طور پر وہ سنبھل گیا اور اس سے پہلے کہ طاہر اپنے حملے کا آغاز کرتا' پوسول
اس کے سامنے کھڑا تھا۔
اس مرتبہ پھر اس نے ہاتھ چلایا اور طاہر جھکائی دے کر الگ کھڑا رہا۔ تیسرے حملے سے
پہلے طاہر اچانک کمر کے بل زمین پر گرا۔ اس کی یہ حرکت کامنی اور پوسول دونوں کے لیے چونکا
دینے والی تھی۔ کامنی کی طرح پوسول نے بھی یہی اندازہ لگایا کہ شاید وہ لڑکھڑا کر گرا ہے کیونکہ
اس کے گرنے کا انداز ہی ایسا تھا۔
پوسول نفرت' حسد اور غصے کے ناقابل برداشت جذبات کے ساتھ اس پر جھپٹا لیکن طاہر
کی طرف سے غیر متوقع عمل سے کامنی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔
طاہر نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے پوسول کے بالکل نزدیک آنے پر دونوں ٹانگیں اپنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پیٹ سے لگا کر پوری قوت سے پوسوال کے پیٹ میں ماریں۔

یہ حملہ اچانک' بھرپور اور پوسوال کے لیے "سرپرائز" تھا۔ ہوا میں اچھل کر وہ
گرا اور دوبارہ نہ اٹھ سکا' کیونکہ گرتے ہوئے اس کی پوزیشن بگڑ گئی اور ہاتھ میں پکڑا خنجر
گردن کے نیچے آ گیا۔

پوسوال منہ کے بل گرا تھا۔

طاہر جھٹکے سے بازی گروں کی طرح قدموں پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پوسوال کی طرف
اگلے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔

لیکن.....

پوسوال کے جسم نے دو تین جھٹکے کھائے اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ شاید یہ خنجر زہر میں
تھا۔

برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس نے کامنی کے ہاتھ کھولے جو بچوں کی طرح
سسکیاں لیتی اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔

○ ○ ○

"کامنی حوصلہ کرو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

اس نے کامنی کی پیٹھ تھپکاتے ہوئے اسے خود سے آہستگی سے الگ کیا اور زمین
کے بل گرے پوسوال کو دونوں ٹانگوں سے گھسیٹ کر پتھریلی چٹان کے کونے تک لے آیا۔

اس چٹان کے بالکل نیچے قریباً" سوا سو فٹ کی گہرائی پر ایک تیز رفتار نالہ بہہ
طاہر نے اگلے ہی لمحہ پوسوال کے مردہ جسم کو چٹان سے نیچے دھکیل دیا۔ اتنی بلندی سے
جسم زوردار اور گہرے پانی والے نالے میں گرنے سے آواز تو ضرور پیدا ہوئی تھی۔

لیکن.....

یہاں اس آواز پر توجہ دینے والا اب کوئی موجود نہیں تھا۔

کامنی شاید ابھی تک اس حادثے کے اثر سے باہر نہیں آئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں
طاہر کو یہ سب کچھ کرتے دیکھتی رہی' پھر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر سسکیاں لیتی دوبارہ اس
لپٹ گئی۔

اس مرتبہ پھر طاہر نے اس کو وقت کی نزاکت کا احساس دلانے کے بعد قدرے سخت
چاہا۔

اور.....

اس مرتبہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔

کامنی نے رونا بند کر دیا تھا اور اپنا چہرہ بھی رومال سے صاف کر لیا تھا۔

"ٹارچ لاؤ۔"

اس نے کامنی سے اچانک ہی کہا اور وہ بھاگتی ہوئی کچھ فاصلے پر کھڑی جیپ تک جا کر اپنی
رجنی ٹارچ لے آئی۔

اپنی چھٹی حس کی طرف سے ملنے والی وارننگ کے تحت اس نے ٹارچ اس درخت کی
پھینکی اور جلد ہی اسے درخت کی ٹہنیوں میں پھنسا وہ نائیلون کا جھولا نظر آ گیا۔

ٹارچ کامنی کو تھما کر وہ لنگور کی طرح درخت پر چڑھا اور پوسوال کا بیگ اور نائیلون کا
لا نما بستر اس نے نیچے کامنی کے نزدیک پھینک دیا اور خود نیچے اتر آیا۔ اس سارے عمل میں
نے بمشکل چھ سات منٹ ضائع کئے۔

نائیلون کا جھولا تہہ کر کے اس نے بیگ میں بند کیا اور وہ بیگ بھی پوسوال کے پیچھے ہی
ک دیا۔ اب وہاں صرف خون کے نشانات تھے جنہیں مٹانا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

"میرے پاس صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کامنی سے کہا جو ابھی تک مکمل حواس میں واپس
ں لوٹی تھی۔

"تم....."

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن طاہر نے کامنی کی بات کاٹ دی۔

"میری بات دھیان سے سنو۔ اگلے پانچ منٹ میں خود کو نارمل کر لو۔ یہاں اس چٹان پر
ئی بھی خون کے دھبے تلاش کرنے نہیں آئے گا۔ پوسوال نے دو دن کی چھٹی لی ہوئی ہے۔ کل
ے اس کی چھٹی شروع ہو جائے گی اور ہم پرسوں یہاں سے نکل رہے ہیں۔ تم اپنے ذہن کو
و میں کرو۔ فی الحال اڑتالیس گھنٹے کوئی تمہارے متعلق کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا' البتہ اگر
نے خود پر قابو نہ پایا تو عین ممکن ہے کہ ہم دونوں وقت سے پہلے ہی بے موت مارے
ئیں۔"

طاہر نے اسے سمجھایا۔

اور.....

اس کی یہ بات تازیانے کا کام کر گئی۔

کامنی واقعی نارمل ہو رہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"میں اپنا ٹارگٹ ہٹ کر کے واپس آ رہا ہوں' کیونکہ کام ادھورا نہیں چھوڑا جا سکتا
اب جیپ کے پاس چلی جاؤ اور اطمینان سے اپنی ڈیوٹی کرتی رہو۔"

یہ کہہ کر وہ کامنی کا جواب سنے بغیر تیزی سے جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

اب وہ مکمل کمانڈو بن گیا تھا۔

اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹارگٹ ٹائم سے پانچ چھ منٹ پہلے ٹارگٹ ہٹ کیا اور واپس پہنچنے والوں میں حسب معمول وہ سب سے پہلے نمبر پر تھا۔

کامنی نے یہ ڈیڑھ گھنٹہ اکیلے گزارا تھا۔

اس دوران اس پر بہت سے خیالات باری باری حملہ آور ہوتے رہے۔ اس نے ماضی حال اور پھر مستقبل کا بڑی سنجیدگی اور مکمل غیر جانبداری سے جائزہ لیا تھا' اور اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس کے خودکشی کرنے سے کاروبار حیات میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یہ سسٹم جوں کا توں رہے گا۔

اس کی جگہ کوئی اور کامنی کسی اور نام کے ساتھ لے لے گی۔

پوسوال کی جگہ کوئی اور پوسوال آ جائے گا۔

پھر وہ کیا کرے؟

اور.....

زندگی میں پہلی بار بڑی ایمانداری سے اس کے ضمیر نے اس سوال کا وہی جواب دیا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ اس نے زندہ رہنے اور خدا کی ودیعت کردہ اس نعمت کو جس کا نام زندگی ہے انسانوں کی طرح جینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے طاہر کے روپ میں اپنا محفوظ مستقبل پا لیا تھا۔

اگر وہ دہشت گرد تھا تو اب نہیں رہا ہو گا۔ یہ اس کے دل و دماغ کا متفقہ فیصلہ تھا کیونکہ کوئی دہشت گرد ایسے جذبات نہیں رکھتا جن کا مظاہرہ اس نے کیا تھا' نہ ہی وہ کسی کا اگروال کے لیے کسی کیپٹن پوسوال کی جان لے سکتا ہے۔

اس کے دل نے کہا تھا کہ طاہر ہرگز وہ نہیں جو دکھائی دے رہا ہے۔ اس نے ضرور سوانگ رچا رکھا ہے۔

وہ ضرور کوئی اور ہے۔

اس نے اب تن من سے طاہر کی ہو کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں اس کی نجات تھی۔

اس فیصلے نے اس میں بڑا اعتماد پیدا کر دیا تھا اور اس اعتماد کا مظہر تھا اس کی طرف

کو چائے کا کپ پیش کرنا۔ یہ چائے اس نے ایک فلاسک میں پہلے ہی سے بنا کر رکھی ہوئی تھی کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ یہاں تین گھنٹے تنہا ہی گزارے گی۔

○ ○ ○

"کامنی اب میری بات دھیان سے سننا۔ شاید پھر تفصیل سے گفتگو کرنے کا وقت نہ مل سکے۔ کل اتوار کی وجہ سے چھٹی ہو گی۔ تم اپنے معمول کے مطابق یہاں سے نکلنا اور ڈیرہ دون باہر مسوری کی طرف سفر کرنا۔ ڈیرہ دون سے مسوری کو جاتے ہوئے اس جگہ ایک سرائے مندر آئے گا۔"

اس نے جیپ کے بونٹ پر کامنی کو وہ جگہ انگلیوں سے لکیریں کھینچ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے یہ مائی کالکا کا مندر ہے۔"

"شاباش۔ بالکل ٹھیک ہے۔ یہاں پجاری وشواناتھ کا کمرہ مندر کے پچھلی طرف ہے' جس کا نام لکھا ہے۔ تمہیں اس کمرے کے شمال کی سمت کنویں کے ساتھ جو ٹیلا بنا ہوا ہے' میرا انتظار کرنا ہو گا۔ بھگوان نے چاہا تو پیر کی صبح ہماری ملاقات وہیں ہو گی۔ تم رات تین سے صبح نو بجے تک وہاں میرا انتظار کرنا۔ اگر میں نہ بھی پہنچ سکا تو میری جگہ کوئی اور ضرور آئے گا جو تمہیں وہاں آ کر میرے حوالے سے بات کرے گا۔"

"بھگوان نہ کرے۔"

کامنی نے اس کی آخری بات منہ سے نکلتے ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

طاہر نے اسے مزید کچھ ہدایات دیں اور خاموش ہو گیا کیونکہ سامنے سے اب سلیم کی آمد کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

سلیم اسے پہلے سے وہاں دیکھ کر مسکرایا۔

"واہ استاد پھر نمبر لے گئے ناں۔"

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"اپنی اپنی قسمت ہے پیارے۔"

طاہر نے بھی اپنے لہجے کی شگفتگی برقرار رکھی۔

کیا مجال جو ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل و دماغ میں دو گھنٹے پہلے والے واقعات سے متعلق کوئی تشویش پیدا ہوئی ہو۔ اس کے افسران واقعی صحیح کہتے تھے کہ وہ پتھر کے اعصاب رکھتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

مشتاق اپنے ٹارگٹ ٹائم سے پندرہ منٹ لیٹ تھا۔ کامنی نے پروفیشنل کی طرح اس
اچھی طرح ڈانٹا اور تینوں کو لے کر بٹواری کیمپ آ گئی۔

صبح ہو رہی تھی جب وہ بٹواری پہنچے۔

وہ بہرحال ان گروپوں میں نمبر ون رہے تھے کیونکہ کامنی اگروال کے تینوں شاگردوں
اپنے اپنے ٹارگٹ ہٹ کر لیے تھے اور "دشمن" کی نظروں سے بھی محفوظ رہے تھے۔

آج اتوار تھا۔

یوں بھی وہ اپنی فائنل ریہرسل سے واپس آئے تھے' اس لیے سو گئے تو کسی نے ا
بیدار نہیں کیا۔ پھر کامنی نے ہی انہیں جگایا۔

"بھئی تم لوگ کیوں میری چھٹی برباد کر رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے کام کرنے ہیں۔ اچھ
اپنا "بریک فاسٹ" کرو اور گڈ بائی۔ اب کل ملیں گے۔"

اس نے تینوں کی طرف مسکراہٹ اچھالی اور واپس چلی گئی۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے جب انہوں نے ناشتہ کیا۔ رات سے آسمان بادلوں سے
ہوا تھا اور ابھی بارش نہیں برسی تھی۔

طاہر دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ آج بارش کا آغاز ہو جائے کیونکہ بارش ان
لیے اس حالت میں عطیہ خداوندی سے کم نہیں تھی۔

مشتاق تھوڑی دیر بعد کسی کام سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ وہ دونوں بھی بظاہر ٹہلتے ہوئے
آ گئے' جہاں کیمپ کے میدانوں کے مختلف کونوں میں اپنی اپنی بیرکوں کے باہر باغات میں
تربیت دہشت گرد خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اتوار کا دن یہاں ایسے ہی گزرتا تھا۔

"آج رات....."

بالآخر طاہر نے فیصلہ کن لہجے میں سلیم سے کہا۔

"او۔کے۔"

سلیم نے اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

دونوں وہاں ایک کونے میں بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ منصوبے کی تفصیا
طے کرنے لگے۔

بڑی احتیاط سے دونوں نے اپنے اپنے پلان پر بحث کی۔ متفقہ نکات تلاش کیے اور
کے راستوں کا جائزہ لینے کے بعد دل ہی دل میں اپنے مشن کی کامیابی کی دعا کی اور نارمل
بیٹھ رہے کیونکہ مشتاق ان کی طرف آ رہا تھا۔

اسی اثنا میں کیمپ کے سینما ہال میں فلم کا اعلان ہونے لگا اور وہ دونوں اٹھ کر اسی

چل دیے۔ بطور خاص اتوار کو ان کا "منورنجن" کیا جاتا تھا۔

○ ○ ○

آج بھی پردہ سکرین پر حسب روایت پہلے ایک مخصوص بلیو فلم چلائی گئی جس کے بعد
یک بھارتی فحش فلم دکھائی گئی اور بعد میں پھر بلیو فلم کے بعد چھٹی۔ اب وہ لوگ دوپہر کا کھانا
کھانے جا رہے تھے۔

شام گئے تک ایسی ہی سرگرمیاں جاری رہیں اور رات حسب معمول وہ اپنے اپنے کمروں
میں واپس چلے گئے۔

شاید بارش ان کے کمروں تک پہنچنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک ہی آسمان پر زوردار
ھاڑ گونجی اور طوفانی بارش کا آغاز ہو گیا۔ ڈیرہ دون کی بارشوں کے متعلق انہوں نے سنا ہی تھا۔
آج دیکھنے کا اتفاق پہلی مرتبہ ہوا۔

مشتاق تو تھوڑی دیر بعد ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

لیکن.....

وہ دونوں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو پائے تھے۔

اندھیری رات کا قہر بڑھتا جا رہا تھا۔

بادل یوں گرج رہا تھا جیسے پنجرے سے نکل کر آزاد ہونے والا کوئی خونی درندہ۔ فروری
کے مہینے میں بھی چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔

لیکن.....

اس سب کے باوجود کیمپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

یہاں معمول کے مطابق گشت جاری تھا اور ہر شخص اپنی جگہ مستعد اور کسی بھی ہنگامی
صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار دکھائی دے رہا تھا۔

پہلے طاہر اپنی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھا تھا جس کے بعد سلیم نے اس کی تقلید کی۔ وہ
جانتے تھے کہ کسی بھی لمحے مشتاق بیدار ہو کر ان کے لیے مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ انہیں پہلے
اس غدار سے نمٹنا تھا جو اب تک دشمن کا آلہ کار بن کر کتنے ہی ہم وطنوں کے خون سے ہولی
کھیل چکا تھا۔

آج اس کا یوم حساب اس دشمن کے گھر میں آ گیا تھا' جس نے اسے آستین کا سانپ بنا
کر اپنے ہی وطن میں اپنے لوگوں کو ڈسنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

شاید اس کے ناقابل معافی گناہوں کی وجہ سے قدرت کو اس کی موت کو بھی پاکر سرزمین پسند نہیں تھی اور اس کی مرتبو (موت کے لیے بھی وہ جگہ پسند کی تھی جہاں اسے قبر مٹی بھی نصیب نہ ہو۔)

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

اپنی اپنی گھڑی کا وقت دیوار پر لگی گھڑی سے ملایا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے الگ ہ گئے۔

دوسرے ہی لمحے جیسے ان کے جسموں میں کوئی نادیدہ قوت سرایت کر گئی۔ برق رفتار سے آگے بڑھ کر طاہر نے خواب خرگوش کے مزے لیتے ہوئے شراب کے نشے میں دھت مشتا کو یوں آکٹوپس کی طرح جکڑا کہ اس کے لیے اپنے جسم کے کسی انگ کو حرکت دینا ناممکن گیا۔

عین ان ہی لمحات میں سلیم نے اپنے دونوں ہاتھ مشتاق کی گردن پر گاڑ دیئے۔

مشتاق کی آنکھیں پھٹ چکی تھیں۔

وہ نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

لیکن.....

اس کے لیے حلق سے آواز نکالنا یا اپنے جسم کے کسی حصے کو جنبش دینا ناممکن تھا۔ الب اسے ایک سہولت ضرور حاصل تھی۔

اوہ بے بسی سے اپنی موت کا تماشا ضرور آخری لمحات تک دیکھ سکتا تھا۔

اور.....

یہ لمحے بھی بے حد مختصر تھے۔

بمشکل دو منٹ بھی وہ مزید جی پایا جس کے بعد زندگی سے اس کا ناطہ کٹ گیا۔ سلیم ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مشتاق کی گردن پر اس کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔

دونوں نے نفرت سے ایک نظر اس کے مردہ وجود پر ڈالی اور اس کے منہ پر کمبل ڈال اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے۔

آواز پیدا کئے بغیر پہلے طاہر نے دروازے کی کنڈی اندر سے کھولی اور سامنے کوریڈور خالی پا کر اللہ کا نام لے کر پہلا قدم باہر رکھ دیا۔

سلیم اندر ہی موجود رہا۔

طاہر نے پلان کے مطابق بلی کی طرح پنجوں پر چلتے ہوئے کوریڈور کے آخری کونے

ایک چکر لگایا اور مطمئن ہو کر واپس اپنے کمرے تک آگیا' جس کے باہر سلیم موجود تھا۔

سلیم نے اسی اثناء میں دروازہ بند کر دیا تھا۔

○ ○ ○

طاہر کی طرف سے "سب اچھا" کا اشارہ ملنے کے بعد وہ اب اس کے تعاقب میں دبے پاؤں چل رہا تھا۔

دونوں انتہائی چوکنے تھے۔

ان کی حسیات اتنی بیدار تھیں کہ دونوں کو اپنے دلوں کی دھڑکنوں اور سانسوں کے زیروبم کا بخوبی احساس ہو رہا تھا۔

کوریڈور سے باہر نکل کر وہ اپنے کمروں کی قطار کی پشت پر آ گئے اور بمشکل دس بارہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے سانپ کی طرح ان سرکنڈوں میں رینگ گئے جن سے وہ گذشتہ پانچ چھ روز سے روزانہ گزر رہے تھے۔

یہ لمبی جنگلی گھاس دہشت گردوں کی تربیت کے لیے اگائی گئی تھی۔

یہ جگہ ان کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ گذشتہ پندرہ روز سے وہ یہیں تربیت لے رہے تھے۔

دونوں اب سرکنڈوں کے آخری حصے میں پہنچ چکے تھے جس کے بعد ایک چھوٹی سی نہر عبور کر کے انہیں اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا تھا۔

اچانک ہی آسمان پر بجلی زور سے کڑکی اور سارا منظر روشن ہو گیا۔

شاید یہ تائید غیبی تھی کیونکہ بجلی کے کوندے سے جو روشنی ہوئی' اس میں دونوں نے سرکنڈوں سے کچھ فاصلے پر بارش میں بھیگتا ہوا ایک انسانی ہیولہ دیکھ لیا تھا۔ یہ وہ گارڈ تھا جو معمول کی گشت کر رہا تھا۔

دونوں وہیں جم کر بیٹھ رہے۔

انہوں نے اپنے کپڑوں پر اوور کوٹ پہن رکھے تھے جو یہاں کے گارڈ رات کو استعمال کیا کرتے تھے' لیکن اب بارش میں بھیگ کر ان کا وزن بھی دوگنا ہو رہا تھا اور دونوں اس مصیبت سے جلد از جلد نجات کی فکر میں تھے۔

سلیم نے طاہر کی طرف دیکھا جس نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے اسے صبر کی تلقین کی اور اپنی واٹر پروف گھڑی پر مزید تین منٹ تک انتظار کے بعد سلیم کو وہیں رکنے کا اشارہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرتے ہوئے وہ جھک کر دبے قدموں چلتا ہوا سڑک عبور کر گیا جس کے بعد انہوں نے ٹریننگ ایریا تک پہنچنا تھا۔

شاید گارڈ اب وہاں سے آگے چلا گیا تھا۔

سلیم نے طے شدہ پروگرام کے مطابق مزید تین منٹ انتظار کیا اور طاہر کی تقلید میں وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

اسے علم تھا کہ طاہر کہاں مل سکتا ہے۔

دونوں کی ملاقات اسی منتخب گیٹ کے سامنے ہوئی جس کا انتخاب انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا۔

دوسرے ہی لمحے سلیم کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں گیا اور ایک لوہے کی تار سے بندھا وہ پلاس باہر آ گیا جو انہوں نے اگلے ہی روز چرایا تھا۔

دو منٹ کی مزید جدوجہد کے بعد وہ گیٹ کا تالا کھول چکا تھا اور اب دونوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

انہیں یقین تھا کہ اندر کوئی نہیں ہو گا۔ یہاں حساسی نوعیت کے مختلف "ڈیوائس" اور دھماکہ خیز مواد کی وجہ سے دن کے اوقات میں بھی یہ لوگ نزدیک جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

دونوں یہاں کے چپے چپے سے آشنا ہو چکے تھے اور اب تیزی سے اس چھوٹے سے کمرے کے سامنے پہنچ گئے تھے' جہاں کل ہی آنے والی تازہ کھیپ کے "ریموٹ کنٹرول" رکھے ہوئے تھے۔

اگلے پون گھنٹہ میں انہوں نے بٹواری کیمپ کے اس تربیتی کیمپ میں قریباً" پندرہ جگہوں پر دھماکہ خیز مواد نصب کر کے ان کے ریموٹ کنٹرول اپنی جیبوں میں رکھ لیے تھے۔

دونوں نے بطور خاص پٹرول' بارود کے ذخائر' ٹرانسپورٹ ایریا اور انسٹرکٹرز کے ریزیڈنشل ایریا کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔ اب تک ان کا منصوبہ گھڑی کی سوئیوں کے عین مطابق طے پا رہا تھا۔

انہوں نے اپنا کام ایک گھنٹے میں مکمل کرنا تھا' جس کے بعد دھماکوں کا آغاز ہونے والا تھا۔

تین بڑے ٹائم بم جو انہوں نے آخری پندرہ' سولہ اور سترہ منٹ کے وقفے سے فٹ کئے تھے' کے پھٹنے میں بمشکل تین چار منٹ باقی رہ گئے تھے جب وہ اس ڈیوڑھی کے مین گیٹ کے نزدیک ایک محفوظ مقام پر بیٹھ گئے جہاں سے واحد راستہ باہر کی طرف جاتا تھا۔

دونوں کے دل کی دھڑکنیں اب معمول سے زیادہ تیز چل رہی تھیں۔

لیکن.....

کیا مجال جو ایک لمحے کے لیے بھی دونوں میں سے کسی ایک کو خوف چھو کر بھی گزرا ہو۔

○ ○ ○

طاہر نے آخری لمحات میں اپنی جیب میں رکھے ماؤزر کو فائر پوزیشن میں کر کے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا تھا جب کہ سلیم تربیت کے مطابق اس سے چند قدم کے فاصلے پر ڈیوڑھی کے اندر کھلنے والے دروازے کے بالکل نزدیک اس طرح کھڑا تھا کہ دروازے کھلتے ہی وہ آسانی سے ڈیوڑھی میں داخل ہو سکے۔

اچانک ہی فضا ایک زوردار دھماکہ کی آواز سے لرز اٹھی۔

پہلا دھماکہ اسی بارود میں ہوا تھا جو تباہ کن بم بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سے پہلے کہ تمام انتظامیہ کو صورت حال کی سمجھ آئے' دوسرا دھماکہ پٹرول ڈمپ کے نزدیک ہوا اور آگ کی لپٹیں آسمان کو چھونے لگیں۔ ایک منٹ کے وقفے سے تیسرے دھماکے نے تو جیسے اس سارے کیمپ کو اس کے منتظمین سمیت زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔

○ ○ ○

دھماکوں سے لگنے والی آگ پر بارش اثر انداز نہیں ہو رہی تھی اور اس کے شعلے بلند سے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ اچانک ہی ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا اور بوکھلائے ہوئے گارڈز دھماکوں والی جگہوں کی طرف بھاگنے لگے۔

شاید یہاں کوئی الارم سسٹم نہیں تھا۔

شاید ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ان کا دشمن اتنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کر پائے گا اور ان کی صفوں میں گھس کر ان کے قلب میں خنجر اتار دے گا۔

ایس ایس بی کوئی معمولی تنظیم نہیں تھی۔

بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے شر دماغ یہاں جمع تھے اور ان شر دماغوں کے اجتماع میں کچھ کر گزرنا جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

لیکن یہاں سیکورٹی کا فول پروف نظام ضرور بنایا گیا تھا۔ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہاں موجود کسی بھی ایجنٹ کے دل و دماغ میں ایک لمحے کے لیے بھی جنم لینے والا کوئی منصوبہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ان کی عقابی نظروں سے چھپ سکے گا۔

شاید انہوں نے کبھی اس امکان کو ذہن میں رکھا ہی نہیں تھا کہ اس کیمپ میں دشمن کے تخریب کار بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

ابھی وہ لوگ بمشکل اپنے اوسان ہی بحال کر پائے تھے جب طاہر اور سلیم کے ہاتھوں میں پکڑے ریموٹ کنٹرول سے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یوں لگتا تھا جیسے ایئر فورس نے حملہ کر دیا ہو۔ دھماکوں کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا اور صورت حال ایسی خطرناک ہو گئی تھی کہ یہاں بیرکوں میں مقیم درجنوں تخریب کار نیند سے ہڑبڑا کر اٹھے اور دیوانہ وار اپنی جانیں بچانے کے لیے ڈیوڑھی کی طرف بھاگنے لگے جبکہ ڈیوڑھی تک پہنچنے والے گارڈز کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں۔

ابھی تک رات کی اس شفٹ کے کمانڈر کی طرف سے انہیں کوئی واضح ہدایات نہیں ملی تھیں۔

آج تک ایسی صورت حال پیش نہیں آئی تھی۔

اب ایک نئی بپتا ان پر پڑی۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی جانیں بچائیں' اس تباہی پر قابو پائیں یا اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتے ہوئے ان تخریب کاروں کو کنٹرول کریں۔

طاہر اور سلیم اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔

اسی وقت وہ دونوں لمبے لمبے اوور کوٹ پہنے ہوئے رات کو پہرہ دینے والے گارڈز ہی دکھائی دے رہے تھے۔

پندرہ بیس بوکھلائے ہوئے گارڈز اور دس بارہ زیر تربیت تخریب کار جن میں سے زیادہ تر زخمی حالت میں تھے' ان کے گرد موجود تھے۔ ہر کسی کی کوشش تھی کہ وہ ڈیوڑھی کے راستے باہر نکل سکے۔

یہ مناسب موقع تھا۔

طاہر نے اپنے پاس موجود آخری کھلونا بم اپنے ہاتھوں میں لیا اور دونوں اسی بھیڑ کا حصہ بنے ڈیوڑھی میں گھس گئے جو یہاں پہلے سے موجود تھی۔

پندرہ بیس لوگوں کے اس اجتماع میں وہ گارڈز کا حصہ ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ڈیوڑھی میں اندھیرا تھا۔ شاید بجلی کا نظام بھی دھماکوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ مین گیٹ کھلا ہوا تھا اور زخمی تخریب کار چیختے چلاتے اس سے باہر بھاگ رہے تھے۔

مین گیٹ سے ملحقہ آفس میں دو تین بوکھلائے ہوئے ذمہ دار موجود تھے جو شاید وائرلیس پر چلاتے ہوئے اپنی ہائی کمان کو اس حادثے کی خبر دے رہے تھے۔

خوف زدہ صورت حال سے انتہائی پریشان اور منتشر ذہن ان تخریب کاروں اور ان کے کرتا دھرتاؤں کو علم نہ ہو سکا کہ کب سلیم اور طاہر نے اپنے پاس موجود دو آخری پٹاخے وہاں پھینکے اور دوسروں کی تقلید میں چیختے چلاتے مین گیٹ سے باہر نکل گئے۔

ان کے باہر نکلتے ہی دونوں پٹاخے دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے کیونکہ دونوں نے آخری "ریموٹ کنٹرول" استعمال کر دیئے تھے۔

انتہائی طاقت ور ان دھماکوں سے ڈیوڑھی کی ایک دیوار ٹوٹ کر اندر دم توڑتے منتشر ہوم پر گری اور ان کی چیخیں بھی اس ڈھیر میں دب کر رہ گئیں۔

ڈیوڑھی کے باہر موجود گارڈ روم میں موجود تمام میزیں چھت سے لگ کر دوبارہ ان کے سروں پر گریں جو یہاں موجود تھے اور انہیں شدید زخمی کر دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں اس وقت یہاں سے پچاس ساٹھ گز دور زمین سے چپکے ہوئے تھے۔ وہ آخری ت
کا منظر دیکھنے کے لیے یہاں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ابھی ابھی انہوں نے اپنے جسموں سے گیلے ہو کر چپکے بھاری کوٹ الگ کر دیے ت
بارش کا زور البتہ ٹوٹنے لگا تھا اور وہ بڑے مستعد اور تربیت یافتہ کمانڈوز کی طرح گھڑی کی سوئ
کے مطابق مرحلہ وار منصوبے پر عمل پیرا تھے۔

دونوں کا رخ اب کیمپ کے ریذیڈنشل ایریا کی طرف تھا جہاں جلتی روشنیاں بجھ
تھیں کیونکہ بارش یا پھر دھماکوں کی وجہ سے مین سپلائی میں کوئی خلل پڑ گیا تھا۔

دونوں اب اپنی دانست میں رہائشی ایریا کے اس حصے تک پہنچ چکے تھے جہاں انہیں
امداد میسر آ سکتی تھی۔

"ادھر آؤ۔"

سلیم کو طاہر کی سرگوشی سنائی دی اور وہ اس کے پیچھے اس راستے پر گھوم گیا جو یہاں
دوسری طرف اس پٹڑی پر مڑتا تھا جہاں سے وہ لوگ سڑک پر جایا کرتے تھے۔

"آگے سڑک ہے شاید۔"

سلیم نے بظاہر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بس اللہ کی قدرت کے مناظرے دیکھتے جاؤ۔"

طاہر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور چلتا چلا گیا۔ پھر اچانک وہ چلتے چلتے رک گیا۔

اب وہ رہائشی ایریا کے عقب میں اس ورکشاپ کے نزدیک پہنچ گئے تھے جہاں بڑا
کیمپ کے وہیکلز کی مرمت کی جاتی تھی۔

ورکشاپ کی دیوار کے ساتھ مرمت طلب جیپیں کھڑی تھیں۔ اچانک ہی سلیم کی آنکھ
حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں ایک کونے میں ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ بالکل ا
جیسے وہ ان دونوں ہی کی منتظر ہو۔

پہلی ہی نظر میں سلیم نے پہچان لیا کہ یہ کامنی اگروال کی پرائیویٹ موٹر سائیکل۔

یہاں قریباً" ہر انسٹرکٹر نے اپنی موٹر سائیکل یا کار رکھی ہوئی تھی۔

"کیا خیال ہے؟"

طاہر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ویل ڈن۔"

بے ساختہ سلیم کے منہ سے نکلا۔

سلیم پیچھے بیٹھا تھا۔ موٹر سائیکل طاہر نے سنبھالی اور وہ عازم سفر ہوئے۔ تمام راستے جن
طاہر موٹر سائیکل چلا رہا تھا' سلیم کے لیے بالکل اجنبی تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

موٹر سائیکل طاہر چلا رہا تھا اور اپنے بدن کے گرد بڑے سے اوور کوٹ کو چادر کی طرح لپیٹ کر سلیم اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بارش اب رک گئی تھی۔ طاہر آسانی سے ڈرائیونگ کر سکتا تھا لیکن مخالف سمت سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں کے تھپیڑے ان کے بدن کو بلیڈ کی طرح کاٹ رہے تھے اور آنکھوں پر عینک نہ ہونے کے سبب اسے آنکھیں بند کرنا پڑتی تھیں۔ جو راستہ طاہر نے اختیار کیا تھا وہ سلیم کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ قریباً" تین کلومیٹر کا سفر کرنے کے بعد اس نے اچانک ہی موٹر سائیکل کچے پر اتار لی تھی۔ سلیم دم سادھے چپ چاپ اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اسے طاہر کی کمان میں پہلا کام کرنے کا موقعہ ملا تھا اور وہ اس کی تجربہ کاری سے معترف ہو رہا تھا۔

طاہر نے بلاشبہ کامنی اگروال کے ذریعے بہترین نتائج حاصل کئے تھے۔ ان حالات میں موٹر سائیکل ان کے ہاتھ لگنا بظاہر کسی معجزے سے کم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن۔

سلیم جانتا تھا کہ یہ کامنی اگروال کی طرف سے ان کے لیے بہترین گفٹ تھا۔

جانے طاہر نے کامنی پر کیا جادو پھونکا تھا جو اس طرح وہ اپنا سب کچھ بھول کر گرویدہ ہوئی تھی اور ان کے لیے اتنی آسانی بھی پیدا کر رہی تھی۔

ابھی تک اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ کامنی ان کے ساتھ ہی یہاں سے فرار ہو چکی ہے۔ اس کچے اور پھسلن راستے پر موٹر سائیکل کو اس طرح بھگاتے چلے جانا طاہر کا کام تھا۔ سلیم جانتا تھا شاید اس کے لیے یہ ممکن نہ ہوتا۔

اسے اب احساس ہونے لگا تھا کہ کامنی اگروال اور طاہر کی دوستی نے ان کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

یہ کامنی ہی تھی جس کے ساتھ روزانہ کیمپ کے باہر گھومنے سے طاہر کو ان راستوں کا علم ہوا ورنہ تو یہاں سے فرار کے صرف دو ہی راستے انہیں سمجھائے گئے ہیں۔

کرنل صاحب نے اس روز اپنی آخری بریفنگ میں کہا تھا۔

"ہمارے علم کی حد تک تمام معلومات تمہیں مل چکی ہیں۔ فی الوقت فرار کے بھی دو راستے ہمارے علم میں ہیں۔ اگر اپنی ہمت سے تم کوئی تیسرا راستہ ڈھونڈ سکو تو ویل ڈن۔"

اور۔

انہوں نے تیسرا راستہ ڈھونڈ لیا تھا۔

سلیم جانتا تھا کہ آگ جلدی بجھ جائے گی کیونکہ بارش جہاں ان کی مددگار تھی وہاں دشمن کے لیے بھی کارآمد تھی۔ اگر یہ آگ کسی عمارت کو لگی ہوتی تو شاید اب تک دشمن اس پر قابو پا چکا ہوتا لیکن بارود کو لگی آگ تب بجھ سکتی تھی جب سارا بارود راکھ بن جاتا۔

یہی ایک سوچ انہیں اطمینان دلا رہی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ دشمن پہلے کیمپ کے حالات نارمل کرے گا جس کے بعد ہی ان کے خلاف کارروائی شروع ہو گی۔

سلیم کے اندازے کے مطابق وہ لوگ اب کیمپ سے قریباً" دس بارہ کلومیٹر دور نکل آئے تھے۔

"ہوں۔ اس لیے کچھ باتیں ضرور کہوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے طاہر کو کچھ ممکنہ احتیاطی تدابیر بتائیں۔ ان میں سے کچھ تو طاہر کے ذہن میں پہلے ہی سے تھیں۔ کچھ باتیں البتہ اس کے لیے بھی نئی اور چونکا دینے والی تھیں جن میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس علاقے کے گرداگرد موجود قریباً" تمام بڑے آشرم اور مندر "را" کی نظروں میں رہتے ہیں۔ جب کہ وہ خود یہاں کے سب سے آشرم میں پناہ لینے جا رہا تھا۔

"اچھا دوست خدا حافظ۔"

سلیم نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ۔"

دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ایک دوسرے کے کان میں قرآنی آیات کا ورد کر کے ایک دوسرے کے محفوظ رہنے کی دعائیں کر رہے تھے۔

سلیم نے ہمت کر کے پہلے اسے چھوڑا اور "فی امان اللہ" کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سڑک کی طرف چل دیا۔

طاہر درختوں کی اوٹ سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا سلیم کے سڑک پر پہنچنے کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی ایک بس اسے وہاں رکتی دکھائی دی جس پر وہ سوار ہو گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

بس کی روانگی پر ایک مرتبہ پھر اس نے دل ہی دل میں اس کی سلامتی کے لئے مانگیں اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو نارمل کر لیا۔

حالات کی سنگینی پر اس کی نظر تھی اور وہ کامنی اگروال کے موٹر سائیکل کا ٹول بکس کھول رہا تھا۔

کامنی نے اس کی ہدایت کے عین مطابق ایک جعلی نمبر پلیٹ وہاں رکھی ہوئی تھی۔

اگلے چند منٹ میں اس نے موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ تبدیل کر دی۔ اصل نمبر پلیٹ نے وہیں ایک محفوظ جگہ پر چھپا دی اور موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے وہ بھی سڑک پر آ گیا۔

اب تک انہوں نے قریباً" ۳۵ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ طاہر نے پٹرول کی ڈھکن کھول کر اسے ہلا کر دیکھا اور مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔ اب بھی اچھا خاصا پٹرول موجود تھا۔ کم از کم وہ انہیں اگلی منزل تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچا سکتا تھا۔

اس کی منزل یہاں سے بمشکل سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر اس کی منتظر تھی۔

یہ سات کلومیٹر کا فاصلہ اس نے برق رفتاری سے طے کیا۔

اس دوران اسے راستے میں بمشکل سات آٹھ بسیں یا موٹر سائیکلیں دکھائی دیں تھ وہ لوگ تھے جو صبح صبح اپنے کام پر جا رہے تھے اور سردی کا یہ عالم تھا کہ سوائے سامنے دیکھنے کے اور کسی طرف گردن گھما کر دیکھنے کے بھی روادار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یہاں کسی کو ایک دوسرے کی شناخت جاننے کی کیا پڑی تھی۔

سوری آ گیا تھا۔

طاہر چھ ماہ پہلے یہاں کسی کام سے آیا تھا اور آج پھر قسمت اسے یہاں لے آئی تھی۔ اس نے اپنے ذہن میں پہلے سے بنے نقشے کے مطابق موٹر سائیکل کا رخ شمال کی سمت مائی کاسکا کے مندر کو جانے والے راستے کی طرف کیا اور مندر سے بمشکل ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر اس سرکاری سکول کی نو تعمیر عمارت کے نزدیک رک گیا جس کی تعمیر چھ ماہ پہلے ہی سرکاری پھڈا پڑنے سے بند ہو گئی تھی۔

اسے امید تھی کہ ابھی مزید دو سال تک یہاں کام نہیں ہو گا کیونکہ ٹھیکیدار مقامی انتظامیہ کی ملی بھگت سے اپنی ساری رقم ڈکارنے کے بعد کام ادھورا چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ بڑے اطمینان سے وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کرنے کے بعد سکول کی عمارت میں داخل ہو گیا اور یہاں اپنے مطلب کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی اسے ایک کمرے میں کاٹھ کباڑ کا ڈھیر دکھائی دیا جس کے باہر ایک کنڈی میں چھوٹا سا تالا پھنسایا ہوا تھا۔

اس نے تالے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور موٹر سائیکل کا ٹول بکس کھولنے لگا۔ اگلے چند منٹ میں اس نے وہ تالا کھول لیا تھا اور موٹر سائیکل کو اس کاٹھ کباڑ کے ڈھیر میں اس طرح کھڑا کیا تھا کہ وہ بھی اس کا ہی حصہ دکھائی دے۔

○ ○ ○

تالا اس نے دوبارہ اس طرح لگا کر اس پر لگا سرکاری کپڑا بمعہ سیل کے چڑھایا اور باہر نکل آیا اب وہ کاسکا مندر کی طرف جا رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ مندر کے نزدیک ہو رہا تھا۔ وہاں لاؤڈ سپیکروں سے برآمد ہوئی بھجن اور ڈھول تاشوں کی آوازیں نمایاں ہونے لگی تھیں۔ اب اسے مندر کی طرف جاتے یاتری بھی دکھائی دینے لگے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

مسوری ایک پہاڑی مقام تھا۔

گرمیوں میں تو یہاں کی رونقیں بہت زیادہ بڑھ جایا کرتی ہیں۔

سردیوں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ البتہ کچھ من چلے بھارت کے مختلف شہ
سے ضرور ادھر کا رخ کیا کرتے تھے۔

ان میں زیادہ تعداد ان نوبیاہتا جوڑوں کی ہوتی جو اکثر ہنی مون منانے ادھر آ جایا کر
تھے یا پھر سردیوں میں برف باری کا مزہ لینے والے سیاح ہوتے تھے۔

آنے والا کوئی بھی ہو خواہ مقامی یا غیر مقامی اگر وہ ہندو ہوتا تو مسوری آ کر مائی کا
مندر میں ضرور "متھا ٹیکنے" آتا تھا۔ یہاں کی "پوجا" سارے بھارت میں مشہور تھی۔ یہی
تھی کہ موسم کے تیور کیسے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں یہاں "ماتا بھوالی کے بھگتوں" کا آنا جا
ہی رہتا تھا اور مندر میں چڑھاوا بھی سب سے زیادہ چڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں کے آ
میں پجاریوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور یہاں مندر کی "گولک" (چندہ ڈالنے
جگہ) تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ پجاری ایک دوسرے کی جان لینے سے بھی دریغ
کرتے تھے۔

ظاہر اس مندر میں دو تین مرتبہ آ چکا تھا۔

لیکن۔

کامنی اگروال ہندو ہونے کے باوجود یہاں نہیں آتی تھی۔

اور۔

اس کا سبب سوائے اس کی اپنے دھرم سے بیزاری کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہ درج
مرتبہ یہاں سے گزری تھی۔ ڈیرہ دون جاتے ہوئے مسوری راستے میں آتا تھا لیکن کیا مجال
اس نے کبھی اس طرح کا رخ کیا ہو۔

صرف ایک مرتبہ جب اس کے پتا جی اسے ملنے آئے تو وہ زبردستی کامنی کو اپنے
یہاں لے آئے تھے۔

یہاں آنے کے بعد کامنی نے دیوی ماتا کی مورتی کے سامنے صرف ایک ہی وعدہ کیا تھ
اب وہ دوبارہ یہاں کبھی نہیں آئے گی کیونکہ اس نے یہاں کے آشرم کے کمروں میں ماتا
جن سیوادروں اور داسیوں کو دیکھا اس کے بعد سے اسے یہ مندر کی بجائے کچھ اور دکھائی
لگا تھا۔

انٹیلی جنس آفیسر ہونے کے ناطے اس کی جہاندیدہ نظروں نے ان داسیوں کے چہرو
نظریں ڈالتے ہی ان کی اصلیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور آشرم کے پجاریوں اور سیوادارو

آنکھوں میں موجود شیطانیت تو کوئی عقل کا اندھا بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اپنے پتا جی کے سامنے اس نے حسب عادت ایک لمبا لیکچر اس مندر میں ہونے والی حرام
کاریوں پر دے دیا تھا اور وہ اسے کامنی کی معمول کی باتیں جان کر مسکراتے رہتے تھے کیونکہ
انہیں اس بات کا علم تھا کہ کامنی کو کبھی اپنا دھرم پسند نہیں آیا تھا۔

"بھگوان جانے تم نے ہمارے ہی یہاں جنم لیا۔ مجھے کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے تمہاری
ماں تمہیں کسی مسلمان گھرانے سے اٹھا کر لے لائی ہے۔"

اس روز کامنی کے بابو جی نے اس کے لیکچر کے خاتمے پر کہا تھا۔

اس کے بابو جی نے غلط کہا تھا یا صحیح.....

اس سوال کا جواب تو کامنی کو کبھی نہیں مل سکا۔

لیکن.....

آج جب تقدیر اسے دوبارہ یہاں لائی تو اسے رہ رہ کر اپنے بابو جی کی آخری بات ضرور
یاد آ رہی تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی موسی نے ایک مرتبہ کتنی صحیح بات کی تھی۔

وہ بھی کوئی ایسا ہی موقعہ تھا شاید اس کی بہن کی سگائی ہوئی تھی اور ان کے یہاں
"ہوون" ہو رہا تھا۔

شیطانی چہرے والا ایک پجاری جس کا پیٹ اس کی کمر سے باہر نکل کر کسی بھی لمحے زمین
پر گرنے والا تھا جب سامگری کو جلتے ہوئے کوئلوں پر پھینکتا اور کچھ منتر کا اناپ شناپ کرتا تو کامنی
کو خوامخواہ غصہ آ جاتا تھا۔

اسے اس بات کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ ہر موقعہ پر مرن' جیون' وداہ' دھرم کرم کے تمام
ریتی رواج آخر اگنی (آگ) کے بغیر مکمل کیوں نہیں ہوتے۔

اس کے بابو جی نے بتایا تھا کہ ہندو دھرم میں اگنی بہت پوتر ہے۔ ویدک (بہت پرانا)
زمانے میں پرش (انسانوں) اور دیوتاؤں کے درمیان اگنی ہی کمیونیکیشن کا ذریعہ تھی۔

قدیم آریہ سماج اپنی بھینٹ اسی اگنی کے ذریعے اپنے دیوتاؤں کو پہنایا کرتے تھے اور پھر
یہ سلسلہ یہاں تک چلا کہ مرتیو (مرنے والے) کو پرلوک (عقبی) پتر لوک (عالم ارواح) اور برہم
لوک (لاہوت) پہنچانے کے لیے نذر آتش کیا جانے لگا۔

لیکن..... ہر خوشی کے موقعہ پر بھی یہی آگ کا "ہون کھنڈ".....

اس نے اپنے بابو جی کی بات کاٹی۔

"تیری تو بدھی (عقل) بھرشٹ ہو گئی ہے۔"

عقب سے اسے موسی کی آواز سنائی دی جو اسے بازو سے پکڑ کر دوسری طرف لے گئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کیونکہ یہاں موجود عورتوں میں سے اگر کسی کے کان میں بھی اس کے خیالات کی بھنک پڑ جاتی تو سارا سماج اس کے گھر والوں کا بائی کاٹ کر دیتا۔

اس روز اس کی موسی نے کہا تھا۔

"بیٹی سنسار میں سب کچھ ہم اپنے ارادے اور مرضی سے نہیں کرتے۔ بہت کچھ ہمیں مجبوراً بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی چیز بہت بری لگتی ہے لیکن ہم اس کے محتاج بھی رہتے ہیں۔ بار بار اس کی طلب بھی کرتے ہیں۔ کیا کوئی اپنی مرضی سے کڑوی کسیلی دوائیں کھاتا ہے۔ نہیں ناں..... بس تو بھی اسی طرح دھرم کرم کرتی رہا کر خواہ تیرا دل مانے یا نہ مانے۔ ایک بات میرا من کہتا ہے جو اپنی زبان تک لاتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ بٹی! لگتا ہے تو کسی دن اچانک یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی جائے گی۔ بھگوان کرے میں وہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں۔ کیونکہ مجھ سے یہ کچھ دیکھا نہیں جائے گا لیکن میرا من کہتا ہے کہ ایسا ہو گا ضرور....."

اس روز موسی نے یہ بات پہلی مرتبہ بہت سنجیدگی سے کی تھی۔

لیکن.....

کامنی نے زوردار قہقہہ لگایا تھا اور موسی کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گئی تھی۔

"اپنے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کر۔ ورنہ پھر وہی ٹیکے لگوانے پڑیں گے۔"

اس نے موسی سے ہنستے ہوئے کہا۔

اور.....

اپنے کمرے میں آ کر کانوں پر ہیڈ فون چڑھا کر اپنے پسند کا میوزک سننے لگی کیونکہ یہی اس کے لیے نجات کی واحد راہ تھی۔ ورنہ تو گھر میں "پوجا" شروع ہوئی تھی اور زور زور سے ڈھول تاشوں کے ساتھ اپنی بھدی اور موٹی آوازوں میں محلے کی عورتوں نے بھی گانے شروع کر دیئے تھے۔

کامنی نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جس گورکھ دھندے میں وہ دھنس گئی ہے کبھی وہاں سے نہیں نکل پائے گی۔ اسے تو یوں لگتا تھا جیسے جیسے زندگی ماہ و سال آگے بڑھ رہی ہے وہ زندگی کی اس دلدل میں اور زیادہ گہری اترتی چلی جا رہی ہے۔

لیکن.....

آج اچانک اسے اپنی موسی یاد آ گئی۔

اس کی موسی نے ساری زندگی بیاہ نہیں کیا تھا۔ ساری زندگی "بھگتی" میں گزار دی تھی۔ اپنی ساری جوانی بھگوان رشنی کیش کی سیوا کی بھینٹ چڑھا دی تھی۔ دہلی کے نزدیک گوری گاؤں

موجود سادھوؤں کے اس بھٹ پر اس کی موسی کی جوانی اپنے بھگوان کی سیوا میں بیت گئی

○ ○ ○

صبح سے رات گئے تک وہ اپنے جیسی درجنوں دوسری عملاؤں کے ہمراہ اپنے بھگوان کی یا میں لگی رہتی تھی۔ بھٹ میں رہنے والے سادھوؤں کی سیوا سنبھال کرتی رہتی تھی اور ایک روز نجانے کس بات پر وہ ان کے ہاں روٹھ کر چلی آئی جس کے بعد پھر کبھی بھٹ پر واپس نہیں ئی تھی۔

اب ان کے محلے میں دھرم کرم کا کوئی بھی کام ہوتا لوگ اسی کو بلا کر لے جاتے تھے۔ ڑگھروں میں "ہولی" وہی کرواتی تھی۔ ہندو گھرانے اس سے مختلف مواقع پر ہونے والی رسومات کے متعلق دریافت کرتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے۔

"واہ موسی..... واقعی تو نے سچ کہا تھا۔"

اس نے دل ہی دل میں اپنی موسی کو یاد کیا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ی۔ کامنی کو اپنے شعور کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا احساس اور علم تھا کہ ں نے اچانک ہی کتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔ وہ اپنا گھربار' دین دھرم' دیش' سکھی' سہیلیاں سب کچھ بھلا کر سب کو تیاگ کر اچانک ایک مسلمان نوجوان کے ساتھ بھاگ آئی تھی۔

اسے حیرانگی تھی کہ اب تک وہ مر کیوں نہیں گئی۔

اس جیسی غدار اور دیش دروہی کو تو اب تک مر جانا چاہیے تھا۔

لیکن.....

وہ زندہ تھی۔

اس کا ضمیر بھی زندہ تھا۔

کوئی خلش اسے نہیں رلا پائی تھی۔ کوئی پچھتاوا اس کے دامن سے نہیں لپٹا تھا۔ وہ تو ت پرسکون تھی۔ بہت پرسکون۔

بالکل برگد کے اس درخت کی طرح جو اس مندر کے شمال میں اس ٹوٹی ہوئی پرانی عبادت اہ پر سایہ کیے ہوئے تھا جہاں وہ کل رات سے چھپی بیٹھی تھی۔ جانے اس برگد کے پیڑ نے کتنے سالوں سے دھوپ' گرمی' سردی' بارش' طوفان کی سختیاں برداشت کی ہیں اور اب تک پرسکون کھڑا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا ماضی سارا جھوٹ تھا۔

اس نے اپنے اوپر کوئی ملمع چڑھا رکھا تھا۔

اپنے گرد بے بنیاد نظریات کی ایسی دیواریں استوار کر لی تھیں جو طاہر کی محبت کے معمو تھپیڑے بھی برداشت نہ کر سکیں اور ایک ایک کر کے زمین بوس ہو گئیں۔

"تو پھر سچ کیا ہے؟"

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"سچ یہی ہے کامنی۔ جو تم دیکھ رہی ہو۔ جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔"

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے سوال کا جواب اس کے کانوں میں دیا۔

تمہیں اس سچ کی تلاش تھی۔ تم بچپن سے اسی تلاش کے سفر پر نکلی تھی۔ اپنی تلاش کے سفر پر یہ منزل مبارک ہو کامنی اگروال۔ مبارک ہو تم نے خود کو بالآخر کھوج ہی لیا۔ خود بالآخر پا ہی لیا۔ تم فاتح ہو۔ تم جیت گئیں کامنی اگروال۔

اس کے دل کے ضمیر نے اسے مبارکباد دی۔

اپنے فاتح ہونے کا نشہ اس پر سرور کی طرح اتر گیا۔ اس کو اپنے تن بدن میں دور تک سرشاری کی ایک عجیب کیفیت کے اترنے کا احساس ہوا۔ وہ فتح کے نشے سے سرشار طاہر کی منتظر تھی!!

وہ زندگی میں آج دوسری مرتبہ کالکا مندر آئی تھی۔

اپنے والد کے ساتھ بھی بادل نخواستہ اور اب بھی۔

اگر طاہر نے کسی اور جگہ کا تعین کیا ہوتا تو شاید وہ یہاں نہ آتی اس کے ذہن میں اور جگہیں بھی محفوظ تھیں۔

لیکن.....

اس کی انٹیلی جنس کی تربیت نے اسے اپنی طرف سے طاہر کو کوئی بھی مشورہ دینے منع کیا تھا۔ وہ اس مرحلے پر ایک لمحے کے لیے بھی طاہر کا اعتبار نہیں کھونا چاہتی تھی۔

اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تو اچانک کیا تھا۔ لیکن اسے علم تھا کہ لاشعو طور پر وہ طویل عرصے سے ایسے ہی کسی فیصلے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

○ ○ ○

اس روز بھی طاہر نے اسے اپنا مکمل تعارف نہیں کروایا تھا جس روز اس نے پوسوا

جان سے مار ڈالا۔

اس پوسوال کو جو موقعہ غنیمت جان کر کامنی کو اپنی درندگی کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ کامنی کے لیے طاہر کی اچانک آمد' پوسوال کا قتل اور اس کا فرار۔ قدرت کے تیار کردہ کسی کھیل کے تین مختلف ایکٹ تھے۔

ایک احساس جس نے ابھی تک اسے بہت حوصلہ دے رکھا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں کامنی کی اپنی ہی نہیں پرماتما کی مرضی بھی شامل ہے۔

حالات خودبخود بنتے چلے جا رہے تھے اور وہ کاتب تقدیر کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح عمل کرتی چلی جا رہی تھی۔

پوسوال کے قتل کی رات وہ بری طرح سہم گئی تھی۔

اسے علم تھا کہ پوسوال کی لاش اگلے ایک دو روز میں بہرحال مل جائے گی۔ یہاں کے ندی نالے گو بہت تیز بہتے تھے لیکن راستے میں آنے والے کسی نہ کسی بڑے پتھر سے ٹکرا کر ان میں بہنے والی چیزیں کنارے لگ جایا کرتی ہیں۔

ان ندی نالوں کے بہاؤ کے ساتھ بہہ کر آنے والی لاشیں اب معمول کی بات بن چکی تھیں۔

لیکن.....

پوسوال کی لاش معمول کی بات نہیں تھی۔

مقامی پولیس افسران اسے اچھی طرح پہچانتے تھے کیونکہ گذشتہ دو سال سے وہ بنواری سنٹر میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور مقامی انتظامیہ کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی پھڈا آئے روز پڑا ہی رہتا تھا۔

کامنی کو آج بھی یہ سوچ کر جھرجھری سی آ جاتی تھی کہ اگر طاہر بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو اس کا انجام کیا ہوتا۔

شاید پوسوال کی جگہ اس کی مسخ شدہ لاش آبروریزی کے بعد کسی پتھر سے کچلی ہوئی مل جاتی۔

اس کے علاوہ کچھ ممکن نہیں تھا۔

وہ کیمپ واپسی پر ساری رات یہی سوچتی رہی تھی کہ آخر طاہر نے اس کی مدد کیوں کی؟ وہ تو ایک زیر تربیت تخریب کار تھا۔

اس کی بلا سے' پوسوال اس کے سامنے کامنی کے جسم کے پرزے پرزے بھی کر دیتا تو بھی وہ اپنے ڈسپلن کے تحت دونوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ یوں بھی پوسوال

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بہرحال کامنی سے سینئر تھا۔

اسے حق حاصل تھا کہ اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے۔ لیکن اس نے کامنی کو بچا لیا تھا اور اپنی جان داؤ پر لگا کر پوسوال سے ٹکرا گیا تھا۔

اس روز کامنی کو یقین ہو گیا کہ واقعی طاہر کو اس سے عشق تھا۔ صرف یہی ایک ایسا رشتہ تھا جو اسے اس حد تک کچھ کر گزرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

طاہر نے کامنی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ بنواری کیمپ سے فرار ہونے سے پہلے یہاں کیا کچھ کرنا چاہتا ہے۔

اس نے کامنی سے صرف یہی کہا تھا کہ وہ دونوں یہاں سے بھاگ جائیں گے۔

ابھی تک اس نے کامنی کو اپنی اصلیت نہیں بتائی تھی۔ ابھی تک وہ کامنی کے لیے ایک زیر تربیت غیر ملکی تخریب کار تھا۔

اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر وہ کامنی کو اپنے آئندہ عزائم اور اصلیت سے آگاہ بھی کر دے تب بھی کامنی اس کے خلاف کچھ نہیں کرے گی اور وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی بلکہ دل و دماغ سے مکمل یکسوئی کے بعد اس نے طاہر کو اپنانے کے لیے سب کچھ تیاگ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

طاہر جانتا تھا کہ صرف پوسوال کی موت کا خوف کامنی کو اس کے ساتھ فرار پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تو کامنی کے اندر سے پیدا ہونے والی کوئی انقلابی تبدیلی تھی۔ جس نے اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا' اہم اور خطرناک فیصلہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

لیکن.....

ان تمام حقائق کا ادراک رکھنے کے باوجود ابھی تک اس نے نہ تو کامنی کو اپنی اصلیت سے آگاہ کیا تھا نہ ہی اپنے عزائم بتائے تھے۔ یہی اس کی تربیت کا خاصہ تھا۔

اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا کہ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اس بری طرح اپنے دل کے ہاتھوں مات کھائی تھی اور کامنی کے سامنے کم از کم وہ گئی حد تک خود کو مکمل بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

لیکن.....

اس نے اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا کہ وہ اول آخر ایک نظریاتی ملک کا سپاہی ہے جسے اپنے ملک و قوم کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا ہے اور جس کی ایک لمحے کی غفلت سے کتنے تباہ کن نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

کامنی نے اتوار کی شام معمول کے مطابق خود کو تیار کیا تھا۔

لیکن.....

آج اس نے اپنے پاس موجود ہر قابل ذکر چیز ایک بیگ میں منتقل کر کے یہاں سے راہ فرار اختیار کی تھی۔

اس سے کسی نے یہ دریافت نہیں کرنا تھا کہ وہ بیگ لے کر کہاں جا رہی ہے۔ کیونکہ یہاں موجود انسٹرکٹر اکثر ڈیرہ دون سے کچھ نہ کچھ خرید و فروخت کرتے رہتے تھے۔

○ ○ ○

بڑے اطمینان سے وہ اپنے کوارٹر سے باہر نکلی اور خراماں خراماں چلتی سڑک تک آ گئی۔ جہاں سے وہ ایک مسافر بس کے ذریعے پہلے مسوری کی مخالف سمت کی طرف گئی پھر وہاں سے مزید دو تین بسیں تبدیل کرنے کے بعد مسوری پہنچی تھی۔

اب کم از کم کسی بس والے سے اس کا سراغ ملنا ہرگز ممکن نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی دانست میں ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔

لیکن.....

آج خلاف معمول اس نے نہ صرف شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی بلکہ اپنا ہیئر سٹائل بھی اب تک تین مرتبہ تبدیل کر چکی تھی۔

وہ پتلون پہنتے ہوئے اپنے بال ہمیشہ باندھ کر رکھتی تھی۔ کئی مرتبہ اس کے جی میں آیا کہ ان لمبے بالوں سے نجات حاصل کر لے۔ اب ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس نے ساری زندگی اگر یہی جھک مارنی ہے تو بالوں کا روگ کیوں پالتی پھرے۔

لیکن.....

ہر دفعہ کسی نادیدہ قوت نے اسے اس امر سے مانع رکھا۔

اسے اپنے بال بہت عزیز تھے۔

اس کی وجہ اسے کبھی معلوم نہ ہو سکی۔

آج اسے اپنے اس فیصلے پر بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے اپنے بال محفوظ رکھے تھے۔ اب تک وہ ان بالوں کی مدد سے دو تین مختلف روپ دھار کر چار پانچ بسیں تبدیل کرنے کے بعد مسوری رات دیر گئے پہنچی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ اگلے روز کاسکا مائی کا سالانہ میلہ شروع ہونے والا ہے۔ شاید طاہر کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بھی اس بات کا علم تھا۔ تب ہی تو اس نے اتنے شاندار وقت کا انتخاب کیا تھا۔ جس بس سے وہ اتری تھی اس میں موجود قریباً" تمام مرد و زن ملک کے مختلف کونوں سے یہاں مائی کاسکا کے میلے پر ہی آئے تھے۔

شدید سردی کے باوجود "یاتریوں" کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

کامنی نے بس سے اترتے ہی نزدیکی بازار کا رخ کیا وہاں سے اپنے لیے گہرے رنگ کا ایک چولا اور کچھ مالائیں خرید کر چولا اپنے کپڑوں پر پہن لیا اور مالائیں گلے میں ڈال لیں۔

اب وہ کاسکا مائی کی بھگت بن چکی تھی۔

طاہر کے لیے اس نے الگ سے "بتامبر" (زرد کپڑا یا دھوتی) خرید لیا تھا۔ کیونکہ یہاں انہیں یہی روپ دھارنا تھا۔

یاتریوں کے ساتھ وہ بھی بادل نخواستہ ناچتی گاتی مائی کاسکا کے مندر تک پہنچی تھی۔ مندر میں جانے کی بجائے اس نے آشرم کا رخ کیا اور "لنگر خانے" میں آگئی جہاں "کار سیوا" (کھانا پکانا) ہو رہی تھی۔

وہ بھی باقی یاتریوں کی طرح ایک قطار میں تھالی اور گلاس اٹھا کر بیٹھ گئی۔ آشرم کی سیوادار لڑکیاں جن کی جسمانی حالت ان کے کردار کی چغلی کھا رہی تھی۔ مسکراتی ہوئی تمام یاتریوں میں باری باری لنگر تقسیم کر رہی تھیں۔

کامنی اگروال نے بھی "جے ماتا بھوانی" کہہ کر لنگر وصول کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی دال کے ساتھ ایک پھلکا زہر مار کرنے لگی۔

اس نے کل سے آج تک سوائے کافی' چائے یا ایک آدھ بسکٹ کے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کے لیے اپنی توانائیاں بحال رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اسے بہرحال خود کو تندرست رکھنا تھا۔

ابھی تو آغاز تھا۔

ابھی تو اس نے موت کی شاہراہ پر پہلا قدم رکھا تھا۔

نجانے ابھی اسے زندگی کے اس پل صراط پر کتنی مسافت پاٹنی تھی۔

قسمت نے ابھی اسے کیا کچھ دکھانا تھا۔

اس کا دل ایک لقمہ کھانے کے لیے نہیں چاہتا تھا۔

لیکن.....

اس نے کسی نہ کسی طرح سارا پھلکا (روٹی) زہر مار کیا پھر چائے بھی اس لنگر کے بعد طوعاً" کرعاً" مندر تک آگئی تھی۔

یہاں ڈھول تاشوں اور کورس کی شکل میں بے شمار بھدی آوازوں نے اسے ایک لمحے کے لیے تو فوراً" ہی اپنا ارادہ تبدیل کر کے واپس چلے جانے کے لئے کہا۔

لیکن.....

اپنی طبیعت پر جبر کر کے وہ رک گئی۔

اسے یہاں خاصا وقت گزارنا تھا کچھ سوچتے ہوئے وہ دوبارہ ملحقہ آشرم میں آئی اور اپنا بیگ یہاں ایک لاکر میں رکھ کر اسے تالا لگا کر واپس مندر میں لوٹ آئی۔ یہاں آشرم میں یاتریوں کے لیے بہت سے کمرے اور لاکرز موجود تھے۔ جہاں دوسرے شہروں سے آنے والے مائی کاسکا کے بھگت اپنا سامان محفوظ رکھا کرتے تھے۔

مندر میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی کسی نہ کسی طرح وہ ایک کونے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بے دم سی ہو کر بیٹھ رہی۔

بازو پر بندھی گھڑی دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس اذیت ناک ماحول میں اسے ابھی تین گھنٹے گزارنے تھے۔

اس کے ساتھ موجود تین چار موٹی موٹی عورتیں جو کسی دوسرے شہر سے آئی تھیں۔ باری باری اونگھنے لگیں۔ اونگھتے ہوئے جب ان میں سے کوئی خراٹے لینے لگتی تو اس کے ساتھ والی عورت اسے بازو سے جھنجھوڑ کر جگا دیتی۔

شاید صورتحال کی نزاکت کا احساس ان سب کو تھا۔

لیکن.....

نیند ان کے بس میں نہیں تھی۔

کامنی کے لیے یہ بڑا دلچسپ تماشا تھا۔ وہ پوجا سے زیادہ ان میں الجھی رہی اور ان کی بے بسی سے محظوظ ہوتی رہی۔

جب بھی کوئی عورت اچانک ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتی تو اس کی طرف دیکھ کر ضرور کھسیانے انداز میں مسکرا دیتی تھی۔ شاید وہ کامنی سے اپنی چوری کو چھپائے رہنے کی درخواست کرتی تھی۔

کامنی کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسے حیرت اس بات پر تھی کہ وہ خوفزدہ کیوں نہیں ہے؟

حیرت انگیز طور پر وہ خود کو مطمئن اور محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ شاید طاہر کی محبت کی سرشاری نے اسے خوف سے بے نیاز کر دیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے بھی ابھی تک اس کے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ غداری کی مرتکب ہوئی ہے۔ مفرور ہے اور جیسے ہی اس کی فراری کا علم ہوا۔ درجنوں ہرکارے شکاری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کتوں کی طرح اس کے تعاقب میں نکلیں گے اور ایک مرتبہ اگر وہ ان کے قابو میں آ گئی تو کامنی کے جسم سے وہ ایک ایک بوٹی اتار لیں گے۔

ایک بات تو طے شدہ تھی۔

اس نے "چکراتا" سے روانگی پر ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آخری لمحے تک زندگی کی جنگ ضرور لڑے گی۔ لیکن زندہ کبھی "را" کے ہاتھ نہیں لگے گی۔

یہی وجہ تھی کہ تب سے اب تک اس نے اپنا سروس پستول خود سے الگ نہیں کیا تھا۔ اب بھی اس نے گیروے رنگ کے اس چولے کے نیچے اپنے کپڑوں پر پہنی جیکٹ میں اپنا پستول اس طرح چھپا کر رکھا تھا کہ چند سیکنڈ کی مہلت ملنے پر اسے استعمال میں لا سکتی تھی۔

یہاں ہونے والی "بھاشن" اور "کیرتن" میں اسے ذرا دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

اپنی مرضی کے خلاف یہاں رہنے سے اسے اپنے بدن ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے بخار نے آ لیا ہو۔

یہ تصور ہی اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ اسے بخار ہونے لگا ہے۔ اپنی جگہ سے وہ ہمت کر کے اٹھی اور مندر سے باہر نکل آئی۔

○ ○ ○

آشرم کی دیوار کے ساتھ لگے شیوسینا کے میڈیکل کیمپ سے اس نے دو گولیاں اپنے سر درد میں افاقے کے لیے لیں اور اس کے ورکروں کی ہوسناک نظروں سے خود کو بچاتی دوسری طرف چائے کے سٹال پر چلی گئی جہاں پہلے ہی بہت سی عورتیں اور مرد چائے پی رہے تھے۔

ایک گلاس میں چائے لینے کے بعد اس نے گولیاں زہر مار کیں اور دل ہی دل میں قدرے مطمئن ہو کر ایک کونے میں بیٹھ رہی۔

یہاں ان یاتریوں نے جنہیں آشرم یا کسی ہوٹل میں رہنے کے لیے جگہ نہیں مل سکی تھی جا بجا آگ کے الاؤ روشن کر رکھے تھے۔

ایک ایسے ہی الاؤ کے پاس جس کے گرد پندرہ بیس عورتیں بچے اور مرد بیٹھے تھے وہ بھی جا کر بیٹھ گئی۔

آگ کے گرد بیٹھنے سے اسے کچھ سکون ملا تھا اور اس پر نیند غلبہ کرنے لگی تھی۔ ایک مرتبہ تو اسے اچھی خاصی اونگھ بھی آئی۔ لیکن اس نے خود پر کنٹرول رکھا تھا۔

"بیٹی لیٹ جاؤ تم بہت تھکی ہوئی دکھائی دیتی ہو۔"

الاؤ کے گرد بیٹھے فیملی ممبران میں سے ایک بزرگ نے کہا۔ جسے کامنی کی حالت پر شاید ترس آ گیا تھا۔

"شما کیجئے۔ دراصل ہم لوگ سہارنپور سے جاگتے آ رہے ہیں۔ کل رات سے سفر میں ہیں۔ میرے پتی دیو (شوہر) نے مجھے زبردستی یہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ میں تو آنا نہیں چاہتی تھی لیکن......"

اس نے بڑی گرہستن قسم کی پتنی کی طرح گردن جھکا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بیٹی اسی لیے تو کہہ رہا ہوں تم لیٹ جاؤ۔ تھوڑا آرام کر لو۔ یہاں قدرے سردی کم ہے۔"

اس بزرگ نے کہا۔

"دھنواد موسا جی..... اگر آپ کہتے ہیں تو۔"

اس نے دوبارہ اپنی بات نامکمل چھوڑ کر اب موسا جی کی پتنی کی طرف دیکھا جو خود بھی اس کا ہمدردانہ نظروں سے جائزہ لے رہی تھی۔

"ہاں بیٹی..... کوئی بات نہیں یہاں سب اپنے ہیں۔ تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں آیا۔"

اس نے کامنی کو قدرے مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

"گھر میں ہم دونوں ہیں یا پھر ان کے پتا شری (باپ) میری ساس بیمار ہیں۔ ان کی پرارتھنا (دعا) کے لیے ہی یہاں آئے ہیں۔"

کامنی نے بڑی سگھڑ بہو کا مظاہرہ کیا۔

"بھگوان تمہیں سکھ دے بیٹی۔ تم جیسی نیک بیٹیاں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔ جو اپنی ساس کی پرارتھنا کے لئے آ گئی ہو۔"

موسی جی نے اپنے پہلو میں بیٹھی ایک موٹی سی لڑکی کی طرف جو ان کی بہو تھی، عجیب سی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

ان کی بہو نے ساس کے لہجے کی تلخی سے صورت حال کا اندازہ تو کر لیا تھا لیکن وہ بھی بدلنے والی نہیں تھی۔

"ان کی ساس بیمار ہیں۔ شاید آپ نے سنا نہیں۔ آپ تو کاسکا مائی کے آشیرواد سے ابھی صحت مندی ہیں۔"

بہو نے دل کی بھڑاس نکال لی۔

"اچھا اچھا میرے منہ نہ لگنا۔ بھگوان کے لیے کہیں تو اپنا زبان بند کر لیا کر۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ساس کو غصہ آگیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ان میں باقاعدہ تو تکار شروع ہو۔ کامنی نے وہاں لیٹ جانے ہی خیریت سمجھی۔ کیونکہ اب موسا جی ان دونوں کو ڈانٹ رہے تھے۔

"اگر میری آنکھ لگ جائے تو پلیز مجھے پانچ بجے سے پہلے ضرور جگا دینا۔ ورنہ میرے دیو" پریشان ہوں گے۔"

اس نے اپنی ٹانگیں پیٹ کی طرف سمیٹے ہوئے وہاں تھوڑی سی خالی جگہ پر لیٹ جا مناسب سمجھا ورنہ مسلسل جاگنے سے وہ بیمار بھی ہو سکتی تھی۔

کامنی کی آنکھ کب لگی؟

چار کب بجے؟

اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔

وہ جب بڑبڑا کر اٹھی تو وہاں جلنے والی آگ کب کی بجھ چکی تھی۔ شاید سردی کے اد نے ہی اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

جس صف پر وہ لیٹی ہوئی تھی اس کے دوسرے کونے میں شاید بھنگ کے نشے میں د کوئی ڈھلتی عمر کا بھگت لیٹا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

اس کے چاروں طرف یاتریوں کا ہجوم بڑھنے لگا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس گھڑی ساڑھے چار بجا رہی تھی۔

شاید اس فیملی کی ساس بہو کے جھگڑے نے شدت اختیار کر لی تھی اور وہ کامنی کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے۔

کامنی نے سب سے پہلے گھڑی اور اپنے بازو میں سونے کا کنگن محفوظ رہنے پر بھگوا شکر ادا کیا۔ ابھی تک ان چیزوں کا محفوظ رہنا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ یہاں تو دو اتارنے کے لیے اس کا بازو کٹنے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔

وہ چونکہ جوتوں سمیت سوئی تھی اور جوتے بھی اس نے تسموں والے پہن رکھے تھے لیے ابھی تک وہ بھی اس کے پاؤں میں موجود تھے۔

کامنی دوسرے ہی لمحے اٹھ بیٹھی۔

اس نے سب سے پہلے اپنے حواس بحال کئے اور دوسرے ہی لمحے اٹھ کر کھڑی ہو اٹھتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ چکرا کر دوبارہ گرنے لگی ہو۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ شاید اس کی جسمانی کسرت روزانہ کی

م آگئی تھی۔ یوں بھی وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ کامنی پر جلد ہی انکشاف ہو گیا اسے بخار آگیا ہے۔

پہلے تو اس نے دوبارہ شیوسینا والے کیمپ پر جا کر دوائی لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر جلد ہی ارہ بدل لیا۔

وہ کم از کم اب ان درندوں میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

ایک مرتبہ پھر وہ ہمت کر کے اس چائے کے سٹال تک پہنچی۔ جہاں اب پہلے سے زیادہ بڑ لگی تھی۔

اس نے چائے کا گلاس دوبارہ لیا اور مندر کے شمال کی سمت چلنا شروع کر دیا۔ طاہر نے ے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہ اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی لیکن ایک بات اس لیے ضرور باعث اطمینان تھی کہ اس راستہ پر زیادہ رش نہیں تھا شاید شمال کی سمت جانے لا یہ واحد راستہ تھا جو کھیتوں اور کھنڈرات کی طرف جا رہا تھا۔

پو پھٹ رہی تھی۔

اجالا اندھیرے پر غالب آ رہا تھا۔

کامنی اگروال خود کو سنبھالتی بالآخر اپنی منزل کے نزدیک پہنچ گئی۔ اسے اندھیرے کی ہلکی چادر میں سے اس قدیم مندر کے کھنڈرات دکھائی دینے لگے تھے جس کی نشاندہی طاہر نے کی ۔ یہاں دور دور تک کسی ذی نفس کا نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں طاہر کو خراج تحسین پیش کیا۔ شاید اسے ہندو ازم کی کمزوری کا بی اندازہ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ مندروں کے ان قدیم کھنڈرات سے یہ لوگ بہت ڈرتے ہیں ونکہ ان کے عقیدے کے مطابق وہاں بدروحیں بسیرا کر لیتی ہیں۔ یا پھر یہ کھنڈرات بھوت ت کے مسکن بن جاتے ہیں۔ اس لیے اس طرف رات کے اندھیرے میں تو کسی کے جانے کا ال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

دن کے اجالے میں اس طرف کوئی "جنگل پانی" (حوائج ضروریہ سے) فراغت کے لئے ا اس خوف سے نہیں جاتا تھا کہ مبادا کسی بھوت پریت کے بچے پر ان کا پاؤں آگیا یا کسی لح نے انہیں دیکھ لیا تو ناراض ہو کر کہیں ان کا "سوربھ ناش" ہی نہ کر ڈالے۔

طاہر نے جس طرح زمین پر لکیریں ڈال کر اسے ان کھنڈرات کا نقشہ سمجھایا تھا بعینہ اسے ب کچھ دکھائی دیا۔

"کیا طاہر کا یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے؟"

"کیا وہ ماضی میں بھی یہاں آیا تھا؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"اگر وہ یہاں آ چکا ہے تو کس روپ میں؟ کیسے؟ کیسے ممکن ہے یہ سب کچھ؟"

اچانک ہی اس کے ذہن میں سوالات پیدا ہونے لگے۔

"کیا طاہر صرف ایک تخریب کار ہی ہے؟"

"کیا وہ صرف بھارتی انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہی ہے؟"

نئے سوالات نے جنم لیا۔

"نہیں۔"

اس کے دل و دماغ نے ایک ہی جواب دیا۔

"تو پھر وہ کون ہے؟"

"یہاں کیا کرنے آیا ہے؟"

"کیا اس کا خیال صحیح تھا؟"

اسے یاد آ گیا۔ کبھی کبھی اچانک ہی اسے احساس ہوتا تھا کہ طاہر وہ نہیں ہے جو آنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس نے دو تین مرتبہ طاہر سے یہ بات کہی بھی تھی۔ پھر سوچا کرتی تھی کہ وہ اس متعلق خوامخواہ کسی وہم کا شکار کیوں ہے۔

"کچھ بھی ہو.....؟"

اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"وہ کچھ بھی ہو۔ اب میرا سب کچھ وہی ہے۔ میرا جینا' مرنا اب اس کے ساتھ ہو

قدرے مطمئن ہو کر اس نے اپنا بیگ جو وہ اس طرف آتے ہوئے آشرم کے لا

نکال کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ کھڑے کھڑے کھولا۔ اس میں سے اپنی ایک بیڈ شیٹ نک

اسے دوہرا کیا اور ایک قدرے ہموار جگہ پر بچھا کر وہاں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ وہ جہ

بیٹھی تھی وہ شاید اس شہر میں سب سے محفوظ جگہ تھی۔ اس کے سامنے کی ٹوٹی ہوئی دیو

اس طرف آنے والے راستے پر دور دور تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جب کہ سامنے سے

والے کو اس طرف کچھ دکھائی دینے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ کیونکہ وہاں د

سے نکلنے والے پیپل کے درختوں کی موٹی موٹی شاخوں سے لٹکتے گھنے پتوں نے ساری عما

بالکل اس طرح چھپا دیا تھا جیسے فوجی اپنے سامان جنگ کو دشمن کی نظروں سے چھپانے

کیمو فلاج کر لیا کرتے ہیں۔

یہاں ٹیلے پر سب سے پہلے کامنی کو یہ احساس ہوا کہ اسے بخار نے آ لیا ہے

قدرے نڈھال بھی ہو رہی ہے۔

یہ احساس بڑا پریشان کن تھا۔

بخار آنے کا مطلب اس کے لیے نئی مصیبت کھڑی ہونا تھا۔

اسے ابھی تندرست رہنا تھا۔ اپنے حواس بحال رکھنے تھے۔ ابھی اسے ایک طویل جنگ لڑنی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ طاہر کے فرار کا علم ہوتے ہی ایمرجنسی ڈیکلئر ہو جائے گی اور جب اگلے روز وہ بھی اپنی ڈیوٹی پر نہیں پہنچے گی تو اس کے متعلق بھی "را" کو سچائی کا علم ہو جائے گا اس کے بعد چور سپاہی کا ایک طویل اور تھکا دینے والا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

ان دونوں کو یہ اعصاب شکن جنگ ابھی لڑنی تھی۔

جنگ کے آغاز سے پہلے ہی وہ کمزور پڑ رہی تھی۔

اس کے نزدیک یہ کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ اس طرح تو وہ طاہر کے لیے بھی مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔

لیکن میں.....

اس نے فوراً" اس خیال کی نفی کر دی۔ اس نے اپنے آپ سے عزم کیا تھا کہ وہ جیسے بھی ہے۔ طاہر پر آنچ نہیں آنے دے گی۔

اسے اپنی ہی نہیں طاہر کی حفاظت بھی کرنی تھی۔

وہ طاہر کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا؟

اب اس کا اپنا تھا۔ طاہر نے اس کے لیے جان کی بازی لگائی تھی۔ پوسوال جیسے درندے سے اس کی عزت اور زندگی دونوں بچائی تھیں۔ اب وہ کبھی اس سے الگ ہونے کا تصور نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ بھی گوارہ نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اس کی زندگی کے لیے خطرہ پیدا کرے۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ تھی۔ اور وہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں اس ترکیب پر عمل پیرا ہونے کا سوچ کر مطمئن ہو رہی تھی۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

کامنی کو یہاں بیٹھے بمشکل پانچ سات منٹ ہی ہوئے تھے جب اسے کھنڈرات کی طرف آنے والا اس راستے پر طاہر آتا دکھائی دیا۔

○ ○ ○

طاہر کے خدوخال واضح نہیں تھے لیکن اس نے کامنی کو کچھ "سیف سگنل" بتا دیئے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھے۔ اس نے بتا دیا تھا کہ وہ کھنڈرات کی طرف آتے ہوئے ہاتھوں سے کچھ مخصوص اشارے کرے گا اور کسی طرح کی ورزش کرے گا۔

اس طرح بظاہر کسی اور دیکھنے والے کو یہ تاثر ملتا کہ وہ صبح کو یوگا کر رہا ہے اور رات کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔

کامنی اس پر نظریں گاڑے اپنی جگہ چوکس تھی گو کہ اسے یہ ثبوت مل چکا تھا کہ آنے والا طاہر ہی ہے۔

لیکن.....

اس نے پھر بھی اپنی تربیت کو نہیں بھلایا تھا اور بطور احتیاط اپنا پستول بالکل فائرنگ پوزیشن میں رکھا ہوا تھا۔

کامنی کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ خود اس کے دھڑکنے کی آواز سن سکتی تھی۔

اب طاہر کے خدو خال بھی واضح ہونے لگے تھے۔ اس نے اپنے طے کردہ "سیف سگنل" کے مطابق بھجن گانا شروع کر دیا تھا۔

"اوم جے جگجیت ہرے۔"

وہ چلتا ہوا اب ان ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں کے نزدیک پہنچ گیا تھا جہاں سے چڑھ کر کامنی اگروال اوپر گئی تھی۔

اپنا بیگ اس نے مقامی یاتریوں کی طرح کمر کے پیچھے لٹکا رکھا تھا اور اب وہ بالکل کامنی کے نزدیک آ گیا تھا۔

کامنی اسے اپنے نزدیک پا کر اس اوٹ سے نکل کر اچانک سامنے آ گئی تھی جہاں وہ اب تک بیٹھی تھی۔

"کامنی۔"

بے ساختہ طاہر کے منہ سے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نکلا۔

"طاہر۔"

کامنی بے قرار ہو کر آگے بڑھی اور دیوانہ وار اس سے لپٹ گئی۔

اچانک ہی اس کا دل بھر آیا تھا اور نجانے کب سے اس کی آنکھوں میں تھمے آنسو تمام بندشیں توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

اس کا بدن بید کی طرح لرز رہا تھا۔

"نہیں کامنی۔ اب تم کبھی نہیں روؤ گی۔ تمہارا رونا مجھے کمزور کر دے گا۔ کامنی۔ نارمل ہو جاؤ۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ اب سلامتی ہے۔"

اس نے آہستہ سے کامنی کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ کامنی کا ہاتھ بہت گرم ہے۔

"اوہ۔ تمہیں تو بخار آ رہا ہے۔"

اس نے کامنی کے ساتھ ہی اس کی بچھائی چادر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ بس ذرا جسم گرم ہے۔"

کامنی جو خود کو سنبھال چکی تھی بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ بے فکر رہو۔ میں تمہیں بیمار نہیں ہونے دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے دودھ کا ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے رکھا اور تین چار مختلف قسم کی گولیاں اور کیپسول اپنی ہتھیلی پر ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

"انہیں دودھ کے ساتھ نگل جاؤ۔"

اس نے کامنی کی طرف مسکراتے ہوئے اس طرح دیکھا تو وہ بھی بے اختیار مسکرا دی۔

آنسوؤں سے بھیگی اس مسکراہٹ نے ایک لمحے کے لئے تو طاہر کو بھی مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔

کامنی نے نہ چاہتے ہوئے بھی محض اس کے حکم کی تعمیل میں گولیاں دودھ کے ساتھ نگل لیں اور باقی دودھ واپس رکھ دیا۔

"ارے بھئی اسے بھی پی لو۔"

طاہر نے کہا۔

"میں نہیں پی سکتی۔ میں دودھ کبھی نہیں پی سکتی۔" یہ بھی بڑی مشکل ہے۔

اس نے کہنا چاہا۔

"اچھا دو گھونٹ میرے لیے پی لو۔"

طاہر نے اس کی بات کاٹ کر ایسے لہجے میں کہا کہ کامنی نے بے اختیار ڈبہ اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"بس اب اور نہ کہنا۔"

کامنی نے ڈبہ واپس زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارا حصہ اتنا ہی تھا۔"

اس نے ڈبے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

اور.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس کا اگلا قدم کامنی کو مبہوت کرنے کے لیے کافی تھا جب طاہر نے باقی کا دودھ ا
حلق میں انڈیل دیا۔

حیرت سے کامنی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا کہ دنیا میں ایسے انسان بھی پائے جاتے
جو ایک دوسرے کے برتن میں کھانا کھا لیں یہاں تو معاملہ ہی اور تھا۔

"طاہر..... تم....."

"کیا ہوا.... کوئی پریشانی والی بات ہے کیا؟"

"یہ جھوٹا دودھ....."

"اوہ تو یہ بات ہے..... دیکھو کامنی اول تو ہمارے نزدیک سب انسان چونکہ برابر ہیں
لیے کسی کا جھوٹا کھا پی لینے سے کوئی ملیچھ نہیں ہو جاتا۔ یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔ پھر جس
محبت کی جائے اس کی ہر شے میں شیئر کیا جاتا ہے۔

اس نے کامنی کی بات دوبارہ کاٹتے ہوئے کہا۔

اور.....

اپنے بیگ میں سے کچھ پھل نکالنے لگا۔

"یہ سیب میں نے خاص طور سے تمہارے لیے خریدے تھے۔ میں جانتا ہوں تم شوق
کھاتی ہو۔ مجھے یہ بھی علم ہے کامنی کہ اس وقت تمہارا جی بالکل کچھ کھانے کے لیے نہیں چ
ہو گا۔ لیکن میری درخواست ہے کہ تم کچھ نہ کچھ ضرور زہر مار کر لو۔ تمہارا تندرست رہنا
حد ضروری ہے۔ یہ میں کسی خوف کے تحت نہیں کہہ رہا۔ خدا نہ کرے اگر تم بیمار بھی ہو
تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں تمہیں اکیلے چھوڑ دوں گا۔ اب جیتے جی کم از کم میں
ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے ایک ہاتھ سے سیب باقاعدہ چھیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

کامنی نے کسی سحرزدہ معمول کی طرح آدھا سیب لے کر آدھا اسے دے دیا۔

"میرے خیال سے تمہارے لیے بھی صحت کا خیال رکھنا اتنی ہی ضروری ہے۔"

اس نے کہا۔

"اوہ کیوں نہیں۔"

طاہر نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کے سامنے اپنا منہ کھول دیا۔

دونوں تین چار منٹ خاموشی سے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ طاہر
محسوس کر رہا تھا کہ کامنی کسی الجھن کا شکار ہے۔ لیکن وہ اس سے براہ راست کوئی سوال بھی
نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میرے خیال سے ہمیں پہلے کچھ باتیں کر لینی چاہیں۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ جتنی
جلدی ہم یہاں سے نکل جائیں وہی ہمارے لیے بہتر ہو گا۔"

طاہر نے لمبی سانس لے کر کہا۔

"کامنی۔ میں جانتا ہوں تم اس وقت کسی الجھن کا شکار ہو۔ چونکہ میرا تعلق بھی
تمہارے ہی پیشے سے ہے۔ جہاں بات بتائی نہیں چھپائی جاتی ہے لیکن کامنی میں پہلے مسلمان اور
انسان ہوں جس کے بعد کچھ اور..... میں تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ تم کوئی بھی
ہو۔ تمہارا ماضی کچھ بھی ہو۔ تم میرے لیے اتنی ہی محترم ہو جتنی میرے دیس کی کوئی بھی عفت
مآب لڑکی۔ ہاں کامنی میں تمہاری الجھن ختم کر دوں۔ میرا تعلق تمہاری مخالف تنظیم سے ہے۔
اس کیمپ تک پہنچنے کے لیے میں نے تخریب کار کا روپ دھارا تھا کیونکہ مجھے ہر صورت میں اس
کیمپ کو تباہ کرنا تھا۔ تم جانتی ہو کامنی بٹواری کیمپ سے میرے ملک میں کس نوعیت کی تخریب
کاری ہو رہی تھی۔ کامنی تم نے ایک روز مجھے کہا تھا کہ بچوں کے اس قتل عام میں آخر میرے
جیسا شخص کیسے حصہ دار بن سکتا ہے۔ میں تمہارے قیافے کی داد دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں
تمہیں اس سے پہلے میرے متعلق صرف شک تھا لیکن کل سے تم سب کچھ جاننے لگی ہو۔ میں
تمہاری اس جانکاری پر اپنے اقرار کی مہر ثبت کر رہا ہوں۔ کامنی مجھے بتانا ہے کہ اب بٹواری نام
کا کوئی کیمپ باقی نہیں رہا۔ کل رات میں نے اپنے ساتھی کی مدد سے کیمپ کو تباہ کر دیا ہے گو کہ
اس سے اس دیش کو کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ یہاں ایسے درجنوں تخریب کاری کی تربیت
دینے والے کیمپ قائم ہیں۔ لیکن اب دشمن ہمارے بچوں کو قتل کرنے سے پہلے' ہمارے بے گناہ
شہریوں کے خون سے ہولی کھیلنے سے پہلے۔ ہمارے بسے بسائے شہروں کو آتش و آہن کی نذر
کرنے سے پہلے ضرور یہ سوچے گا کہ ہم اس سے سائز میں آٹھ گنا کم سہی لیکن اس کے دیگر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہمسایہ ممالک کی طرح ابھی اتنے کمزور نہیں ہوئے کہ اس کے ظلم و ستم اور زیادتیوں کے سامنے بھیڑوں کی طرح اپنے سر خم کرتے چلے جائیں۔ کامنی! تم نے ایک ہندو گھرانے میں جنم ضرور لیا ہے۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت تمہیں آج ہی کے دن کے لیے ایک لمبے عرصے تیار کرتی آ رہی تھی۔ کامنی تم بتاؤ خدا کے لیے تم بتاؤ کہ ہمارا قصور کیا ہے؟ کیوں آخر یہ دشمن ہمیں تباہ کرنے پر تلا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہمارے دو ٹکڑے کر کے کیا اس کے حکمرانوں کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ کامنی! میں اس ملک میں تین سال سے گھوم رہا ہوں۔ مجھے بھارت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کرنے اور یہاں بھانت بھانت کے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملا ہے۔ میرا دل یہاں کی خستہ حالت زار پر خون کے آنسو روتا ہے جس ملک کی ساٹھ فیصد آبادی بنیادی انسانی سہولتوں سے محروم ہو۔ جس کی جی ڈی پی (سالانہ آمدن فی کس) دنیا کے غریب ترین ممالک سے بھی کم یعنی بمشکل تین سو ڈالر سالانہ ہے۔ وہاں کے حکمران جو اپنے ملک کی صرف چھ فیصد آبادی کے نمائندے ہیں۔ دن رات قتل و غارت گری کے جنون میں مبتلا رہتے ہیں۔ میزائلوں کی تیاری پر کھربوں روپے لگانے والے اس دیش کو آخر کس سے خطرہ ہے۔ بھارت سائز اور فوج کے اعتبار سے سب سے بڑا ملک ہے لیکن اس کے حکمران کس جنون میں اندھے ہو کر اپنے ہمسایہ چھوٹے چھوٹے ممالک کو ہڑپ کرنے پر تلے ہیں۔ ہمیں لڑنے کا شوق نہیں۔ ہم جس دین کے پیروکار ہیں وہ تو سلامتی کا دین ہے۔ وہاں انسانی جان اپنی جان سے زیادہ محترم سمجھی جاتی ہے۔ وہاں ذات پات' بھید بھاؤ کچھ نہیں سب برابر کے انسان ہیں۔ ہمارا جی نہیں چاہتا کہ ہم ہتھیار جمع کرتے رہیں۔ ہم بھارت کے تخریب کار کیمپوں کو تباہ نہیں کرنا چاہتے لیکن ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہم ایسا کریں۔ آخر اس ملک کے حکمرانوں کو اس بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی کہ ہم ان کے دوسرے غریب اور چھوٹے ہمسایہ دیشوں کی طرح اس کے غلام بن کر جینے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر ہمارے ایسے ہی ارادے ہوتے تو لاکھوں جانوں اور عصمتوں کی قربانیاں دے کر یہی ایک خطہ زمین حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم ہندوستان میں صدیوں سے اکٹھے رہتے آ رہے تھے۔ کامنی! ہمیں جان بوجھ کر آگ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اس ملک کے حکمران ہم سے زیادہ ظلم اور زیادتی اپنے لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ انہیں پینے کے لیے پانی نہیں دیتے۔ میزائل دے رہے ہیں۔ کیا ان میزائلوں سے غریب جنتا کے پیٹ کی آگ بجھ جائے گی؟..... ہاں کامنی! میں بٹواری کیمپ تباہ کرنے آیا تھا۔ میں اپنا کیس تمہارے ضمیر کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں اور تم پر چھوڑتا ہوں۔ انصاف سے تم جو بھی فیصلہ کرو مجھے قبول ہے۔ کامنی تمہارے پاس اپنا سروس پستول موجود ہے۔ جس کسی کو تم مانتی ہو تمہیں اس کی قسم اور واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہارے نزدیک میں گناہ گار ہوں تو ابھی مجھے گولی مار کر سرخرو

جاؤ۔ اس طرح نہ صرف تم ان لوگوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا سکو گی بلکہ اور بھی بہت کچھ تمہیں مل جائے گا۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے ہر فیصلے کو قبول کروں گا اور اس کے خلاف احتجاج نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم ہندو لڑکی سے زیادہ انسان ہو اور انسانیت کے ناطے تمہارے دل میں آدمیت کا احترام بھی ہو گا۔ Now Come On کامنی! میں تیار ہوں۔"

○ ○ ○

یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کامنی کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھ گیا۔

کامنی کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے جھنجھوڑ کر اسے گہری نیند سے جگا دیا ہو۔ وہ ابھی تک خود کو عالم ارواح میں محسوس کر رہی تھی۔ طاہر کا کہا ہوا ایک ایک لفظ نشہ کی طرح اس کے دل میں بہت گہرا اترتا چلا جا رہا ہے۔

اس کے لفظوں میں موجود سچائی نے کامنی کو دم بخود کر دیا تھا۔

کامنی کا دل اس کے ایک ایک لفظ پر آمنا صدقنا کہہ رہا تھا۔

سچ اگر کسی طاقت کا نام تھا تو آج اس طاقت نے کامنی کو مسخر کر لیا تھا۔ وہ مغلوب ہو چکی تھی۔

جیسے جیسے طاہر بول رہا تھا۔ کامنی کے سامنے اس کی سابقہ زندگی کی فلم چل رہی تھی۔

گزشتہ دو سال سے وہ مختلف تخریب کاری تربیت مراکز میں خدمات انجام دیتی آ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں دہشت گرد بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تیار کرنے کے بعد آتش و آہن سے لیس کر کے پاکستانی سرحدوں میں دھکیلے تھے۔ ان میں سے کچھ پکڑے گئے کچھ مارے گئے اور کچھ کامیابی سے اپنا کام کر کے واپس آئے تھے۔

اس دفعہ نئے اور زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ ان تربیت یافتہ انسان نما درندوں کو میدان میں اتارا جا رہا تھا۔

پاکستانی ہسپتالوں' ٹرینوں' بسوں اور بازاروں میں دھماکے کی اطلاع ملنے پر متعلقہ کیمپ میں جشن منایا جاتا تھا۔

شراب و کباب کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔

اور.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسے کیا بنا دیا تھا ان لوگوں نے۔ اس نے کیا اسی لئے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل تھی کہ ایسے علم سے وہ بے گناہ مخلوق کی تباہی کا سامان کرتی رہے۔ اسے اپنے ماضی سے گھر رہی تھی۔

طاہر سچا تھا۔

وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔

یہ لوگ اسی کے مستحق تھے۔ جو دوسروں کو تباہ کرتے ہیں۔ جو دوسروں کی تباہی کا ر کرتے ہیں انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں ملنا چاہیے۔

اسی طرح دنیا میں میزان عدل قائم ہو سکتی ہے۔

انسان اور جانور میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر بڑی مچھلی کی طر بڑا ملک چھوٹی مچھلی کو ہڑپ کر جائے۔

زندگی پر سب کا حق یکساں ہے۔

سب کو جینے کا حق ملنا چاہیے۔

اپنی مرضی سے۔ اپنے اصولوں کے ساتھ جینے کا حق!!

آج اگر اسے طاہر نے منصف کی کرسی پر بیٹھا ہی دیا تھا تو اس کا انعام پستول کی نہیں کچھ اور تھا۔

اسے یاد آگیا اس کی موسی کامنی کو مسلمان سہیلیوں کے گھروں میں زیادہ نہیں جا۔ تھی۔

ان کے ہاں کسی مذہبی تقریب میں تو اسے جانے سے زبردستی روکا جاتا تھا یہ الگ ہے کہ وہ جب کسی قابل ہوئی تو اس نے ان ساری پابندیوں کو توڑ ڈالا۔

"موسی آخر تم مجھے وہاں کیوں نہیں جانے دیتی۔"

اس نے ایک روز اپنی موسی سے پوچھا تھا۔

"ہرے رام..... ہرے رام..... ارے بیٹی تو ابھی بچی ہے۔ تو ان مسلوں کو نہیں ہے جادوگر ہوتے ہیں جادوگر۔ یہ تمہیں مار ڈالیں گے۔ تم پر ایسا کچھ منتر پھونک دیں گے تم ہمارے لائق بھی نہیں رہ جاؤ گی۔" اس کی موسی نے کہا تھا۔

کامنی پر کسی نے کوئی منتر تو نہیں پھونکا۔ البتہ سچ کا جادو سر چڑھ کر ضرور بولا اور موسی کی کہی بات سچ ثابت ہو گئی اب اسے سمجھ آگئی کہ یہ جادو ٹونے وہ نہیں جو ا "تانترک" (جادو کرنے والے) کیا کرتے تھے۔ یہ سچ کا جادو تھا۔

جب اسے علم ہو گیا کہ سچ کیا ہے اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اسے آج اس

حساس ہوا کہ جس کو اس کی موسی جادو کا نام دیتی رہی دراصل وہ دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ جب یہ سچائی کسی پر آشکار ہو جائے تو دنیا کے تمام رشتے اس کے سامنے ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ پھر سب سے بڑا رشتہ اور سب سے معتبر حوالہ یہی سچائی بن جایا کرتی ہے۔

اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ طاہر کے کندھوں پر رکھ دیئے۔

○ ○ ○

طاہر نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ہر سو طمانیت کا ایک گہرا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ یہ سمندر اب اس کی آنکھوں میں اتر آیا تھا اور نامحسوس انداز میں اس کی آنکھوں سے چھلکنے والی موتیوں کی لڑیاں اس کے خوبصورت گالوں پر بہہ کر ٹوٹ رہی تھیں۔

"تم سچے ہو طاہر۔"

بمشکل اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

اور.....

اس نے اپنا سر طاہر کے سینے پر ٹکا دیا۔

آنسو اس کی آنکھوں سے جھرنوں کی طرح پھوٹ رہے تھے۔ طاہر نے اسے فی الوقت دلاسہ دینا مناسب نہ جانا وہ چاہتا تھا کہ کامنی کے اندر کی ساری سیاہی ان آنسوؤں میں بہہ جائے اور اس کے دل پر پڑا بھاری پتھر ہٹ جائے اور وہ پرسکون ہو جائے۔

اور.....

ایسا ہی ہوا۔

کامنی نے تھوڑی دیر بعد خود کو نارمل کر لیا۔

اس مرتبہ جب طاہر نے اس کے آنسوؤں سے دھلے چہرے پر نظر ڈالی تو کامنی اسے پہلے سے بالکل مختلف دکھائی پڑی۔

بالکل معصوم اور شبنم سے دھلی ہوئی آنکھوں والی کامنی اگروال کے چہرے پر سکون ہی سکون دکھائی پڑتا تھا۔

"کامنی۔ تمہارا شکریہ۔ میرا دل کہتا تھا تمہارا فیصلہ یہی ہو گا لیکن تمہارا فیصلہ اس سے مختلف بھی ہوتا تو میں ضرور تسلیم کرتا۔ اب میری بات بہت دھیان سے سننا کامنی کیونکہ تمہاری اگلی ساری زندگی کا دارومدار اس جواب اور فیصلے پر ہے جو تم کرنے جا رہی ہو۔"

کامنی..... تمہارے لیے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم واپس لوٹنا چاہو تو میں یا میرا کوئی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بھی جذبہ تمہارے پاؤں کی زنجیر نہیں بنے گا۔ ہاں تمہارے لیے ہر ممکن آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ سماج اور دیش تمہارے لیے غیر محفوظ ہے تو تم جہاں چاہو دنیا کے جس ملک اور کونے میں چاہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بشرط زندگی وہاں تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچا دوں گا۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے قابل ہوں تو میں دل و جان سے تمہیں قبول کرتا ہوں۔ میرا ملک' میرا سماج تمہارے لیے دیدہ و دل وا کرے گا۔ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی تنہائی محسوس نہیں ہو گی۔ تم پر کوئی دباؤ نہیں کامنی۔ کوئی دباؤ نہیں۔ تم جب چاہو آسانی سے کوئی بھی فیصلہ کر لینا۔ فی الوقت ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہو گا۔ کیونکہ یہاں اب ہم غیر محفوظ ہیں۔ تمہیں زیادہ بہتر اندازہ ہو گا۔"

کامنی نے اس کی بات بڑی توجہ سے سنی تھی۔

وہ تو بہت پہلے فیصلہ پر پہنچ چکی تھی۔

اب تو اسے اپنے دل و جان سے صرف اس فیصلے پر مہر تصدیق ہی ثبت کرنی تھی۔

اور.....

اس نے ایک لمحے جھجک کے بغیر اپنے دل و دماغ میں طے کردہ فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

"طاہر اب جینا مرنا تمہارے ساتھ ہو گا۔ اسے میرا جذباتی فیصلہ نہ سمجھنا۔ میں نے فیصلہ تو بہت پہلے ہی کر لیا تھا۔ آج میں صرف اس کا دل و جان سے اقرار کر رہی ہوں۔"

اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

طاہر نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ایک عجیب سی چمک اتر آئی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک اس کے چہرے پر نظر نہ ٹکا سکا۔

اس نے کامنی کو اب تک "را" کی انسٹرکٹر کے روپ میں دیکھا تھا۔ کامنی کا یہ ہوا روپ اس کے لیے چونکا دینے والا تھا۔

بے اختیار اس کی آنکھیں اس عظیم لڑکی کے احترام میں جھک گئیں۔ جسے قدرت نے ایک بڑے انعام کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

"کامنی ابھی تمہیں سوچنے سمجھنے کے اور مواقع بھی ملیں گے۔ میری صرف ایک درخواست ہے کہ تم جو بھی فیصلہ کرو۔ مکمل آزادی اور اختیار کے ساتھ کرنا۔ بغیر کسی جھجک بغیر کسی دباؤ کے۔"

کامنی نے اس کی بات کا جواب صرف نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کرتے ہوئے دیا۔ شاید اس کی آنکھیں طاہر سے پوچھ رہی تھیں کہ اسے ان میں کہیں جھوٹ تو

ے رہا ہے؟

"میرے خیال سے اب یہاں سے نکلنے کی فکر کریں۔ زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہو گا۔"

کامنی نے کہا۔

"تمہاری موٹر سائیکل محفوظ ہے۔ میں نے نمبر پلیٹ بدل دی تھی۔"

طاہر نے اپنی رائے پیش کی۔

"اس کا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔ مسوری اور ڈیرہ دون میں ہمارا "کاؤنٹر سسٹم" بہت مضبوط ہے۔ یہاں سی۔ آئی (کاؤنٹر انٹیلی جنس کا انچارج) کرنل مونگیا ہے۔ آج تک اس کی کریڈٹ پر کوئی ناکامی نہیں لکھی گئی کیونکہ یہاں سے بھاگنے والے تم پہلے تخریب کار نہیں ہو۔ ابھی تین ماہ پہلے ہی بنگلہ دیش کا ایک نوجوان کسی بات پر غیرت کھا کر فیلڈ ایریا میں آدھی رات کو نہ جانے۔ ایک مشق کے دوران کھسک گیا تھا۔ جسے مونگیا نے صبح ہونے سے پہلے مسوری سے گرفتار کر لیا تھا۔"

کامنی نے اسے موٹر سائیکل کے استعمال سے منع کیا۔

"کون ہے یہ کرنل مونگیا۔ میں نے نہیں دیکھا کیا؟"

طاہر نے حیرانگی سے دریافت کیا۔ کیونکہ کیمپ کے قریباً تمام افسران کو اس نے دیکھا ہوا تھا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے طاہر۔ تم نے اس کے ساتھ دہلی سے یہاں تک کا سفر کیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ چکردتی کے روپ میں سفر کر کے آیا تھا۔ معلوم نہیں اس نے تمہیں اپنا رینک کیپٹن بتایا ہو یا میجر۔ بہرحال وہی کرنل مونگیا ہے۔"

کامنی کے انکشاف نے اسے حیران کر دیا۔

"اوہ مائی گاڈ تو یہ وہ ذات شریف ہیں۔"

اس نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ کرنل مونگیا بھی "سپیئر" ہے۔ اس نے بھی "کے جی بی" کے کمانڈوز کے ساتھ روس میں دو سال گزارے تھے۔ یہ شخص یہاں بے پناہ اختیارات کے ساتھ کام کر رہا ہے اور ہمارے وہم و گمان سے بڑھ کر چالاک ہے۔ یہی دیکھ لو کہ اس نے تمہارے ساتھ دہلی سے یہاں تک کا سفر صرف تمہیں چیک کرنے کے لیے کیا تھا۔ ایسے "سرپرائز" وہ اکثر دیا کرتا ہے۔ وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ اپنے آپ پر بھی نہیں اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کامنی نے اسے خبردار کیا۔

تمہارے خیال سے کیا "ممکنہ اقدامات ہیں۔"

طاہر نے انٹیلی جنس کی زبان میں اس سے دریافت کیا۔

کامنی نے اپنے ذہن پر زور دے کر اپنے علم کی حد تک اسے تمام ممکنہ اقدامات آگاہ کر دیا۔

"ہوں ں ں۔"

اس کی بات کے خاتمے پر ایک لمبی ہوں طاہر کے منہ سے برآمد ہوئی۔

اب تک اس مندر میں ورجنوں ایجنٹ پہنچ چکے ہوں گے۔ ہماری خوش قسمتی ہے یا تمہاری ہوشیاری کہ تم نے ایسے موقعے کا انتخاب کیا جب یہاں ہزاروں یاتریوں کی بھیڑ جمع چکی ہے۔ اب ہمیں اس بھیڑ میں راستہ بنانا ہے طاہر!

کامنی نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر طاہر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا اور زمین پر انگلی کی مدد سے مختلف لکیر کر اسے سمجھنے لگا کہ کیا کیا راہ فرار ممکن ہے؟

اس نے کامنی کے ساتھ تین آپشن Option رکھے تھے۔ لیکن کامنی نے تینوں نامنظ دیئے۔

"پھر آخری راستہ یہی باقی بچتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے کامنی کو بتانا شروع کیا کہ فی الوقت وہ ڈیرہ دون کی طرف جا بجائے دوسری سمت اختیار کریں گے۔

"تمہارا مطلب ہے "پونا صاحب۔"

کامنی نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔"

کامنی نے صاد کیا۔

اب انہیں یہاں قریباً ۳۰ کلومیٹر پیدل سفر کرنا تھا۔ یہی ایک محفوظ راستہ تھا ورنہ طرح کے "جوابی اقدامات" سے متعلق کامنی اگروال نے بتایا تھا اس "جال" سے بچ کے لیے ممکن ہی نہ رہتا۔

کرنل مونگیا نے اس کی دانست میں اس امکان پر غور نہیں کیا ہو گا کہ وہ پیدل

نکلیں گے۔

اور.....

یہیں ایک ایسا بظاہر "پلس پوائنٹ" تھا جو ان کے حق میں جاتا تھا۔ طاہر جانتا تھا کہ کامنی پار ہو چکی ہے۔ مسلسل بھاگ دوڑ نے اسے تھکا دیا ہے۔ اسے علم تھا کامنی گذشتہ دو راتوں سو نہیں پائی۔ بس یہی دو تین گھنٹے کی نیند غنیمت تھی جو اس نے یہاں لی تھی۔ پھر بھی وہ ورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

"چلو کامنی۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ بھی کامنی کے بیگ میں رکھا اور اسے اپنے کندھے پر لٹکا لیا۔

امنی نے رات یہاں سے خریدی ہوئی "چیتامبر" (پیلی چادریں) جن پر سنسکرت میں پرنٹنگ کی ئی تھیں نکالیں۔ ایک چادر کھول کر اس کے کندھوں پر ڈال دی اور ایک پٹی اسے اپنے سر پر ہنے کے لیے دے دی۔

"ویل ڈن۔"

اس نے ماتھے پر پیلی پٹی باندھتے ہوئے کہا۔

اب وہ واقعی ایک مکمل ہندو اور "بھوانی ماں" کا سپوت دکھائی دے رہا تھا۔

کامنی نے اپنے بال کھول کر جب اپنے شانوں پر لہرائے اور ماتھے پر بڑا سا تلک لگایا تو لہری چولے میں لپٹی کامنی کی طرف دیکھ کر اسے "میرا بائی" یاد آ گئی!!

اس نے میرا بائی کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن اس وقت جو روپ کامنی نے دھارا تھا وہ میرا کی بھی تصاویر میں ایسا ہی دکھائی دیا کرتی تھی۔

روانگی سے پہلے طاہر نے کچھ قرآنی آیات کی تلاوت کی تو کامنی کو عجیب سی طمانیت کا حساس ہوا۔

"یہ کیا پڑھا تھا تم نے۔"

اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں نے وہ آیات پڑھی ہیں جو ہمیں کسی بھی سفر پر روانگی سے پہلے پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس کے بعد کوئی آفت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ ہماری خود حفاظت فرمائے گا۔"

"مجھے بھی پڑھاؤ۔"

کامنی نے یہ کہہ کر طاہر کو چونکا دیا۔

"تم۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

طاہر نے حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

"ہاں میں۔۔۔۔ مجھے پڑھاؤ طاہر"

کامنی نے ضد کے لہجے سے کہا۔

طاہر نے ایک ایک لفظ اس کے منہ سے ادا کروایا اور سرشاری کی عجیب سی کیفیت کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کیا۔

سورج ابھی مکمل طلوع نہیں ہوا تھا۔

اس علاقے میں یوں بھی پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دھند زیادہ چھائی رہتی تھی اور سورج کچھ دیر سے ہی دکھائی دیا کرتا تھا۔

عموماً" ایسی سردی میں لوگ گھروں سے ضروری کام کے لیے ہی باہر آیا کرتے تھے لیکن آج چونکہ "مائی کاسکا" کے مندر میں سالانہ میلہ چل رہا تھا اس لیے یاتریوں کے جلوس ابھی سے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جو مختلف شہروں سے ٹولیوں کی شکل میں آتے اور یہاں سے نکلنے والے مختلف جلوسوں کا حصہ بن جاتے تھے۔

○ ○ ○

طاہر نے گذشتہ چار دنوں سے جان بوجھ کر شیو نہیں بنائی تھی اور چار دنوں میں اس کی داڑھی کے بالوں نے سارا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ خدا جانے اس نے اپنے پاس وہ سفید شیشوں والی عینک کب سے اس وقت کے لیے چھپا کر رکھی ہوئی تھی جو بظاہر نظری عینک دکھائی دیتی تھی۔ اس عینک کو لگانے اور اپنے سر میں درمیان سے چیر نکالنے کے بعد اس کی شناخت بڑی آسانی سے ممکن نہیں رہی تھی۔

اپنی دانست میں کامنی نے بھی اپنی شناخت ناممکن بنا دی تھی۔ اسے تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی گئی تھی کہ اپنی شناخت کس طرح تبدیل کی جائے۔

روانگی پر جب کامنی نے اپنا پستول طاہر کی طرف بڑھایا تو اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں کامنی۔ میرے کام اس کے بغیر بھی چل جائے گا۔ تم اسے ضرور اپنے پاس رکھو اگر خدانخواستہ کہیں ایسا کوئی وقت آیا تو میں تم سے پہلے مروں گا۔ یہ میرا اپنے آپ سے تم اور اپنے اللہ سے وعدہ ہے۔ اب تمہاری حفاظت میرا اولین فریضہ ہے۔ لیکن تمہارے لیے

ضرور کہوں گا کامنی کہ زندہ کبھی ان لوگوں کے ہاتھ نہ لگنا۔"

"ایسا کبھی ممکن نہیں ہو گا۔"

کامنی نے رعد کی طرح کڑک کر کہا تھا۔

طاہر نے خود پستول کو لوڈ ان لوڈ کر کے چیک کیا اور اس کی کارکردگی سے مطمئن ہونے کے بعد پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔

"پارٹنر Take it"

اس نے پروفیشنل لہجے میں کہا۔

"تھینک یو۔"

کہہ کر کامنی نے پستول دوبارہ اس پوزیشن پر چھپا لیا جہاں سے وہ اسے آسانی سے نکال استعمال کر سکے۔

دونوں اگلے پندرہ منٹ بعد ایک بڑے جلوس کا حصہ بن چکے تھے!!

شہر کے آخری کونے تک انسانوں کی بھیڑ لگی تھی اور اس بھیڑ کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے نکل رہے تھے۔

طاہر کو کامنی کی صحت کا احساس تھا۔ اس نے متعدد مرتبہ کامنی کو اپنے سہارے چلانے کی کوشش کی تھی حالانکہ کامنی اس پر اب ایک لمحے کے لیے بھی بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔

"طاہر مطمئن رہو۔ میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے بالآخر طاہر کے عندیہ کو بھانپتے ہوئے کہا۔

دونوں شہر سے باہر آ گئے تھے اور اب اس پہاڑی پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے جو راستے میں آنے والے قریباً" گیارہ دیہاتوں سے گزرنے کے بعد انہیں منزل مقصود پر پہنچا دیتی۔ جہاں سے، وہ محفوظ سفر کے ذریعے پونٹا صاحب پہنچ جاتے جو سکھوں کا مقدس مقام تھا جہاں اس صوبے کے سب سے بڑا گوردوارہ بنا ہوا تھا۔

"مطمئن رہنا میں نے ان جنگلوں اور پہاڑی سلسلوں میں بڑی جھک ماری ہے۔ کچھ آئیڈیا مجھے بھی ہے۔"

کامنی جانتی تھی طاہر اس کے متعلق پریشان ہے شاید اس لیے اس نے یہ فقرہ کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کامنی۔"

طاہر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

دونوں قریباً" دو گھنٹے ایک دوسرے سے باتیں کرتے اس پہاڑی سلسلے میں چلتے چلے گئے۔ درمیان طاہر نے تین چار مرتبہ اپنی گھڑی میں نصب کمپاس کے ذریعے اپنی سمت صحیح ہونے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کی تصدیق کر لی تھی۔ اب تک کامنی صرف اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر چلتی چلی آ تھی۔

○ ○ ○

سورج نکل آیا تھا جس سے سردی کا زور کچھ کم پڑ گیا تھا۔

کامنی نے اپنا چولا اس سلسلے میں داخل ہوتے ہی اتار کر طاہر کے کندھے سے لٹکے میں ٹھونس دیا تھا اور طاہر نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔

دونوں ابھی تک ایک سرشاری کے عالم میں چلتے چلے جا رہے تھے۔ اس دوران کامنی دو تین مرتبہ ایک دو گھونٹ پانی اس بوتل سے اپنے حلق میں انڈیلا تھا جو انہوں نے سفر آغاز پر مسوری سے خریدی تھی۔

طاہر محسوس کر رہا تھا کہ کامنی کی توانائیاں کم پڑنے لگی ہیں۔

انہیں سفر کرتے قریباً" چار گھنٹے ہو رہے تھے جب اچانک اس نے کامنی کو لڑکھڑا دیکھا۔

"کامنی۔"

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اس نے دیوانہ وار لپک کر اسے زمین پر گرنے پہلے تھام لیا۔

سہارا دے کر وہ کامنی کو پہاڑی کی اوٹ میں لے آیا۔ یہاں سوائے کسی جنگلی جانور اور کوئی خوف نہیں تھا۔

طاہر نے اس کا بازو پکڑا تو اسے احساس ہوا کہ کامنی نے مسلسل پیدل چل کر اپنے کیسی زیادتی کی تھی۔

وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

طاہر نے بیگ سے چادر نکال کر اسے چادر پر بٹھا دیا۔

"معاف کرنا ذرا چکر آ گیا تھا۔"

کامنی نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اسے اس بات کا افسوس ہو رہا ہو کہ ایسا کیوں ہوا۔

طاہر کا دل بھر آیا۔

لیکن۔ اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔

"یو آر گریٹ کامنی۔"

اس نے بیگ کی زنجیر کھولتے ہوئے کہا۔

بیگ سے اس نے کچھ اور ادویات اور دودھ کا پیکٹ نکال کر کامنی کی طرف بڑھایا۔

"کامنی تم اچھا سمجھو یا برا۔ اس مرتبہ تمہارا سارا دودھ پینا پڑے گا۔"

"یہ تمہارا حکم ہے کیا؟"

کامنی نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

طاہر نے اندازہ کر لیا تھا کہ کامنی صرف اسے مطمئن کرنے کے لئے مسکرا رہی ہے ورنہ ں کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔

"او۔کے"

کہہ کر کامنی نے اس کی دی ہوئی گولیاں دودھ کے ساتھ نگل لیں اور ایک ایک گھونٹ ر کے خاصا دودھ بھی پی لیا باقی پیکٹ پہلے کی طرح اس نے خالی کر دیا تھا۔

"کامنی سونے کی کوشش کرو۔"

طاہر نے اسے زبردستی چادر پر لٹاتے ہوئے کہا۔

"طاہر مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"کیوں نہیں آئے گی۔ ان میں ایک خواب آور گولی بھی موجود تھی۔"

طاہر نے اپنے زانو کو سرہانہ بنا کر اس کا سر وہاں رکھ دیا تھا۔

کامنی نے اس کی طرف جگرپاش نظروں سے دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ طاہر نے اسے ئی خواب آور گولی تو نہیں دی تھی لیکن کامنی پر تھکاوٹ اس بری طرح سوار تھی کہ موقعہ ملتے ا اسے گہری نیند نے آ لیا۔

جب طاہر کو یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند سو گئی ہے تو اس نے اطمینان سے اس کا سر پنے زانوں سے اتار کر اپنی جیکٹ سے بنائے سرہانے پر رکھ دیا اور خود اٹھ کھڑا ہوا۔

گو کہ اس نے کھانے پینے کا کچھ ذخیرہ کر لیا تھا لیکن اسے کامنی کی صحت کی فکر لگی تھی ا کے لیے خوراک کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔ مسوری کا جو نقشہ اس کے ذہن میں تھا اس ے مطابق یہاں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو کلومیٹر کے ایریا میں کوئی گاؤں ہونا چاہیے تھا۔

○ ○ ○

کامنی کو سوتا چھوڑ کر وہ پہاڑی کی چوٹی پر آ گیا۔ اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ یہاں سے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بمشکل ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں گھرے اس کو کچھ گھر نظر آ رہے تھے۔

اپنی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اس نے کچھ لکھا اور اسے کامنی کے نزدیک دوسرے بیگ کے نیچے رکھ کر دبے قدموں چلتا پہاڑی کے دوسری طرف اتر گیا۔

اگلے بمشکل پندرہ منٹ بعد وہ ایک درخت کی اوٹ سے گاؤں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ گاؤں نہیں کوئی سرکاری قسم کا ریسٹ ہاؤس ہے جس کے ساتھ کچھ چھوٹے چھوٹے گھر بنائے گئے ہیں۔ شاید یہ کوئی "پک نک پلیس" تھی۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ کون سی سمت زیادہ محفوظ رہے گی اس طرف سے آگے بڑھنے لگا۔ اب وہ ایک بڑے ریسٹ ہاؤس کے عقب میں پہنچا جس کی چمنی سے نکلنے والے دھوئیں اور کھلی کھڑکی سے برآمد ہوتی تازہ کھانے کی خوشبو نے اسے احساس دلایا تھا کہ اس کا اندازہ بالکل صحیح ہے اور اس کی مہم کامیاب رہی۔

یہ ریسٹ ہاؤس شاید انگریزوں نے بنوایا تھا اور وہی آخری مرتبہ اس کے عقب میں موجود جھاڑیوں کی صفائی کر کے گئے تھے کیونکہ اب وہاں گھاس کا ایک جنگل سا دکھائی دے رہا تھا چونکہ یہ راستہ زیر استعمال نہیں تھا اس لیے شاید اس طرف کسی نے صفائی کا دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

بجلی کی سی پھرتی سے اگلے چند منٹ بعد وہ اس کھلی کھڑکی کے نیچے پہنچ گیا تھا جس سے اشتعال انگیز خوشبو باہر آ رہی تھی اور پکنے والے کھانوں کی بھاپ باہر نکالنے کے لیے شاید کھڑکی کھولی گئی تھی۔

کھڑکی اس کے سر سے بمشکل تین چار فٹ بلند تھی۔

اچھل کر طاہر نے اس پر ہاتھ جمائے اور ہاتھوں کے بل پر اپنا جسم کسرت کرنے کے انداز میں اوپر اٹھایا۔ اندر ایک سفید پوش بیرا ٹرالی پر کھانا سجا رہا تھا جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ بیرہ دوسرے کمرے میں موجود "صاحب لوگوں" کے لیے کھانا لے جا رہا ہے۔ چونکہ بیرے کی پشت اس کی طرف تھی اس لیے وہ آرام سے اندر کا نظارہ کرتا رہا۔

اس نے دیکھا کہ بیرے نے ایک عجیب سی حرکت کی۔ ٹرالی پر رکھی شیمپئن کی بوتل سے اس نے اپنے لیے پہلے ایک پیگ تیار کیا اور اسے حلق میں انڈیلنے کے بعد دو اور پیگ تیار کر کے ٹرالی پر رکھے۔

اب وہ اپنا منہ صاف کرنے کے بعد اندر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

طاہر دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی بیرا وہاں سے نکلا اور اس کے عقب میں دروازہ بند ہوا دوسرے ہی لمحے طا

ں پر اچھل کر اندر آ گیا۔

اس نے سامنے موجود فریج سے ڈبل روٹی' مکھن' چیز اور سامنے چولہے کے نزدیک دھری ے بیرے کا تیار کردہ چکن اور دوسرا الم غلم یہاں دھرے ایک سٹیل کے بڑے سے برتن ڈالا۔ اس نے اس سارے سامان کو کھڑکی پر رکھ کر باہر منتقل کرنے اور وہاں سے فرار ہو کر ں کے جھنڈ میں غائب ہونے تک بمشکل تین منٹ کا وقت بھی نہیں لگایا تھا۔

کامنی کو سوئے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آ رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی۔ پسینے سے اس م اس طرح بھیگ رہا تھا جیسے وہ پانی کے ٹب میں بیٹھی ہو۔

لیکن.....

جسم کے سارے مسام کھلنے سے وہ بہت بہتر محسوس کر رہی تھی شاید بخار اتر گیا تھا۔ بلکہ اسے اب بھوک لگی ہوئی تھی۔

گردن گھما کر اس نے دیکھا طاہر غائب تھا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے سامنے ے بیگ کے نیچے رکھے کاغذ کو نکال کر اس نے بے چینی سے نظریں دوڑائیں اور مطمئن ہو گہری سانس لے کر بیٹھ رہی۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

"میڈم گھبرانا نہیں۔ آپ کے لنچ کا بندوبست کرنے گیا ہوں۔"

ایک زخمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر لپک گئی۔ اسے اپنے فیصلے پر اب فخر ہونے لگا

سامنے دھری بوتل سے دو گھونٹ پانی اس نے حلق میں انڈیلا جو خشک ہو رہا تھا اور ابھی ل رکھ کر بیگ سے ٹیک لگائی ہی تھی جب عقب سے طاہر نمودار ہوا۔

"کھانا حاضر ہے میڈم"

اس نے مودب بیروں کی طرح چکن ڈبل روٹی مکھن چیز سب کچھ ایک ایک کر کے اس ے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔ تم کہاں گئے تھے طاہر۔ کہاں سے لائے یہ سب کچھ۔"

بے اختیار وہ طاہر سے لپٹ گئی۔

"پہلے کھانا پھر باتیں۔"

طاہر نے اسے خود سے آہستگی سے الگ کیا۔

اور.....

اس کے بعد دونوں ایک ہی برتن میں کھانے لگے کامنی کے لیے یہ بھی زندگی کا پہلا اور لمحے کی گہرائیوں [illegible] جانے والا تجربہ تھا۔ گرم گرم چکن نے اس کی ساری توانائیاں واپس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

لوٹا دیں۔ کھانے کے دوران طاہر اسے اپنے اس کارنامے کی تفصیلات سے مزے لے لے کر آگاہ کر رہا تھا۔

"اب اس سے پہلے کہ ہوش میں آنے کے بعد بیرے صاحب اپنے برتن کی تلاش شروع کریں۔ ہمیں یہاں سے رفوچکر ہونا چاہیے۔"

کھانے کے خاتمے پر اس نے ڈبل روٹی اور باقی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اب میں بالکل تیار ہوں۔ صبح تک تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔ تم پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر۔"

کامنی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

اور.....

دونوں عازم سفر ہوئے۔

انہوں نے بچا کھچا کھانا برتن سمیت اس طرح ٹھکانے لگایا تھا کہ اس طرف سے گزرنے والے کسی شخص کو دکھائی نہ دے۔

یوں بھی اس راستے پر کسی انسان کا گزر کم ہی رہا ہو گا۔ کامنی اب خود کو مکمل آزاد محسوس کر رہی تھی۔

شام ڈھلنے تک ان کا سفر جاری رہا۔

اس دوران طاہر نے تمام نمازیں ادا کی تھیں۔ کامنی دلچسپی سے اسے نماز پڑھتے دیکھتی اور ہر نماز کے بعد اس کے فرائض اور دیگر عبادات سے متعلق دریافت کرتی۔

مسوری سے روانگی اور اگلے روز صبح پو پھٹنے پر اس سڑک تک پہنچنے کے بعد جو انہیں پونٹا صاحب کی طرف لے جاتی کامنی نے اس سے صرف اسلام پر باتیں کی تھیں۔ وہ کرید کرید کر اس سے مختلف سوالات کرتی آئی تھی۔

ان سوالات میں اس کے لاشعوری گھریلو تربیت کی بنیاد پر جنم لینے والے بہت سے شکوک و شبہات اور تجسس کا پہلو نمایاں تھا۔

سیرت طیبہ ﷺ کے ابتدائی واقعات سے وہ بے پناہ متاثر دکھائی دے رہی تھی اور اسے اب تک ارکان اسلام سے متعلق بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ اب اس نے اپنا موضوع طاہر ملک بنا لیا تھا۔

"مجھے ذرا سانس لینے دو اور کچھ سوچنے کا موقعہ دو۔"

طاہر نے سڑک کے نزدیک پہنچنے پر کہا۔

کامنی خاموش رہ گئی۔

دونوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق یہاں سے گزرتی ایک ٹیکسی کار کو روکا اور میاں بیوی کی حیثیت سے سفر کرتے پونٹا صاحب سے کچھ فاصلے پر ہی اتر گئے جہاں سے صاحب تک پہنچنے کے لیے انہوں نے جان بوجھ کر تین چار بسیں تبدیل کی تھیں۔

دوپہر کے بعد وہ یہاں پہنچ گئے تھے۔

اب طاہر پگڑی باندھ کر ترسیم سنگھ اور کامنی اس کی سنگھنی بن چکی تھی جو اپنی منت نے سہارنپور سے یہاں آئے تھے۔

گوردوارے کے لنگر سے انہوں نے "پرشاد" کھایا اور "سرائے" کے ایک کمرے میں ن سے بیٹھ گئے۔ طاہر جو گذشتہ ۴۰ گھنٹے سے مسلسل سفر میں تھا وہ خود کو پہلی مرتبہ قدرے ن محسوس کر رہا تھا۔ اسے اطمینان اس بات کا بھی تھا کہ دوبارہ کامنی کا ٹمپریچر نہیں بڑھا البتہ ایک پریشانی تھی کہ ابھی تک انہیں کوئی ڈھنگ کا کمرہ نہیں ملا تھا۔ گوردوارے کے ں میں کوئی کمرہ خالی نہیں تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرنل بھاٹیہ اس وقت ڈیرہ دون میں اپنے بٹالین کے سالانہ دربار کی تقریبات میں شرکت کرنے آیا تھا۔ تقریبات کا آغاز اگلے روز ہونے جا رہا تھا اور اسے بطور خاص مدعو کیا گیا تھا حالانکہ گذشتہ ڈیڑھ سال سے وہ مختلف نوعیت سے فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے اپنی پلٹن سے باہر "ڈیپوٹیشن" پر تھا۔

وہ شام ڈھلے شدید بارش میں یہاں پہنچا تھا۔

چکراتا سے یہاں تک مسلسل اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی جیپ کا ڈرائیور ونڈ سکرین پر چلتے وائپر کو روکتا تو دونوں اندھے ہو جاتے..... موسلا بارش کا چھاجوں پانی ان کے چاروں طرف شیشوں پر بہہ رہا تھا۔

بھگوان کا شکر تھا کہ جیپ میں ہیٹر لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے سامنے ونڈ سکرین قدر صاف ہو جاتی اور انہیں کچھ دور کا منظر دکھائی دینے لگتا تھا۔

جیپ کی رفتار قدرے کم تھی.....

یہ احتیاط کا تقاضا تھا.....

تیز بارش اور برفیلی ہوا نے باہر کے سارے ماحول کو منجمد کر کے رکھ دیا تھا اور جیپ طاقتور ہیڈ لائٹس جن کے ساتھ اس علاقے کے موسمی تقاضوں کے پیش نظر بطور خاص اضافی لائٹس لگائی گئی تھیں، بھی زیادہ دور تک کا منظر واضح کرنے میں ناکام دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک تو اس سڑک پر سٹریٹ لائٹس نہیں تھیں اور اوپر سے موسم کی بلاخیزی نے سارے ماحول کو جکڑ رکھا تھا۔

وہ راستہ جو معمول کے مطابق ایک گھنٹے میں طے ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت گھنٹوں پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ بالآخر آفیسرز میس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اگر وہ دس منٹ لیٹ ہو جاتا تو شاید اس شاندار ڈنر سے محروم رہ جاتا جو اس کی پلٹن کا "روایتی ڈنر" تھا جس کا انتظار سارا سال بٹالین کے جونیئر افسران کیا کرتے تھے۔

آج انہیں بطور خاص ڈنر سے پہلے سکاچ پیش کی گئی تھی.....!

کرنل بھاٹیہ نے آفیسرز میس کے ہال میں گھستے ہی آتشدان کے نزدیک کرسی سنبھال لی تھی اور اب ایک مودب بیرا اس کے سامنے سکاچ سے بنا جام پیش کر رہا تھا۔

اس کا ڈرائیور ابھی تک جیپ میں ایمرجنسی ڈیوٹی پر تھا۔

یہ اس کا فرض تھا کہ جب تک کرنل صاحب جیپ سے باہر رہیں وہ جیپ کے اندر موجود رہے۔ تھوڑی دیر کے لئے کرنل نے اس کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اسے لنگر سے چائے پینے اور کھانا کھانے کی رخصت ضرور دے دی تھی۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ رخصت آدھے گھنٹے سے دو ڈھائی گھنٹے پر محیط ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ڈرائیور کو دوسروں کی طرح بہت سردی لگ رہی تھی اور وہ دوسرے جوانوں کے ساتھ "رم" پینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

جب وہ شراب پینے اور کھانا کھانے کے بعد نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ جیپ تک پہنچا تو جیپ کا وائرلیس مسلسل چیخ چیخ کر خاموش ہو چکا تھا۔

قریباً ایک گھنٹہ سے کرنل بھاٹیہ کی جیپ میں موجود وائرلیس پر اس کا سیکنڈ ان کمانڈ میجر کرم سود اس کے ساتھ رابطے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اسے یہاں گزرنے والی قیامت سے باخبر کر سکے۔

لیکن.....

جیپ پر اس کی مسلسل "ہیلو کمانڈر، ہیلو کمانڈر" کو جواب سوائے دوسری طرف سے آنے والی شوں شواں کے اور کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اب پریشان ہو کر میجر سود سوچ رہا تھا کہ کرنل بھاٹیہ کو اس کے بٹالین ہیڈ کوارٹر کے ریلے ہی مطلع کر دے کیونکہ اس کے پاس سوا اس کے اور چارہ کار بھی کوئی نہیں رہ گیا تھا۔

میجر کرم سود نے چند روز پہلے ہی "بٹواری کیمپ" رپورٹ کی تھی۔ وہ سیاچن سے بڑی سفارشوں اور زور آزمائی کے بعد یہاں آیا تھا اور یہاں آنے کے اگلے ہی روز اس نے اپنے گھر والوں کو بتایا تھا کہ وہ ویری ماں کا ہون کھنڈ کروائیں کیونکہ اس کے گلے سے بلا ٹلی ہے۔

اگر وہ مزید ایک ہفتہ سیاچن میں رہ جاتا تو شاید زندگی بھر اپنے گھر والوں کو نہ مل سکتا کیونکہ پھر اس کا ٹھکانہ ہسپتال یا پاگل خانہ ہوتا۔ سیاچن کے محاذ پر پوسٹنگ سے پہلے اس نے اس کے متعلق ہیبت ناک کہانیاں ضرور سن رکھی تھیں۔

لیکن..... بھارتی ماؤنٹین ڈویژن کے ایک جونیئر افسر کی حیثیت سے وہ اس سے پہلے نیفا اور لداخ میں قیام کر چکا تھا۔ اس لئے اسے امید تھی کہ وہ دوسرے بھارتی جوانوں کی طرح اتنی جلدی گھبرانے والا نہیں.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس کی تو تربیت ہی موسمی شدائد کا مقابلہ کرتے ہوئے دھرتی ماں کی رکھشا کرنے کے لئے کی گئی تھی.....

جس روز اسے سیاچن پہنچنے کا حکم ملا میجر سود کے علاوہ کمپنی کے ہر جوان کا چہرہ لٹک گیا جبکہ میجر سود ایک ایک جوان کے پاس جا کر اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا وہ انہیں بار بار کہہ رہا تھا کہ ان کا تعلق پہاڑی ڈویژن سے ہے اور انہیں کم از کم بھارتی آرمی کی ایک مثال بن کر رہنا ہے۔

لیکن..... اس کے جوان جانتے تھے کہ میجر صاحب کو حالات کی سنگینی کا احساس نہیں اور ان کی ساری دیش بھگتی کا بھوت سیاچن پہنچنے کے اگلے ہی روز اتر جائے گا.....

اور.....

ایسا ہی ہوا.....

واقعی جب وہ اپنے کمپنی کے دس جوانوں کے ایک سیکشن کے ساتھ ایک کمانڈ پوسٹ پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اترا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے برف کے جہنم میں دھکیل دیا ہو۔

سائبیریا کی سردی اس کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

لاکری پہلے سے تیار کردہ خصوصی گرم فوجی یونیفارم پہنے ہوئے میجر سود اور اس کے جوانوں کو سردی اپنی ہڈیوں میں سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھی گو کہ ان کے جسم کا ایک بال بھی ننگا نہیں تھا۔

ہاتھوں میں دستانے اور آنکھوں پر عینک لگائے جس کے شیشوں سے بظاہر ہوا کے آنکھوں تک جانے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے وہ سب اپنے کندھوں سے گنیں لٹکائے جب ہیلی کاپٹر سے باہر نکلے تو پوسٹ ان سے بمشکل پچاس گز دور تھی.....

شاید یہی ایک جگہ ایسی تھی جہاں ہیلی کاپٹر لینڈ کر سکتا تھا۔ انہیں اب ایک دوسرے سے جسم سے رسی باندھ کر اپنی پوسٹ تک پہنچنا تھا جو یہاں سے قریباً" پچاس گز دور اور قدرے اونچائی پر بنی ہوئی تھی.....

میجر سود کے اندازے کے مطابق ابھی صبح کے دس بجے تھے..... لیکن سردی سے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں بحر منجمد شمالی کی کوئی رات ہو رہی ہو.....

سب سے آگے وہ خود چل رہا تھا.....

اسے اپنا ایک ایک قدم ہزاروں من بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے کیلوں والے خصوصی بوٹ پہنے وہ جب برف کے فرش پر ایک قدم رکھتے تو دوسرا قدم زمین پر گڑ جاتا زور سے قدم نکالنے پر انہیں خاصا زور لگانا پڑتا۔

ان کی پوسٹ والوں نے شاید ان کے استقبال کے لئے اور اپنی اس برف کے جہنم

ئی کی خوشی میں کچھ ہوائی فائر کئے تھے کیونکہ وہاں موجود دس جوانوں کو اسی ہیلی کاپٹر پر سوار ں جانا تھا جو انہیں یہاں لے کر آیا تھا۔

کمانڈ پوسٹ پر ایک ماہ تک فرائض انجام دینا ایک جنم کے برابر اذیت برداشت کرنے کچھ زیادہ ہی تھا۔

سردی کا یہ عالم تھا کہ یہاں ہیلی کاپٹر کے انجن بند نہیں کئے جاتے تھے مبادا وہ دوبارہ ٹ ہی نہ ہو سکے" اب بھی پائلٹ ہیلی کاپٹر ہی میں موجود تھا اور مستعد تھا..... اسے علم تھا دونوں کمانڈروں کو ایک دوسرے کو چارج سونپنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے جس بعد وہاں موجود جوان اس تک پہنچنے میں مزید دس پندرہ منٹ لگا دیں گے۔

ہیلی کاپٹر کے ہیٹر پوری رفتار سے چل رہے تھے اور اندر کا ماحول خاصا آرام دہ ہو رہا

کمانڈ پوسٹ کی طرف سے کئے گئے "استقبالی فائر" کا دوسری طرف کچھ اور ہی مطلب لیا یا پھر دوسری طرف موجود دشمن نے نئے آنے والوں کو "ویل کم" کرنے کے لئے ان کی سمت ک ہی گولے داغنے شروع کر دیئے۔

دونوں پوسٹوں کے درمیان بمشکل سو گز کا فاصلہ رہا ہو گا اور دونوں طرف سے ایک رے کی کوئی حرکت پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف سے آنے والے فائر نے میجر سود اور کے بہادر جوانوں کو بوکھلا کر رکھ دیا وہ دوسرے ہی لمحے زمین بوس ہو گئے.....!

میجر سود کے لئے یہ بڑی پریشان کن صورتحال تھی.....

یہ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔

انہیں یہاں ایک ماہ گزارنا تھا اوران کی آمد کے ساتھ ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

پر لیٹے لیٹے اس نے زوردار آواز میں اپنے کمانڈ پوسٹ والے ساتھیوں کو گالیاں دینا شروع یں جن کے "استقبالی فائر" کا دشمن نے غلط مطلب سمجھ کر ان کی طرف فائرنگ شروع کر دی

پوسٹ کمانڈر کے لئے بھی یہ صورتحال پریشان کن تھی.....

اس نے فوراً" اپنے جوانوں کو فائرنگ روکنے کا حکم دیا اور انہیں گالیاں بکتے ہوئے ٹ کے محفوظ کونے سے سفید جھنڈا لہرا کر دوسری طرف دشمن سے فائر روکنے کی درخواست نے لگا۔

دشمن کو شاید ان پر ترس آگیا کیونکہ پانچ چھ منٹ کے بعد ہی فائرنگ رک گئی۔

میجر سود نے زمین سے اٹھ کر اپنے جوانوں کا جائزہ لیا اور بھگوان کا شکر ادا کیا کہ وہ سب

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

محفوظ تھے۔

لیکن.....

کمانڈ پوسٹ والوں کی کمبختی آگئی تھی کیونکہ فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی ہیلی کاپٹر کو اس کا پائلٹ بھگا لے گیا تھا۔

اسے یہی احکامات ملے تھے۔ یہاں سب سے اہم چیز ہیلی کاپٹر تھی۔ جس کے سامنے انسانی جان کو بھی اہمیت نہیں تھی کیونکہ رابطے کا یہی واحد طریقہ تھا

پوسٹ کمانڈر نے اپنا سر پیٹ لیا.....

میجر سود اسے اور وہ اپنے جوانوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ بمشکل وہ پوسٹ تک پہنچے اور بادل نخواستہ ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔

میجر سود کے لئے اس کی آمد کے ساتھ ہی مصائب کا آغاز ہو گیا تھا۔ انہیں دو راتیں دس جوانوں کے لئے موجود اسی پوسٹ پر ۲۰ جوانوں کے ساتھ گزارنا پڑیں جن میں سے تین بیمار تھے.....

دو دن تک ہیلی کاپٹر انہیں لینے نہیں آیا کیونکہ ابھی تک انہیں دوسری طرف سے "سیف سگنل" نہیں ملا تھا۔

پوسٹ کمانڈر کی منت سماجت کے بعد خدا خدا کر کے تیسرے روز ہیلی کاپٹر آیا اور پوسٹ کمانڈر اپنے بیمار اور زخمی جوانوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا تو وہ بستر استعمال کرنے کے قابل ہوئے ورنہ تو انہیں گزشتہ ۴۸ گھنٹوں میں بمشکل ۵ گھنٹے سونا نصیب ہوا۔

○ ○ ○

یہ آغاز تھا.....!

میجر سود کو اس علاقے میں تین ماہ گزارنے تھے۔ یہ تصور ہی اس کے لئے جان لیوا تھا اس نے جیسے تیسے روتے ہنستے یہاں ایک ماہ گزارا اور واپسی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میجر جنرل سالگ رام کا داماد تھا۔

جنرل ہیڈ کوارٹر میں موجود اس کے سسر نے اپنی تمام تر سماجی بروئے کار لا کر اسے قریباً دو ماہ بعد برف کے اس جہنم سے نجات دلائی تھی۔ میجر سود کی خوش قسمتی کہ ماضی قریب میں اس نے جو انٹیلی جنس اور کمانڈو کورس کئے تھے وہ اس کے کام آ گئے اور وہ یہاں بٹواری کیمپ میں ڈیپوٹیشن پر آ گیا۔

بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے کرنل بھاٹیہ کے لئے ایمرجنسی سگنل دیا تھا.....!

کرنل بھاٹیہ اس وقت بٹالین سنٹر کے بڑے ہال کمرے میں اس آرکسٹرا پر ایک لڑکی کے ڈانس کر رہا تھا جو بطور خاص آج کی اہم تقریب کے لئے بلایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد ناچنے گانے کا دور چلا تھا.....

یہاں تمام افسران کی بیگمات اور دوسری خواتین بطور خاص مدعو کی جاتی تھیں۔ ان بلائی ہوئی خواتین میں سے ایک کے ساتھ وہ بھی آرکسٹرا کی بجائی دھنوں پر ناچ رہا تھا۔ ہال میں دوں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے پڑے تھے۔

شراب کے نشے میں دھت تمام چھوٹے بڑے افسران اپنی بیگمات اور مہمان خواتین کے مدہوشی کے عالم میں ناچ رہے تھے جب مجمع کو چیرتا ایک نوجوان کرنل بھاٹیہ تک پہنچا۔

"سر..... سر....."

اس نے دو تین مرتبہ کرنل بھاٹیہ کو مخاطب کرنا چاہا۔

لیکن.....

کرنل بھاٹیہ تو اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے کیپٹن کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی کیا۔ اس کے ساتھ ناچنے والی کی حالت بھی کرنل بھاٹیہ سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

کیپٹن کچھ چڑ سا گیا.....!

اس نے آگے بڑھ کر کرنل بھاٹیہ کا کندھا تھپتھپا کر اسے اپنی طرف مخاطب کیا۔ نوجوان کی اس حرکت پر کرنل بھاٹیہ نے اس کی طرف پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا اور اس سے پہلے کہ اسی کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈے۔ نوجوان کیپٹن جو اتفاق سے نشے کی حالت میں نہیں تھا فوراً گویا ہوا۔

"ایمرجنسی سر!"

"وٹ..... What"

کرنل نے قدرے چیختے ہوئے کہا کیونکہ آرکسٹرا اب پورے زور و شور سے دھنیں بکھیر رہا تھا۔ نوجوان کیپٹن کو نجانے میجر سود نے صورتحال کی سنگینی کا کتنا زیادہ احساس دلا دیا تھا کہ اس نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر اپنا منہ اس کے کان کے نزدیک لے جا کر کہا۔

"سر! بٹواری کیمپ سے ایمرجنسی میسج ہے۔ میجر سود آن لائن۔"

کرنل بھاٹیہ کو زوردار جھٹکا لگا۔

"کم آن....."

اس نے نوجوان کیپٹن کو باہر آنے کے لئے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور کیپٹن کے تعاقب میں چلتا وہ دوسرے ہی لمحے ہال سے باہر تھا۔

This way sir! دس وے سر!

کیپٹن نے وائرلیس روم کی طرف اشارہ کیا۔

بٹالین ہیڈکوارٹر کی دوسری منزل پر واقع وائرلیس روم تک سیڑھیاں اس نے قریباً" بھاگتے ہوئے طے کی تھیں اور اب دونوں ایک کمرے میں کھڑے تھے۔

"بٹواری کیمپ ملاؤ"

وائرلس آپریٹر کو نوجوان کیپٹن نے ہدایت کی جو انہیں دیکھتے ہی احتراماً" کھڑا ہو گیا تھا۔

"یس سر۔"

کہہ کر آپریٹر نے اگلے ہی لمحے لائن ملا دی۔ دوسری طرف میجر سود بھی بے چینی سے اس کال کا منتظر تھا۔

اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بٹواری کیمپ میں گزرنے والی قیامت سے اسے مختصراً" آگاہ کرتے ہوئے اگلی ہدایات طلب کیں۔

"ڈیم اٹ۔"

کرنل بھاٹیہ اتنی زور سے فون پر چلایا کہ کیپٹن اور آپریٹر سہم کر رہ گئے دوسری طرف میجر سود کی بھی شاید یہی حالت ہو گئی ہو گی۔

لیکن.....

اس کا خون ایک لمحے کے لئے ضرور کرنل بھاٹیہ کے اس لہجے پر کھول اٹھا۔ اس صورتحال کا ذمہ دار وہ نہیں تھا۔ اسے تو ڈیوٹی سنبھالے بمشکل چار پانچ دن ہوئے تھے۔ اگر یہاں تخریب کار کیمپ میں بھی دشمن انٹیلی جنس کی کوئی تخریب کاری ہو رہی تھی تو اس کا وہ ذمہ دار نہیں تھا۔ بہرحال یہ ذمہ داری کرنل بھاٹیہ پر عائد ہوتی تھی یا پھر میجر چوہان پر جس سے اس نے چارج لیا تھا۔

تین چار دن میں تو یہ سب کچھ ہونے سے رہا.....!!

بٹواری کیمپ کی تباہی کی خبر نے کرنل بھاٹیہ کا سارا نشہ ہرن کر دیا تھا اور وہ قدرے پریشان بھی دکھائی دینے لگا تھا۔

شاید اسے یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس نے میجر سود کو بے خبری میں ڈانٹ پلا دی ہے جو خود میجر جنرل کا داماد تھا اور سنیارٹی میں بھی قریباً" اس کے برابر ہی تھا۔ اگلے دو تین ماہ وہ لیفٹیننٹ کرنل بننے والا تھا.....

بیک وقت کئی سوچیں اس کے دماغ میں جنم لے رہی تھیں جو اب بیدار ہو چکا تھا۔

"میں آ رہا ہوں۔"

اس نے مختصر سے پیغام دے کر کریڈل نیچے رکھ دیا۔

"اینی پرابلم سر..... Any Problem Sir"

نہ چاہتے ہوئے بھی نوجوان کیپٹن کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔

"نو پرابلم۔"

کرنل نے اس کی طرف مڑ کر خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بے سے باہر آ گیا۔

کیپٹن اس کے تعاقب میں باہر آیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کہیں بریگیڈیئر ملہوترہ نے تو اس کا دھڑن تختہ نہیں کروا دیا.....؟

اچانک ہی ایک سوچ اس کے دماغ میں پیدا ہوئی۔

اور.....

اس کے شکی ذہن نے اس کے حق میں دلائل بھی تلاش کر لئے۔

بٹواری کیمپ کے سیکورٹی سسٹم میں خلا رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہاں ایسی واردات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میجر سود کی دماغی حالت اگر صحیح تھی تو اطلاع کے مطابق اسلحے کا ذخیرہ تباہ ہو چکا تھا۔ فون سنتے ہوئے کرنل بھاٹیہ کو دھماکوں اور چیخ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابھی تک اس نے کسی تخریب کاری کے امکان پر تو غور کرنا مناسب نہیں جانا تھا۔

اس کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ایس ایس بی کے اس اہم تربیتی کیمپ تک دشمن کی رسائی ممکن ہو گی۔ یہاں کے فول پروف نظام میں کسی کا گھر کارے وارد تھا۔ یہاں تو وہ تخریب کار تربیت کے لئے لائے جاتے تھے جنہوں نے پہلے دو کیمپوں میں تربیت حاصل کی ہو اور جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نزدیک قابل اعتماد اگر کوئی نیا لڑکا براہ راست یہاں آتا تھا تو کڑی چھان بین کے مراحل سے گزر کر اسے یہ پڑتا تھا۔

کرنل جو یہاں کے سیکورٹی سسٹم کا ذمہ دار تھا بڑا محتاط اور کایاں آدمی تھا۔ وہ آنے والے ایجنٹ کے ساتھ ایک طویل سفر کر کے اس کی مکمل چھان بین کر کے اور خود ہونے کے بعد ہی اسے بٹواری کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت دیا کرتا تھا۔ ایسی درجنوں موجود تھیں کہ "را" کی طرف سے خصوصی تربیت کے لئے بھیجے گئے تخریب کاروں میں کو کرنل نے راستے ہی میں چھٹی کروا دی تھی۔ اس پر اکثر ایجنسیوں سے ان کی تو تو میں ہوتی رہتی تھی لیکن حتمی فیصلہ بہرحال انہی کا مانا جاتا تھا کیونکہ کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسی کوئی بھی اہلکار اپنے کسی بھی ایجنٹ سے متعلق کوئی بھی ضمانت دینے کو تیار نہیں ہوتا تھ

حالات میں کسی ڈبل ایجنٹ کا وہم بھی ممکن نہیں تھا۔

کرنل بھاٹیہ جانتا تھا کہ کرنل مونگیا نے کسی پر اعتبار کرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا..... وہ ہر کرے میں اپنا ایک جاسوس ضرور رکھا کرتا تھا۔

ہر نئے گروپ میں ایک دوسرے کے علم میں لائے بغیر وہ ایک دوسرے کی جاسوسی پر بیٹوں کو لگا دیا کرتا تھا۔

انسٹرکٹروں کی روزانہ رپورٹس کا وہ خود جائزہ لیتا تھا۔ کیا مجال جو اس نے کسی کیمپ سے متعلق ذیلی رپورٹ نہ پڑھنے کی کوتاہی کی ہو۔ ہر ایجنٹ پر اس کی نظر ہوا کرتی تھی اور وہ اچانک ہی کسی ایجنٹ کو اپنے کمرے میں بلا کر اس کا مکمل نفسیاتی تجزیہ کر لیا کرتا تھا۔ معمولی سا شک گزرنے پر کسی کو مروا دینا یا مار دینا اس کے لئے معمولی بات تھی۔

ایسی بہت کم مثالیں ملتی تھیں کہ اس کیمپ میں تربیت کے لئے آنے والے گروپ کے تخریب کار تربیت مکمل کرنے کے بعد پوری تعداد کے ساتھ باہر نکلے ہوں۔ عموماً" ان میں سے ایک دو کم ہی ہوتے تھے۔

یہ وہ بدقسمت تھے جنہیں معمولی شک پر کرنل مونگیا کے حکم پر مار دیا جاتا تھا۔ ان میں سے اکثر کو باقی ایجنٹوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے انہیں اپنے قابو میں رکھنے کے لئے عموماً" ان کے ساتھیوں کے سامنے بڑی اذیتیں دینے کے بعد ہلاک کیا جاتا تھا۔

کبھی کبھی خوف و ہراس کی فضا بنائے رکھنے کے لئے ایک ایجنٹ کی بلی چڑھا دی جاتی تھی.....!

ان حالات میں اس تخریب کاری کے کیا امکانات رہ جاتے تھے؟

اسی سوچ نے اسے گمراہ کر دیا تھا..... لے دے کے اس کے ذہن میں ایک ہی نام بار بار گردش کر رہا تھا..... یہ ضرور بریگیڈیئر ملہوترہ کا کیا دھرا ہے کیونکہ اب وہ ملہوترہ کے لئے ایک فالتو مسئلہ بنتا جا رہا تھا۔ ملہوترہ نے طویل رخصت ہی اس سے کسی ممکنہ ٹکراؤ سے بچنے کے لئے لی تھی.....

آخر ملہوترہ اس کھیل کا اس سے زیادہ پرانا کھلاڑی تھا اور اس کی غیر موجودگی میں بھی وہاں اس کے وفادار اور نمک خوار موجود تھے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ملہوترہ نے ان ہی کی مدد سے یہ کام کروایا کیونکہ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ پہلے کیسی ہی ہو اب اس کے لئے بھارتی آرمی میں کوئی جگہ باقی نہیں بچی تھی اسے ضرور "ریٹائرمنٹ" پر بھیج دیا جاتا۔

عین ممکن ہے اب بریگیڈیئر ملہوترہ اسے مروانے کی کوشش کرے؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کچھ بھی ممکن تھا۔

اسی سوچ نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ نوجوان کیپٹن سے مخاطب تھا۔

"کرنل کھیر سے رابطہ کراؤ..... جلدی۔"

"یس سر"..... نوجوان کیپٹن کہہ کر قریباً" بھاگتا ہوا دوبارہ ریکریشن ہال کی طرف چلا گیا' کرنل کھیر کو تلاش کرنے اور اسے کرنل بھاٹیہ تک پہنچانے میں بھی اسے انہی مراحل سے گزرنا پڑا تھا جن سے وہ پہلے گزر چکا تھا۔ کرنل کھیر تو شراب کے نشے میں دھت تھا۔

"کیا مصیبت ہے یار..... اس سالے کو کیا ہو گیا۔"

اس نے اپنے کورس میٹ اور بے تکلف ساتھی کرنل بھاٹیہ کے متعلق ایک موٹی سی گالی فضا میں اچھال دی۔

کیپٹن دل ہی دل میں اس مصیبت سے جلد از جلد چھٹکارے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

"یس بھاٹیہ..... یار یہ کوئی سے ہے مجھے بلانے کا.....!"

"ایمرجنسی..... Some thing is wrong"

بھاٹیہ کے بات کرنے کا انداز اتنا سنجیدہ تھا کہ کھیر کو ہی بے بس ہونا پڑا۔

"ہوں ں ں ں ....."

اس نے حسب عادت سر ہلاتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے بھاٹیہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے فوراً" اسکورٹ چاہیے..... یہاں سے بٹواری تک جانا میرے لئے خطرے سے خالی نہیں۔"

اس نے کھیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

کرنل کھیر نے بے چینی سے دریافت کیا۔

اور.....

جواب میں کرنل بھاٹیہ نے اس کو مختصراً" ساری بات بتا دی۔

"اوہ مائی گاڈ..... او مائی گاڈ..... یہ کیسے ممکن ہے....."

بے یقینی کے لہجے میں کرنل کھیر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"یہی تو میرے لئے وجہ پریشانی ہے۔"

اس نے اپنے دوست سے کہا۔

"آل رائیٹ میں بندوبست کرتا ہوں..... ڈونٹ وری (Dont worry)"

کرنل کھیر نے اپنے دوست کی حوصلہ افزائی کی۔

اگلے تین چار منٹ بعد ایس ایس جی (کمانڈوز) کے دس جوان دو جیپوں سمیت اس کی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

"گڈ لک....."

کرنل کھیر نے اسے دم رخصت کیا۔

وہ کرنل بھاٹیہ کو خود رخصت کرنے اس کی جیپ تک آیا تھا۔

○ ○ ○

کمانڈوز نے اس کی جیپ اپنے درمیان رکھی تھی..... ایک جیپ اس کی حفاظت کے لئے اور ایک اس کے پیچھے آ رہی تھی اور ان میں مستعد کمانڈوز کسی بھی ممکنہ صورتحال کا کرنے کے لئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔

شدید بارش منجمد کر دینے والی سردی اور گہرے بادلوں کی وجہ سے انہوں نے یہ فاصلہ سے زیادہ وقت میں طے کیا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو جیپ کیمپ کے گیٹ سے کچھ فاصلہ پر رک گئی اس نے یہاں سے کمانڈوز نصت کر دیا کیونکہ وہ اپنے کسی بھی دشمن کو اپنے اوپر مزید ہنسنے کا موقعہ دینے کے لئے تیار تھا۔

جیپ جیسے ہی دروازے تک پہنچی وہاں موجود سیکورٹی کے بوکھلائے ہوئے جوانوں نے اسے ے میں لے لیا۔

"کیا ہوا؟..... یہ کیا ہو رہا ہے۔"

کرنل بھاٹیہ نے ڈیوڑھی کے تباہ حال دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سر! ابھی تک کچھ پتہ نہیں لگا..... شاید کوئی الیکٹرک شارٹ یا پھر کوئی اور .....؟"

ایک نوجوان لیفٹین نے کہا۔

"کم آن....."

کرنل بھاٹیہ تباہ حال دروازے سے اندر داخل ہو گیا جہاں ڈیرہ دون سے آرمی فائر بریگیڈ وان جو کچھ دیر پہلے ہی یہاں پہنچے تھے۔ اس ڈیوڑھی کی آگ بجھانے میں کوشاں تھے۔ میجر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سود یہاں موجود اور خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا وہ بھاگ بھاگ کر ہر شخص کے پاس جاتا اور اسے ہدایات جاری کر رہا تھا۔

کرنل بھاٹیہ کو اس طرف آتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"سوری سر..... ویری سوری..... ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا....."

اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"بریگیڈیئر صاحب کو اطلاع دے دی؟"

کرنل بھاٹیہ نے اس کی بات کو جواب دینے کی بجائے اپنا سوال داغ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ کل سے بریگیڈیئر ملہوترہ کی چھٹی ختم ہو رہی ہے اور وہ ڈیرہ دون اپنے گھر بھی پہنچ چکا تھا کیونکہ اس نے آج صبح ہی کرنل بھاٹیہ سے فون پر ہیلو ہیلو کی تھی۔.....

"Not yet sir"..... (ابھی نہیں جناب).....

میجر وکرم سود نے کہا۔

"رائیٹ..... بیرکوں کی کیا پوزیشن ہے....."

اس نے سر ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تک تو وہ لوگ Safe ہیں۔"

میجر سود نے جواب دیا۔

"ہوں ں ں ں ..... فوراً" تمام بیرکوں کو گھیرے میں لے لو..... کسی کو کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دینا..... میں یہاں کے معاملات دیکھتا ہوں....."

○ ○ ○

بیرکوں میں ایک طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔

وہاں موجود ہر تخریب کار یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ یہ دھماکے کیسے ہیں؟ لیکن کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر نکل سکے۔ وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ کہیں یہ تباہی ان تک نہ پہنچ جائے کیونکہ اسلحہ ڈپو سے کچھ فاصلے پر موجود بیرک کو تو زمین بوس ہوتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہاں سے ابھی تک زخمیوں کی چیخ و پکار کی آوازیں بھی آتی رہی تھیں۔

اب میڈیکل والوں نے شاید زخمیوں کو نکال کر محفوظ جگہ پہنچا دیا تھا۔

یہ دونوں بیرکیں گو کہ خاصے فاصلے پر تھیں۔

لیکن.....

خوف و ہراس نے یہاں بھی ڈیرے جما لیے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ دیواریں توڑ ل جائیں.....

ابھی ان میں چہ میگوئیاں ہو ہی رہی تھیں جب انہیں اس طرف بڑھتے جوانوں کی قدموں ٹک سنائی دی.....

میجر سود قریباً" پچاس جوانوں کے ساتھ ہاتھ میں میگافون پکڑے وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے موجود مستعد جوانوں نے دونوں بیرکوں کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور میجر سود نے باری دونوں بیرکوں کے سامنے کھڑے ہو کر میگا فون پر تمام لڑکوں کو اطمینان سے اپنے بستروں پر بنے کی ہدایت کی تھی اور حکم دیا تھا کہ جب تک اعلان نہ کیا جائے کوئی اپنے کمرے سے یں نکلے گا۔ بصورت دیگر اس کے جوان باہر آنے والے کو بغیر کسی وارننگ کے گولی سے ں گے۔

تمام تخریب کار سہم کر اپنے بستروں میں دبک گئے تھے۔

الیکٹرسٹی کا نظام تو فیل ہو چکا تھا البتہ انتظامیہ نے ایمرجنسی طور پر اپنے جنریٹرز سے کچھ نہ ندوبست کر لیا تھا۔

○ ○ ○

صبح ہو رہی تھی جب یہ ہنگامہ فرو ہوا.....

اسی دوران بریگیڈیئر ملہوترہ سمیت ڈیرہ دون سے فوج کی دو مزید کمپنیاں یہاں پہنچ چکی ۔ کرنل بھاٹیہ کو بریگیڈیئر ملہوترہ کے عجیب و غریب سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے یوں لگ جیسے ابھی اس کا دماغ غصے سے پھٹ جائے گا اس کے لئے اپنے آپ پر قابو رکھنا ناممکن ہو ا۔

پہلے تو ملہوترہ کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا تھا کیونکہ ملہوترہ نے اس کا ئی سے مصافحہ کرتے ہوئے تین چار طنزیہ فقرے اس انداز میں اس کی طرف اچھالے تھے ہ انڈین آرمی کا نالائق ترین آفیسر ہے اور یہ سب کچھ اسی کا کیا دھرا ہے اور اگر وہ یہاں شاید اس حادثے سے بچ جاتے۔

کرنل بھاٹیہ خاموشی سے سر جھکائے اس کا طنز برداشت کر رہا تھا جب اردلی نے میجر سود لاع دی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"بلاؤ۔"

کرنل بھاٹیہ نے کہا۔

"تخریب کاری ہوئی ہے سر!"

میجر وکرم سود نے اندر داخل ہونے پر دونوں ایڑیاں بجا کر انہیں احترام دینے کے فورا بعد ان کی طرف سے کوئی سوال کیے بغیر کہا۔

"..... What....."

بریگیڈیئر ملہوترہ نے قریباً" چیختے ہوئے کہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو وکرم".....

کرنل بھاٹیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"سر..... میں نے دونوں بیرکوں کی گنتی کی ہے..... کمرہ نمبر ۸ سے دونوں لڑکے سلیم اور طاہر غائب ہیں جبکہ ان کا تیسرا ساتھی مشتاق مردہ حالت میں وہاں موجود ہے..... شاید دونوں لڑ فرار ہونے سے پہلے اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔"

میجر وکرم سود نے مختصر رپورٹ پیش کی۔

"ڈیم اٹ۔"

ملہوترہ کو اس کی بات سن کر اچانک غصہ آ گیا تھا اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی بڑے زور سے اپنے سامنے دھری میز پر ماری تھی.....

"اوہ بھگوان.....؟؟"

بے ساختہ کرنل بھاٹیہ کے منہ سے نکلا۔

"کم آن۔"

ملہوترہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کرنل بھاٹیہ کو پھاڑ کھانے والے لہجے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں وکرم کے تعاقب میں قریباً" بھاگتے ہوئے بیرک کے کمرہ نمبر ۸ تک پہنچے تھے جہاں ایک چارپائی پر مشتاق کی دہشت اور اذیت سے پھٹی مردہ آنکھیں ان کا منہ چڑا رہی تھیں.....

دونوں نے باری باری جھک کر اس کا جائزہ لیا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہے۔

"لڑکوں کے لئے فوراً" بریک فاسٹ کا بندوبست کرو..... خبردار ان سے کوئی بدتمیزی ہونے پائے..... کسی لڑکے سے کوئی انکوائری نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ سیکورٹی والے خود دیکھیں گے۔ کرنل مونگیا تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے..... تم خود لڑکوں کو خیال رکھو..... لیکن

نہیں یہ بتانا کہ بجلی کے سرکٹ شارٹ ہونے سے یہ حادثہ ہوا ہے اور ہاں..... کوئی خود سے جان لے تو الگ بات ہے تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ یہاں کیا ہوا ہے مشتاق کی موت کی خبر یا دونوں لڑکوں کے غائب ہونے کی خبر کسی کو نہیں ملنی چاہیے..... میری بات سمجھ گئے ناں..... کسی کو بھی نہیں۔"

اس نے میجر سود کو براہ راست ہدایات دیں۔

کرنل بھاٹیہ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی.....

ابھی تک ملہوترہ نے اس کی طرف دیکھنے کا بھی تکلف نہیں کیا تھا۔

"ایمبولینس منگواؤ..... اور مشتاق کی لاش یہاں سے لے جاؤ..... مجھے اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کل صبح تک بہرصورت مل جانی چاہیے۔"

اس نے اپنے ساتھ موجود لیفٹین سے کہا۔

اور.....

کچھ مزید ہدایات دینے کے بعد وہ ڈیوڑھی کی طرف واپس لوٹ گیا۔ کرنل بھاٹیہ سر جھکائے اس کے تعاقب میں آ رہا تھا.....

"آئی ایم سوری کرنل لیکن میں ڈسپلن کی ایک لمحے کے لئے نظرانداز نہیں کر سکتا..... انکوائری رپورٹ آنے تک تم اپنے آپ کو Suspend سسپنڈ سمجھو..... البتہ تم انکوائری مکمل ہونے تک ڈیرہ دون سے باہر نہیں جا سکتے....."

افس میں پہنچتے ہی اس نے کرنل بھاٹیہ کے سر پر ٹائم بم چلا دیا۔

کرنل بھاٹیہ کو یوں لگا جیسے کسی نے پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو.....

اس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے.....

آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنی ہزیمت کا اتنی شدت سے احساس ہوا تھا۔

"رائیٹ سر....."

اس نے سنبھل کر ایڑیاں جوڑتے ہوئے ملہوترہ کے حکم پر صاد کیا۔

○ ○ ○

بریگیڈیئر ملہوترہ کو صورتحال سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ ان دو لونڈوں کا کیا دھرا ہے جو کرنل بھاٹیہ کے خصوصی پیشکش تھے.....

اور..... جب کرنل بھاٹیہ کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ سارا کیا دھرا طاہر اور سلیم کا ہے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تو اس نے بے اختیار اپنا سر پیٹ لیا۔

اس نے اپنی فوجی زندگی کی سب سے بڑی غلطی طاہر کو بٹواری کیمپ میں بلا کر کی تھی۔

یہ کچھ اس نے Out of the way کیا تھا۔

آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کیمپ میں براہ راست کسی سمت سے کوئی ایجنٹ بھرتی کر کے بھیج دیا جائے۔ یہاں آنے والے عموماً" اس سے پہلے ایک دو کیمپوں کی یاترا کر کے آتے تھے.....

یہ تو اس کا جنون تھا.....

یا پھر..... بریگیڈیئر ملہوترہ کو نیچا دکھانے کی ضد جس نے اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ اب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں تھا۔

اس نے ساری زندگی بے داغ گزاری تھی.....

لیکن.....

یہ داغ جو اس کے دامن پر لگا تھا اس کی سیاہی اب بریگیڈیئر ملہوترہ اس کے منہ پر ملنے جا رہا تھا.....

کاش اس نے بٹواری کیمپ کے پروٹوکول ہی کا خیال رکھا ہوتا۔ یہاں کے طے شدہ اصول و ضوابط ہی کی پابندی کر لی ہوتی۔

اسے ملنے والی رپورٹس کے مطابق سلیم اور طاہر نے فرار ہونے سے پہلے اپنے ساتھی مشتاق کو گلہ دبا کر مار ڈالا تھا۔

کرنل بھاٹیہ جانتا تھا کہ مشتاق کو انہوں نے اپنے "سورس" کے حیثیت سے ان کے کمرے میں رکھا ہوا تھا اور کمال کی بات تو یہ تھی کہ وہ دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے.....

ان کی تو بات ہی الگ تھی۔ ان کے کسی انٹیلی جنس کو بھی مشتاق کی اصلیت کا علم تھا جس کے ذریعے انہوں نے اپنے ایجنٹ اپنے دشمن کے "نیٹ ورک" میں داخل کئے تھے۔

دل ہی دل میں بے اختیار اس نے اپنے دشمنوں کی منصوبہ بندی پر انہیں خراج تحسین پیش کیا اور اس سوچ نے اسے لرزا کر رکھ دیا کہ نجانے ان کے کتنے ایسے ایجنٹ ہیں جو بے نقاب ہو چکے ہیں اور جن کو بے خبر رکھ کر دشمن انٹیلی جنس ایجنسی استعمال کر رہی ہے۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک اور خدشے نے سر اٹھایا۔

"کہیں کامنی اگروال کو تو ان لوگوں نے قابو نہیں کر لیا؟"

ابھی تک اس کی ملاقات کامنی سے نہیں ہوئی تھی حالانکہ اسے اس وقت کیمپ میں ہونا چاہیے تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ڈیرہ دون چلی گئی ہو۔

اسے یاد آ گیا کہ آج چھٹی کا دن تھا اور کامنی حسب معمول ایک روز پہلے ہی شام کو ں سے کہیں اور چلی جایا کرتی تھی.....

○ ○ ○

یہاں کے بیشتر انسٹرکٹرز کا یہ معمول تھا کہ وہ چھٹی کا دن نزدیکی شہر میں اپنے عزیزوں ے پاس بسر کیا کرتے تھے' وہ اس بات کے پابند تھے کہ اپنی آمد و رفت سے آفس کو مطلع رکھیں ونکہ کسی بھی وقت ان سے رابطہ کی ضرورت پیش آ سکتی تھی.....

"کیا کامنی معمول کے مطابق اپنی اگلی منزل ممکنہ ٹھکانے اور ٹیلی فون نمبر دے کر گئی ے۔" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اور..... بہت سوچنے کے بعد ہی اسے یاد نہ آیا کہ اگلے روز اس نے کسی بھی رجسٹر میں نی سے متعلق کچھ پڑھا ہو.....

ممکن ہے کہ اس نے میجر سود کو اعتماد میں لے کر بتا دیا ہو! کیونکہ وہ کرنل بھاٹیہ کی چہیتی ے اور اس کی طرف سے ایک خاص مشن پر کام کر رہی تھی.....

پروٹوکول کے خلاف کرنل بھاٹیہ نے اس کی ہر ممکن معافیت کی تھی اور اس کی اکثر ومنٹ (Movement) آف دی ریکارڈ سی رکھی جاتی تھی.....

اچانک ہی ایک وسوسے نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

"کہیں کامنی اگروال تو اس کھیل کا حصہ نہیں بن گئی۔".....

اگر ایسا ہو گیا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے کورٹ مارشل سے نہیں بچا سکتی کیونکہ ما نے پوسوال کی مخالفت کے باوجود کامنی اگروال کو طاہر کے "سپیشل کیس" پر لگا دیا تھا۔

اسے یاد آ گیا کہ جب کامنی اگروال کے سپیشل کیس سے متعلق خبر پوسوال کو ملی تو اس ے اس پر سخت ری ایکٹ (React) کیا تھا اور کرنل بھاٹیہ کی طرف سے قائم رہنے کے بعد اپنا تاج ریکارڈ پر لانے کے لئے اس کی فائل پر ریمارکس دیئے تھے.....

کرنل بھاٹیہ یہاں کے اصول و ضوابط کے مطابق اس بات کا پابند تھا کہ وہ پوسوال کے تاج کو ریکارڈ پر لانے کی اجازت دیتا۔ اس کی خدمات کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی.....

اپنے پریشان خیالوں میں گھرا وہ آفس کے دوسرے کمرے میں بیٹھا تھا جب اچانک سامنے دروازہ کھلا اور بریگیڈیئر ملہوترا سیکورٹی کے تین جوانوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

"You are underarrest"..... (اپنے آپ کو گرفتار سمجھو)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے اندر داخل ہوتے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"What کیا؟"

کرنل بھاٹیہ نے بڑے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"یس کرنل بھاٹیہ..... بدقسمتی سے تم گردن تک پھنس چکے ہو..... گردن تک..... تمہاری یعنی بنواری کیمپ سے کل تک کے کیمپ کمانڈر کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ کامنی اگروال ان دونوں کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ ایسا سوچا جا رہا ہے کیونکہ وہ بغیر اطلاع کے غائب ہے اور سب سے بڑی بات کرنل بھاٹیہ کو ابھی چند منٹ پہلے اس علاقے میں کل رات سے مشق پر آنے والی ایس ایس جی (کمانڈو) کے ایک سیکشن کو ایک لاش ملی ہے..... لاش چونکہ کسی فوجی آفیسر کی نظر آ رہی تھی انہوں نے ہمیں اطلاع دینا ضروری سمجھا اور یہاں سے جانے والے تمہارے ساتھیوں نے لاش کو پہچان لیا ہے..... جانتے ہو وہ کس کی لاش ہے؟"

اس نے کرنل بھاٹیہ کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

"بھاٹیہ حیرانگی سے اس کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا....."

"کیپٹن پوسوال کی..... سنا تم نے کیپٹن پوسوال کی لاش اور اس کی موت کا کارن ہے گردن کی ٹوٹی ہوئی ہڈی..... جسم پر تشدد کے نشانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی موت کس طرح ہوئی ہے..... تم سن رہے ہو نا....."

اس نے اسے نفرت اور غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

اور..... کرنل بھاٹیہ کو سانپ سونگھ گیا۔

ملہوترہ کا کہا ایک ایک لفظ ہتھوڑے کی طرح مسلسل اس کے سر پر ضرب لگا رہا تھا اسے اپنے سر کے ساتھ ہی سارے وجود کے تڑخنے کا احساس ہوا.....

یہ احساس ندامت تھا یا احساس شکست..... جو کچھ بھی تھا۔ اس کے لئے بڑی جان لیوا کیفیت بن رہی تھی.....

اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

بریگیڈیئر ملہوترہ کی آواز دور کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی.....

"ڈیم اٹ....."

ملہوترہ نے غصے سے بھرے ہوئے حسب عادت اپنی چھڑی سامنے دھری میز پر زور سے ماری کرنل بھاٹیہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔

"Arrest him ..... گرفتار کر لو اسے۔"

اس نے اپنے گارڈز کو حکم دیا۔

اور.....

باہر نکل گیا۔

○ ○ ○

کرنل بھاٹیہ نے کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنا سرکاری پستول ان کے حوالے کن قدموں سے چل کر باہر کھڑی جیپ تک پہنچا۔

اسے کچھ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

بھگوان جانے اس کے بدن میں اتنی شکتی کہاں سے آ گئی تھی جس نے اسے اٹھا کر کھڑا کھا اور اپنے قدموں پر چلا بھی دیا..... ورنہ کرنل بھاٹیہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اب وہ شاید ساری ندگی کے لئے اس کرسی سے اٹھ کر اپنے قدموں پر نہیں کھڑا ہو سکے گا۔

اپنے دماغ کے ساتھ ساتھ کرنل بھاٹیہ کو اپنے وجود کے مفلوج ہونے کا بھی احساس نے لگا تھا اور وہ یہیں سمجھا تھا کہ شاید اسے اب ہارٹ اٹیک ہی ہو جائے۔

کسی سحر زدہ معمول کی طرح چلتا وہ سامنے کھڑی ملٹری پولیس کی جیپ میں اگلی سیٹ پر بیٹھ با۔

اس کے ساتھیوں نے بہرحال اس کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔

جیپ میں بیٹھنے کے بعد اس نے سوچا کہ جو کچھ بھی ہوا بہت برا تھا لیکن اس میں وہ کس ح شامل سمجھا جا رہا ہے؟ پوسوال کی موت! کامنی اگروال کا غائب ہونا! ان سب باتوں سے فراس کا کیا تعلق ہے.....؟

اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔

اپنے علم کی حد تک اس نے اپنی ڈیوٹی سے کوتاہی نہیں کی۔

اس کا ضمیر مطمئن تھا.....

لیکن..... ملہوترہ نے اسے گرفتار کروا دیا۔

اچانک ہی اس کا خون کھولنے لگا۔

اس نے دل ہی دل میں اپنے کمینے دشمن کو گالیوں سے نوازا۔ اس سوچ نے اسے خاصا طمئن کر دیا تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اور یہ سوچ کر ملہوترہ نے اپنی دشمنی میں آرمی کی عزت کو داؤ پر لگا دیا اسے مضبوط کرنے کے لئے کافی تھی۔

"دیکھوں گا..... دیکھوں گا تمہیں ملہوترہ..... بنا لو مجھ پر کورٹ مارشل اگر تمہیں ننگا نہ کر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دیا تو میرا نام کرنل بھاٹیہ نہیں ہو گا....."

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

شاید اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی تھی کیونکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لیفٹیننٹ نے کہا تھا۔

"اینی پرابلم سر..... Any Problem Sir"

"شٹ اپ"

کرنل بھاٹیہ نے پورے جلال سے کہا اور لیفٹیننٹ خاموش ہو رہا۔

○ ○ ○

کرنل مونگیا یہاں اڑ کر پہنچا تھا.....

اس نے گذشتہ سات ماہ سے کوئی چھٹی نہیں کی تھی۔ اپنی چھٹی والے دن بھی وہ ڈیوٹی پر موجود رہتا کیونکہ وہ یہاں کا سیکورٹی انچارج تھا اور اپنی خصوصی تربیت اور مزاج کی وجہ سے اس مسئلے پر وہ بہت حساس بھی واقع ہوا تھا۔

آج تک اس کیمپ میں ایک بھی ایسا ایجنٹ نہیں آیا تھا جسے سرحد سے وصول کرنے کے بعد وہ خود یہاں تک نہ لایا ہو.....

وہ ہر ایجنٹ کے ساتھ طویل سفر کیپٹن چکرورتی کی حیثیت سے طے کیا کرتا تھا۔

اس کے تجربے نے اسے بتایا تھا کہ سفر کا ساتھ اپنے ہم سفر کی بہت سی خوبیوں اور خامیوں کو آشکار کر دیا کرتا تھا۔

اور..... ایسا ہی ہوا۔

اس نے یہاں موجود ہر زیر تربیت تخریب کار کا مکمل بائیو ڈیٹا اپنے کمپیوٹر میں ریکارڈ کیا ہوا تھا.....

یہ اس کی عادت تھی کہ ایجنٹ کو حاصل کردہ مقام سے کیمپ میں پہنچانے کے بعد وہ اپنے بل بوتے پر اس سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر اس سے متعلق اپنے تمام تر ریمارکس اس کی فائل کے ساتھ اپنے کمپیوٹر کی یادداشت کو منتقل کر دیا کرتا تھا.....

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ان دونوں لڑکوں سے متعلق ابھی تک اسے کوئی شک بھی نہیں ہوا تھا۔

اسے بتایا گیا تھا کہ طاہر براہ راست اس کیمپ میں آ رہا ہے اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا

ن وہ طاہر سے متعلق مطمئن تھا۔

اگر وہ منفی رپورٹ لکھ دیتا تو طاہر کو یہاں گھسنے سے پہلے گولی مار دی جاتی کیونکہ یہاں یہ ا جاتا تھا کہ بٹواری کیمپ کی دیواروں میں ہوا اور دھوپ بھی کرنل مونگیا کی مرضی کے بغیر ل نہیں ہو سکتی.....

روزانہ انسٹرکٹرز کی طرف سے اپنے اپنے زیر تربیت تخریب کار سے متعلق لکھے جانے لے ریمارکس کا وہ بغور جائزہ لینے کے بعد اپنے مطلب کا ہر ریمارکس متعلقہ ایجنٹ سے متعلق نے پاس کمپیوٹر میں موجود معلومات میں شامل کر لیا کرتا تھا۔

اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اگلے روز قریباً" چھ ماہ بعد سہارنپور گیا تھا کیونکہ اس کے جاتے ایک خاندانی مسئلہ کبھی حل نہ ہو پاتا۔

سہارنپور اس نے رات بمشکل قیام کیا تھا اور ایک فوجی ہیلی کاپٹر میں جو ڈیرہ دون آ رہا صبح سات بجے تک پہنچ گیا تھا۔

اس کا تعلق آرمی ایوی ایشن سے تھا اس لئے ہیلی کاپٹر کی سہولت اسے حاصل رہتی ۔ یہاں سے اس نے جیپ کے ذریعے واپس جانا تھا جو وہ اگلے روز یہاں چھوڑ گیا تھا کیونکہ ری کیمپ سے متعلق خبر اسے یہاں ڈیرہ دون میں ملی تھی جب اسے علم ہوا کہ رات کرنل یٹ کو بھی افراتفری میں واپس جانا پڑا اور..... بریگیڈیئر ملہوترہ کے اس سے متعلق سٹینڈنگ رز یہی ہیں کہ جیسے ہی وہ وہاں پہنچے فوراً" رابطہ قائم کرے.....

شاید ان لوگوں کا سہارنپور اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

کرنل مونگیا نے دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی سہارنپور ٹیلی فون ایکسچینج کو دی جس کی ی سے اکثر اس کی بہن کے گھر کا فون خراب رہتا تھا اور اسی فون پر ان لوگوں نے رابطے کی شش کی ہو گی۔

ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے بریگیڈیئر ملہوترہ سے رابطہ کیا۔ اسے حیرانی بھی ہو رہی کہ ملہوترہ کہاں سے آ گیا وہ تو رخصت پر تھا۔

"معاملہ خاصا سیریس لگتا ہے۔"

یہی سوچ کر اس نے لائن ملائی تو دوسری طرف رابطہ ہونے پر ملہوترہ نے مختصر الفاظ میں ٹوٹنے والی قیامت کا احوال سنا دیا۔

"او مائی گاڈ"

فون پر بمشکل یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔

"سر! I am coming"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جیپ وہ خود چلا رہا تھا ڈرائیور کو اس نے پچھلی سیٹ پر بٹھا رکھا تھا اور سارے راستے ڈرائیور "ہنومان چالیسہ" (خوف کی حالت میں پڑھے جانے والے اشلوک) پڑھتا آیا تھا۔

یہاں پہنچنے پر اسے بمشکل یقین آیا تھا کہ وہ زندہ ہے ورنہ تو ہر لمحے اسے موت کا دھڑ لگا رہا تھا۔ وہ خود بڑا سمارٹ ڈرائیور تھا اگر عام قسم کا ہوتا تو کرنل مونگیا اس کی جانے کب کی چھٹی کروا چکا ہوتا۔

لیکن..... رام رام..... اس نے کان چھوتے ہوئے کہا۔

ایسی خطرناک ڈرائیونگ اس نے انگریزی فلموں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس سے پہلا تو وہ فلموں کی اس ڈرائیونگ کو کیمرے کا کمال ہی سمجھا کرتا تھا۔

لیکن..... آج اسے یقین آگیا تھا کہ واقعی ایسا ہوتا بھی ہو گا۔

بریگیڈیئر ملہوترہ سے ساری صورت حال کی بریفنگ لینے میں اسے بمشکل پندرہ بیس منٹ لگے تھے اور دس منٹ اس نے کیمپ کی تباہ کن حالت کا جائزہ لینے میں گزارے تھے۔

اب وہ اگلے اقدام کی تیاری کر رہا تھا۔

تقریباً" آدھا گھنٹہ بعد وہ اپنے پانچ بہترین اور قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ جو سویلین لباس میں تھے۔ وہ گاڑیوں میں کیمپ سے باہر جا رہا تھا۔

ڈیرہ دون سے باہر جانے والی سڑک کے اسی سنگ میل پر جہاں سے دو سڑکیں مختلف سمتوں پر پھوٹتی تھیں وہ رک گئے۔

اپنے پانچوں ساتھیوں کو اس نے ایک گاڑی میں خصوصی ہدایات کے تحت مسوری روانہ کر دیا اور خود وہیں کھڑا رہا۔

جیسے ہی کار اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی دوسری کار میں وہ "پونٹا صاحب" کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کی منزل نامعلوم تھی......

اس کے ساتھیوں اور افسران کو یہیں علم تھا کہ وہ مسوری جا رہا ہے لیکن "پونٹا صاحب کی طرف جانے کا فیصلہ اس نے بؤارتی پر ہی کر لیا تھا۔

یہ الگ بات کہ اسے آخری لمحے تک اسے خفیہ رکھنا تھا۔

یہ اس کی تربیت تھی۔

وہ تو عام حالات میں کسی پر اعتبار یا اعتماد کا قائل نہیں تھا یہ تو خصوصی حالات تھے۔

○ ○ ○

پونٹا صاحب سکھوں کا بڑا گوردوارہ اور مذہبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہاں بھارت کے کونے کونے سے سکھ یاتری آیا کرتے تھے اس لئے سارا سال ہی یہاں میلے کا سماں سا رہتا تھا۔

دونوں کا رخ گردوارے کی طرف تھا۔

کامنی نے اس دوران بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ دراصل بخار اسے نہیں بلکہ طاہر کو چڑھا ہے جب تک کامنی کا ٹمپریچر نارمل نہیں ہو گیا وہ پریشان رہا۔ خدا جانے اس نے کون سے اینٹی بیوٹکس اسے کھلائے تھے جنہوں نے کامنی کی بخار سے جان چھڑا دی تھی.....

لیکن..... کمزوری عود کر آئی تھی۔

"میرا نام ترسیم سنگھ ہے..... اور تم میری نوبیاہتا پتنی کامنی....."

اس نے چلتے چلتے کامنی کے کان میں سرگوشی کی۔

کامنی نے ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا دی۔

اس کی اداس اور جان لیوا مسکراہٹ نے ایک مرتبہ تو طاہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا' وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت کامنی کس ان دیکھی آگ کا ایندھن بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر کون سی جنگ جاری ہے اور کس شدت کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے وہ.....!!

اس کا جی چاہتا تھا کامنی کی اداسی ختم ہو جائے......

وہ چاہتا تھا کہ کامنی کے اندر پھوٹنے والا درد اس کے ساتھ شیئر کرے......

لیکن..... بہت کچھ چاہنے کے باوجود وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا......

اس نے اب تک کامنی سے کتنی ہی مرتبہ پوچھ لیا تھا۔

"کامنی تمہارے دل پر کوئی بوجھ تو نہیں!....."

"تمہارا ضمیر تمہیں ملامت تو نہیں کر رہا......!"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم صرف میرے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہو..... تمہاری اپنی مرضی اس میں شامل نہیں ہے....."

لیکن.....

کامنی نے ہمیشہ اس کی بات ٹال دی......

اس نے طاہر سے تھوڑی دیر پہلے ہی کہا تھا۔

"طاہر..... میں غلامی پسند نہیں کرتی..... خلاف فطرت کوئی شے مجھ پر اثر انداز ہو ہی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نہیں سکتی۔ میں اپنی نیچر میں ایسی ہوں کہ زبردستی کوئی کام نہ میں کر سکتی ہوں نہ کوئی مجھ سے کروا سکتا ہے..... مجھ پر کچھ لاگو یا نافذ نہیں کیا جا سکتا...... تم اسے میری کمزوری ہی سمجھ لو..... لیکن یہ حقیقت ہے..... مجھے تو آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ میں نے تین سال تک یہ نوکری کس طرح کی..... بس میرے لاشعور میں بچپن ہی سے اپنے دھرم اور ریتی رواج کے متعلق جو بات بیٹھ گئی تھی..... ہمیشہ بیٹھی رہی..... میں نے کبھی اپنے دھرم کو اپنے سماج کو..... اس کے ریتی رواج کو دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ میرے پاس کوئی ایسا پیمانہ تو نہیں ہے جس میں ناپ تول کر تم میری بات کا یقین کر سکو...... لیکن یہ خیال بھی کبھی دل میں نہ لانا کہ میں معاشرتی' مذہبی یا کسی اور قسم کے دباؤ کے تحت تمہارے ساتھ جا رہی ہوں..... ایسا میں نے اپنی مرضی سے اور بہت سوچ بچار کے بعد کیا ہے...... اگر کبھی یہ کچھ ثابت کرنے کا وقت آ گیا تو میں تمہیں یہ ثابت کر کے دکھا دوں گی......"

○ ○ ○

طاہر کو کامنی کی ان باتوں سے بہت حوصلہ ہوتا تھا۔ وہ یہ جاننے لگا تھا کہ قدرت شاید ابھی تک اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی کہ اس کے اندر سچائی کے لئے پیدا ہونے والی طلب کہیں وقتی تو نہیں......

اور...... جب وہ اپنے امتحان میں پوری اتری تو قدرت نے اسے طاہر سے ٹکرا دیا......

"میرے خیال سے ہمیں اب اپنا حلیہ تبدیل کر لینا چاہیے"......

اس نے طاہر سے کہا۔

"اوہ ہاں......"

طاہر کہیں اور سوچوں میں گم تھا۔

دونوں نے اپنے گیروی لباسوں سے نجات حاصل کی اور اگلے چند منٹ بعد طاہر نے اس کی مدد سے اپنے سر پر بسنتی رنگ کی پگڑی اس صفائی سے باندھی تھی جیسے وہ نسل در نسل سرداروں کی اولاد رہا ہو......

کامنی اس کی طرف دیکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔

بڑھی ہوئی داڑھی اور پگڑی کے ساتھ اب وہ مکمل سکھ کے روپ میں اس کے سا موجود تھا۔

"اگر تم اپنی داڑھی نہ منڈواؤ اور پگڑی باندھے رکھو تو شاید میرے لئے بھی تمہار نکل ہو جائے۔"

کامنی نے کہا۔

"واقعی....."

طاہر نے اس کی طرف دوپٹہ اور چادر بڑھاتے ہوئے کہا کیونکہ اسے بھی اب ایک سکھ کے روپ میں سفر کرنا تھا۔

اب دونوں نوبیاہتا سکھ میاں بیوی کے روپ میں گردوارے کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں سے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ملک کے مختلف کونوں سے آئے ہوئے سکھ موجود

گردوارے کی سرائے میں کمرہ حاصل کرنا کاردارد تھا کیونکہ یہاں کے کمرے عموماً" یک ے اور یاتری بھی ہوٹلوں کے بجائے یہاں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

"بہت رش ہے یہاں۔ کمرے کا حصول مسئلہ بن جائے گا اور ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب "

چلتے چلتے طاہر نے عندیہ ظاہر کیا۔

"فکر نہیں...... کچھ بندوبست ہو جائے گا۔"

کامنی نے پریقین لہجے میں جواب دیا۔

وہ جانتی تھی ان کا یہاں ایک دو روز رہنا ضروری تھا۔ طاہر کی طرح وہ خود بھی انٹیلی ا تربیت یافتہ تھی۔ وہ جانتی تھی طاہر نے فرار کا سب سے خطرناک حربہ Deception استعمال کیا ہے......

"را" کا "کاؤنٹر سیل" جب ان کے تعاقب میں اردگرد کے شہروں کی خاک چھان رہا ہو یہاں "را" کی عین ناک کے نیچے محفوظ بیٹھے تھے۔

لیکن..... اس کے نتائج مختلف بھی نکل سکتے تھے۔

بہرحال یہ دھوکے کی چال تھی جو طاہر اب تک کامیابی سے چل رہا تھا۔ اب اس کا اور ا مقابلہ تھا جو "ایس ایس جی" کے اسی کیمپ کا سیکورٹی انچارج ہی نہیں بہت سے دیگر یوں کا مالک بھی تھا..... یقیناً" اس نے بھی طاہر کے فرار کو اپنے لئے چیلنج بنا لیا ہو

کامنی اگروال اندازہ کر سکتی تھی کہ طاہر کے ساتھ اس کی موجودگی کا کیا مطلب لیا جائے ہیڈ کوارٹر کو جب یہ خبر پہنچی ہو گی تو وہاں کیا قیامت نہیں آ گئی ہو گی۔

وہ خود پنجابی اچھی طرح نہیں بول سکتی تھی..... لیکن سمجھ سکتی تھی جبکہ طاہر کو پنجابی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بولتے دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ ان ہی میں سے کوئی ہو۔ اس سے پہلے وہ دونوں آپس ہندی اور انگریزی بولتے آئے تھے تب وہ طاہر کو یو پی کا باشندہ سمجھ رہی تھی.....

دل ہی دل میں اس نے طاہر کی تربیت کرنے والوں کو داد دی وہ خود کو بہترین پروفیشنل ثابت کرتا آ رہا تھا۔

دونوں بہت سے دوسرے یاتریوں کی بھیڑ سے گزر رہے تھے جب اچانک ہی ان کے چلتی ہوئی ایک بوڑھی عورت لڑکھڑائی۔

لیکن..... اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتی طاہر نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا اسی ایکشن میں بھیڑ سے نکال کر ایک کونے میں بڑے سے درخت کے نیچے لے آیا.....

بوڑھی عورت کا جوان بیٹا بھی اس کے ساتھ ہی چلتا آیا تھا.....

طاہر نے عورت کو فرش پر لٹا دیا۔ وہ ہوش میں ہی تھی دو تین لمبے لمبے سانس لے اٹھی بیٹھی۔

"دھنواد ویر جی....."

اس کے تعاقب میں آنے والے نوجوان نے کہا۔

"کیا ہوا تھا ماں جی کو....."

طاہر نے سوال کیا۔

"بس چکر سا آ گیا تھا..... میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

بوڑھی عورت نے کہا۔

نوجوان جو اس کا بیٹا تھا اس نے اپنا تعارف نوجوت سنگھ کے نام سے کروایا طاہ اسے اپنا نام ترسیم سنگھ بتایا تھا۔

نوجوان اپنی ماں کے لئے کولڈ ڈرنکس لینے چلا گیا تھا اسی اثناء میں بوڑھی عورت نے کے چہرے پر بزرگی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب طرح کا نور اور بے بسی بھی موجود تھی ان سے باتیں شروع کر دیں۔

طاہر نے اسے پہلے سے تیار شدہ Cover Story سنا دی اور بتایا کہ اس کا والد ام رہنے والا اور ماں بھی پنجاب کی ہے جبکہ وہ سہارنپور (یو پی) میں پیدا ہوا اور ایک بزنس ہے۔

کامنی اگروال کا تعارف اس نے اپنی پتنی (بیوی) کی حیثیت سے کروایا تھا اور بتایا دونوں کی چونکہ محبت کی شادی ہے اور ترسیم سنگھ نے منت مان رکھی تھی کہ اگر ان کی شا گئی تو وہ "پونٹا صاحب" اپنی پتنی کے ساتھ جا کر "متھا ٹیکے" گا اور اب وہ اپنی منت ہی

آئے تھے۔

بوڑھی عورت نے اپنا نام سرداراں بتایا تھا اور طاہر حیران تھا کہ اس نے اپنے نام کے کور" کا لفظ کیوں نہیں لگایا جو تمام سکھ عورتیں لگاتی ہیں پھر وہ خود ہی یہ سوچ کر مطمئن ہ جیسے کامنی اگروال کا تعلق کھتری گھرانے سے ہے اور وہ اسی کی بیوی بن چکی ہے ممکن ہ بھی کوئی ایسا ہی مسئلہ رہا ہو۔

لیکن..... اس کا تجسس بڑھنے لگا تھا۔

اسی اثناء میں نوجوت سنگھ چھ سات ٹن سوفٹ ڈرنکس کے لے آیا تھا اور اس نے دونوں کار کرنے کے باوجود ایک ایک ڈبہ انہیں تھما دیا تھا۔

"ماں جی اپنی بات کی بڑی پکی ہیں..... میں نے کہا تھا کہ صحت ٹھیک ہو لے پھر چلیں گے ....."

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بیٹا اس کا باپ دو ماہ پہلے سورگباش ہو گیا..... کاش وہ زندہ ہوتا تم اسے ملتے تو.... اس ش تھی پونٹا صاحب آنے کی..... میرا من اس کے بعد سے ٹکتا نہیں..... اب آ گئی ہوں رح اس کی آتما کو شانتی تو مل جائے گی....."

اس نے اپنی بات کے خاتمے پر ایک لمبی آہ بھری۔

نوجوت سنگھ بھی کچھ اداس ہو گیا تھا.....

"یہ میرا سب سے چھوٹا پتر ہے..... دو اور وہاں اپنے بزنس میں مصروف رہتے ہیں۔ اسے سے چھٹیاں کروا کے لائی ہوں..... تین چار دن کی بات ہے..... ہم نے اس کے باپ کا صاحب کا بھوگ" رکھنا ہے پھر چلے جائیں گے....."

اس نے کامنی اور طاہر سے کہا۔

طاہر نے محسوس کیا تھا کہ اس بوڑھی عورت میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ ل کی چھٹی حس بار بار اسے چونکا رہی تھی.....

"آیئے سرائے میں چلتے ہیں۔"

نوجوت سنگھ نے کہا۔

"لیکن ہمارے پاس تو ویر جی کمرہ ہی نہیں ہے..... ہم کہاں رہیں گے۔".....

کامنی اگروال نے نوجوت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں پتر..... ہمارے پاس ہے..... ہم نے کل ہی بک کروایا ہے۔ رب بیڑہ لے ان جھوٹے سیوا داروں کا واہگورو کے گھر میں بھی رشوت لے کے کام کرتے ہیں....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http:/ /www.Paksociety.com for More

مجھے تو پتہ نہیں تھا وہ تو اس نوجوت نے جانے انہیں کتنے پیسے دے کر کمرہ لیا ہے۔"

بوڑھی عورت نے کہا۔

"اوہ ماں جی..... آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے۔ چنتا نہ کیا کریں۔ یہ بھارت دیش ہے یہا پیسے سے بھگوان بھی مل جاتا ہے..... آپ کمرے کی بات کرتی ہیں......"

نوجوت سنگھ نے اپنی ماں کا بازو پکڑ کر کہا پھر وہ ان سے مخاطب ہوا۔

"آپ چنتا نہ کریں ویر جی..... ہمارے کمرے میں نو دس آدمی رہ سکتے ہیں..... چارپا میٹرس وہاں فالتو رکھوا لیے تھے میں نے...... کوئی اپنا یار بیلی مل جاتا ہے ناں..... دیکھئے واہگو نے آپ کو ملا دیا۔"

○ ○ ○

دونوں نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اب دونوں ماں بیٹے کے سا چلتے سرائے میں ان کے کمرے تک آ گئے۔

واقعی یہ سرائے کے بہترین کمروں میں سے ایک تھا۔ اٹیچ باتھ روم کے ساتھ بالکل ک فور سٹار ہوٹل کا کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔

طاہر اور کامنی نے اپنے بیگ وہیں رکھ دیئے اور خود ایک کونے میں دھرے گدے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے......

"آپ نے ابھی تک شاید ناشتہ بھی نہیں کیا۔"......

اس نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

طاہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اسے یوں لگا جیسے قدرت کو ان کی حالت پر رحم آ ہے اور نوجوت سنگھ کے روپ میں دراصل ان کے لئے غیبی مدد آئی ہے......

"دراصل میری پتنی کی طبیعت ٹھیک نہیں....."

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن نوجوت سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ویر جی آپ بے فکر ہو جایئے...... آپ سے لنگر خانے میں جانے کے لئے کون کہہ ہے..... لنگر بھی اسی کمرے میں آ جائے گا..... ابھی دیکھئے میرا چمتکار (کمال) ......"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

"واہگورو اس کو لمبی عمر دے...... آپ کا بیٹا بڑا ہونہار ہے......"

کامنی اگروال نے سرداراں سے کہا۔

"واہگورو نے بس یہی ایک سکھ دیا ہے پتر..... ورنہ میں تو ان کے باپ سے پہلے کی مر گئی ہوتی..... اب بھی یہ تینوں مجھے زبردستی زندہ رکھے ہوئے ہیں ورنہ تو اب جینے والی کوئی بات نہیں رہ گئی......"

اس کی آواز خاصی گھمبیر ہو رہی تھی۔

شاید بے چاری اپنے سوگیہ خاوند کو یاد کر رہی تھی......

"ماں جی..... مالک کی لیلا نیاری ہے..... وہی جانتا ہے کسے پہلے اور کسے بعد میں جانا چاہیے..... شاید اس نے آپ کو ہم سے ملانے کے لئے ہی یہاں بھیجا ہے..... میری ماتا جی نہیں ہیں..... بچپن میں فوت ہو گئی تھی...... آپ یہ سمجھیے کہ اب آپ کے تین نہیں چار پتر ہیں..... اور ہاں یہاں سے فارغ ہو کر آپ کو ہمارے ساتھ ہمارے گھر جانا ہوگا۔"......

طاہر نے پانسہ پھینکا۔

بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعائیہ لہجے میں کہا۔

"پتر..... واہگورو تیری لمبی عمر کرے..... تمہاری جوڑی سلامت رہے...... تم پنجاب آؤ تو ضرور میرے غریب خانے پر آنا...... زندگی رہی تو کبھی ہم بھی آ جائیں گے......"

کامنی نے سکھ کا لمبا سانس لیا ورنہ جس خلوص سے طاہر نے اسے دعوت دی تھی اسے خطرہ پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ اپنی یاترا ادھوری چھوڑ کر ان کے ساتھ جانے کے لئے ہی تیار نہ ہو جائے۔

کامنی خاصی کمزوری محسوس کر رہی تھی......

لیکن..... اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اس نے ابھی تک خود کو مضبوط اور قائم رکھا ہوا تھا

وہ نہیں چاہتی تھی کہ طاہر اس کی وجہ سے کوئی پریشانی یا بوجھ محسوس کرے۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب طاہر نے ایک کاغذ پر اپنی نئی ماں کا ایڈریس وغیرہ لکھ چکا تھا وجوت سنگھ ایک سیوادار کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

سیوادار نے اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے پکڑی ہوئی تھی جبکہ دوسری ٹرے نوجوت سنگھ نے ٹھا رکھی تھی اور سارا کمرہ حلوہ پوری کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا۔

"چنگا بابا جی...... برتن یاد سے لے جانا......"

اس نے سیوادار کو دس دس کے دو نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔

"پتر اس کی کیا ضرورت تھی؟"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بوڑھے ٹنگ (سکھوں کی ایک قسم) نے جو یہاں سیوادار بھی تھا دونوں نوٹ اپنے چولے کی لمبی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

یہاں معمول کے مطابق کسی کو کمرے میں لنگر سپلائی نہیں ہوتا تھا البتہ مریض اور بوڑھے مسافر مستثنیٰ تھے۔

اور.... نوجوت سنگھ نے شاید اسی صورتحال کا فائدہ اٹھایا تھا۔ دونوں نے اس تازہ ناشتے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ طاہر نے جلد ہی اندازہ کر لیا تھا کہ کامنی ناشتہ زبردستی کر رہی ہے۔

وہ تو اپنی تربیت کے مطابق آئندہ کے لئے بھی اونٹ کی طرح اپنے معدے میں اناج بند کر رہا تھا جن حالات سے وہ گزر رہے تھے ان میں جانے دوبارہ کیا کھانا نصیب ہو گا جبکہ کامنی بددلی سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"کھا پتر.... تو کیوں نہیں کھاتی۔"

سرداراں نے بھی شاید اسے نوٹ کیا تھا۔

"کھاؤ بھرجائی.... کھاؤ.... بے فکر رہنا یہاں اپنا ہی راج ہے....."

نوجوت سنگھ نے جو طاہر کے مقابلے پر ڈٹا ہوا تھا اپنی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کامنی مسکرا کر رہ گئی.....

اس کی اداس مسکراہٹ نے طاہر کو ایک مرتبہ پھر کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

"دراصل اس کی طبیعت رات سے کچھ خراب ہے.... آپ فکر نہ کریں۔"

○ ○ ○

تھوڑی دیر بعد وہ گوردوارے میں جانے کی تیاری کر رہے تھے.....!!

طاہر نے احتیاطاً" کامنی اگروال کا ٹمپریچر دیکھنا چاہا تھا اور وہ یہ جان کر پھر پریشان ہو گیا تھا کہ کامنی کو بخار آ رہا تھا..... اس حالت میں اسے گوردوارے میں لے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی دانست میں فرار کا وہ راستہ اختیار کیا تھا جس پر کسی کی نظر کم ہی جاتی لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ لوگ اس امکان پر ہی نظر رکھے ہوئے ہوں.....

"ماں جی میری پتنی کی طبیعت خراب ہو رہی ہے..... اسے یہیں چھوڑنا پڑے گا۔ یا پھر نوجوت تو ذرا ہمت کرے پہلے مجھے یہ دوائیاں تو لا دے۔"

اس نے ایک کاغذ پر کچھ گولیاں اور انجکشن لکھ کر دیئے.....

"ویر جی آپ کیا ڈاکٹر بھی ہو.....

اس نے نسخے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا بہت..... میں نے ایم بی بی ایس کے دو سال مکمل کر لئے تھے..... لیکن پھر پڑھائی سے شادی ہو گئی۔"

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال کی بات ہے.... میں ابھی لایا....."

اس نے طاہر کے اپنی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کیا جس میں سو سو کے تین نوٹ تھے.... اور طاہر کے پکارنے پر کان دھرے بغیر باہر چلا گیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں.... میں ٹھیک ہو جاؤں گی....."

کامنی اگروال کو طاہر کی پریشانی کھائے جا رہی تھی.....

"تمہیں ٹھیک ہونا ہو گا کامنی..... میں تمہیں خراب ہونے ہی نہیں دوں گا....."

اس نے کامنی کے سر اپنے زانو پر رکھتے ہوئے اسے دبانا شروع کر دیا.....

"تم بہت قسمت والی ہو بیٹی..... ایسا پتی واہگورو سب کو دے....."

بوڑھی عورت طاہر کے جذبہ خدمت سے بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی۔

"میں قسمت والی ہوں ناں ماں جی....."

کامنی اگروال نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اور..... طاہر کو یوں لگا جیسے کسی نے پوری قوت سے اس کے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔

بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر کامنی کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور طاہر حیران رہ گیا۔

وہ قرآنی آیات پڑھ رہی تھی.....

کامنی کی حیرانی طاہر سے بھی دو چند تھی۔

آہستہ آہستہ کچھ قرآنی آیات پڑھ کر اس نے کامنی پر پھونک ماری اور کہا۔

"رب نے چاہا تو بیٹی تو تھوڑی دیر بعد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

دونوں حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نوٹ کیا کہ جب وہ قرآنی پڑھ رہی تھی تو ایک خاص قسم کی چمک اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی.....

"ماں جی آپ کیا پڑھ رہی تھیں؟"

طاہر نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

"بیٹا میں رب کا کلام پڑھ رہی تھی.... اس کی "بانی" (کلام) کسی بھی زبان میں پڑھو اپنا اثر دکھاتی ہے؟....."

سرداراں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں ابھی تک حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ طاہر کو کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی اور کامنی کو واقعی قدرے اطمینان سے محسوس ہونے لگا تھا۔

ابھی وہ کوئی اگلا سوال کرنے ہی والے تھے جب نوجوت سنگھ دوائیوں کا لفافہ لیے اندر داخل ہوا۔

"آپ شاید میری بات کو عجیب سمجھیں کیونکہ آپ پڑھے لکھے لگتے ہیں لیکن ماں جی سے اگر دم کروا لو تو ضرور آرام آ جائے گا..... ہمارے تو سارے گاؤں میں ماں جی کا دم مشہور ہے..... قرآن شریف پڑھ کر دم کرتی ہیں اور بیماری بھاگ جاتی ہے۔"

اس نے دونوں کی کوئی بات سننے سے پہلے ہی کہا۔

"ہمیں علم ہے....."

کامنی نے آہستہ سے کہا۔

دونوں کے دیکھتے دیکھتے طاہر نے پہلے ایک انجکشن تیار کیا اور اتنی مہارت سے کامنی کو لگایا کہ اسے ایک لمحے کے لئے بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوا......

کامنی کو ہر قدم پر طاہر کا نیا روپ دیکھنے کو مل رہا تھا.....

تین گولیاں اس نے الگ الگ قسم کی کامنی کو کھلائیں اور اسے آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لٹا دیا حالانکہ کامنی ساتھ جانے کو بضد تھی۔

"بیٹی ٹھیک کہتا ہے ترسیم..... تم آرام کرو..... میں بھی یہاں ہوں تمہارے پاس۔ شام کو سکھ منی (سکھوں کی مقدس کتاب گورو گرنتھ صاحب کے ایک اشلوک کا نام ہے) (صاحب کا پاٹھ (تلاوت) کرنا ہے۔ شام کو ارداس (دعا) کر لینا......"

سرداراں نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی......"

کامنی نے طاہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم دونوں چلو..... ابھی "اول" (مسلسل اشلوک پڑھنے کو کہتے ہیں۔) ہو رہا ہو گا۔ میں ۱۲ بجے تک ارداس میں آ جاؤں گی۔....."

بوڑھی عورت نے دونوں سے کہا۔

"اچھا ماں جی"

نوجوت سنگھ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"Take care...... اپنا خیال رکھنا۔"

طاہر کو اپنی پشت پر کامنی کی آواز سنائی دی۔

○ ○ ○

دونوں ایک دوسرے سے بے تکلفی سے باتیں کرتے گوردوارے کی طرف جا رہے تھے۔ گوردوارے کی بڑے دروازے پر انہوں نے اپنی جوتیاں اتار کر ٹوکن حاصل کیا اور ننگے پاؤں اندر آ گئے......

پونا صاحب گوردوارے کے صحن میں دونوں پانی کے تالاب کے عین درمیان بنے اس رستے پر چل رہے تھے جو سنگ مرمر کے پتھروں سے سجایا گیا تھا...... یہاں سینکڑوں یاتری آ جا رہے تھے۔ ان میں سکھوں کے ساتھ ساتھ دوسرے دھرم کے لوگ بھی شامل تھے۔

گوردوارے میں داخل ہونے پر سب سے پہلے نوجوت سنگھ نے نشان صاحب (سکھوں کا مقدس جھنڈا) کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔

وہ چونکہ طاہر کے آگے آگے چل رہا تھا اس لیے طاہر بار بار اس کی طرح پرنام کرنے سے محفوظ رہا۔ البتہ گوردوارے کے مین ہال میں اسے بھی نوجوت سنگھ کی طرح گورو گرنتھ صاحب کے سامنے کچھ پیسے پھینک کر "متھا ٹیکنا" پڑا کہ سوا اس کے چارہ نہیں تھا.....

دونوں اب بڑے ہال میں پہلے سے موجود ہزاروں یاتریوں کے درمیان جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔

گرنتھی باری باری اشلوک پڑھ رہے تھے...... اور طاہر کا ذہن مسلسل نوجوت سنگھ کی ماں جی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس نے قرآن کی جو آیات پڑھیں تھیں۔ تلاوت کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سکھ عورت نہیں......

پھر وہ کون ہے؟

شاید ان بدقسمت مسلمان عورتوں میں سے ایک جو تقسیم ہند پر اغوا کر لی گئی تھیں۔

اسے فی الوقت اپنے سوال کا ایک ہی جواب مل رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ذہن سے یہ سوال جھٹک دیا اب وہ کامنی اگروال سے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں تو کامنی کو بہترین ڈوز دی تھی اور امید بھی تھی کہ اب وہ صحت مند ہو جائے گی۔

لیکن..... ایک سوچ بار بار اسے کچوکے دے رہی تھی کہ کامنی اگروال کے ساتھ کہیں وہ زیادتی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا...... پھر وہ اسے کامنی کی گفتگو اور اس کا لہجہ یاد آتا تو اپنے خیال پر شرمندگی ہوتی کہ اس نے اس عظیم لڑکی سے متعلق ایسا سوچا ہی کیوں ہے؟

وہ تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ عظیم تھی......

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بات کچھ بھی رہی ہو..... اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اپنی مستقبل کی پلاننگ میں وہ اپنے اس منہ بولی ماں کو شامل کر سکتا ہے' اسے امید تھی کہ شاید وہ اس کی کچھ مدد کر سکے۔

یہاں ہر نووارد پہلے سے لگی قطار میں کھڑا ہو جاتا تھا اور اپنی باری آنے پر "گورو گرنتھ صاحب" کو "سس نوائے" (سر جھکانے) کے بعد پھر کسی مناسب جگہ بیٹھ کر کیرتن سننے لگتا.....

کیرتن شروع ہو گیا تھا.....

اپنی پرسوز آوازوں میں ہارمونیم بجاتے ہوئے سردار صاحبان اپنے مذہبی گیت گا رہے تھے۔

دونوں ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں سے "گورو گرنتھ صاحب" کی پالکی دکھائی دے رہی تھی.....

طاہر کبھی کبھی سے آنے والوں کو گورو گرنتھ صاحب کے سامنے سر جھکاتے دیکھنے لگتا۔

اس وقت بھی اس نے غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تھی جب اسے ایک سکھ کے پیچھے قطار میں سر پر بسنتی رنگ کا بڑا سا رومال باندھا کیپٹن چکرورتی کھڑا دکھائی دیا۔

اس نے دو تین مرتبہ آنکھیں جھپکا کر شاید یہ تصدیق کرنا چاہی تھی کہ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟

لیکن.... جلد ہی اسے تصدیق مل گئی کہ یہ خواب نہیں کہ آج کی سب سے تلخ سچائی تھی کہ اس چکرورتی کے ساتھ زیادہ نہیں رہا تھا لیکن وہ زندگی میں ایک مرتبہ اپنے ساتھ ملنے والی کسی بھی اہم شخصیت کی شناخت پر مشکل ہی سے دھوکہ کھاتا تھا۔

"تو تم بالآخر یہاں بھی آ ہی گئے۔"

اس نے لمبی سانس لے کر دل ہی دل میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ "اوداس" شروع ہونے والی تھی۔

گرنتھی کی آواز گوردوارے کے بڑے ہال میں گونج رہی تھی اور چاروں طرف مکمل سکوت طاری تھا پھر اس کی آواز سے آواز ملا کر سب نے گانا شروع کر دیا۔ طاہر کو یہ سب کچھ تو زبانی حفظ نہیں تھا لیکن پھر بھی بہت کچھ یاد ضرور تھا۔

اس نے نوجوت سنگھ کو ایک لمحے کے لئے بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان رسومات سے اجنبی ہے.....

اس دوران اس کی نظریں بے چینی سے چکرورتی کے تعاقب میں لگی رہیں لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا کیونکہ چکرورتی اب بھیڑ کا حصہ بن چکا تھا۔ اس ہال میں ہزاروں لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

ایک کونے میں سکھ عورتیں بیٹھی تھیں جبکہ مرد سارے گوردوارے میں بیٹھے ہوئے تھے ر رش کا یہ عالم تھا کہ یہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔

دونوں نے اوداس کے خاتمے پر بڑی زوردار آواز میں "جے ہرکارہ" بلند کی تھا۔

اب بھیڑ میں کچھ بے چینی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے شاید "کڑاہ پرشاد" تقسیم کیا جا ا تھا۔

بڑے بڑے لوہے کے ڈول جو دیسی گھی کے حلوے سے بھرے تھے سکھ نوجوان سیوادار لے کے ہجوم میں چل رہے تھے۔

اپنے سامنے گزرنے والے کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں پر وہ مٹھی بھر کر گولے کی طرح ہوا حلوہ رکھ دیتے جو بڑی عقیدت سے ہر کوئی کھا رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں ے چٹا گیا اپنا زبان سے چاٹ لیتے تھے کیا مجال جو ایک قطرہ بھی زمین پر گرا ہو۔

ان دونوں نے بھی یہی عمل دہرایا اور ایک دوسرے کے تعاقب میں باہر آ گئے.....

اس دوران طاہر بے چینی سے مجمع کا جائزہ لیتا رہا لیکن چکرورتی اسے کہیں نظر نہیں آیا۔

ں نے دل ہی دل میں حکمت عملی بھی تیار کرنی شروع کر دی تھی.....

اب ایک سوال کا جواب چاہیے تھا کہ کیا چکرورتی یہاں اکیلا ہے؟

ایسا بظاہر تو ممکن تھا لیکن ایسا ہو سکتا تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو مسوری اور ڈیرہ ن کی طرف روانہ کر دیا ہو اور خود کسی ممکنہ امکان کو ذہن میں رکھ کر ادھر آ گیا ہو..... پھر اس نے سوچا چکرورتی کے اکیلے ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟

○ ○ ○

"را" کا اپنا ایک "نیٹ ورک" تھا اور وہ لوگ کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ایسا ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ایک ہونہار آفیسر کو اس طرح کسی غیر ملکی ایجنٹ کے ہاتھوں اغوا ہو کر رحد پار کر جانے دیں.....

طاہر جانتا تھا اب یہ ان کی پریسٹیج سے زیادہ غیرت کا مسئلہ بن چکا تھا جس پر وہ لوگ ئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے.....

"را" نے اپنے ملک کے چپے چپے پر پھیلے نیٹ ورک کو اب تک ان سے متعلق تمام لاعات پہنچا دی ہوں گی اور وہ خود ان کے منتظر ہوں گے۔

ایک بات اس کے لئے باعث اطمینان ضرور تھی اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ سلیم

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بے شک محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا ہو گا۔

اسے گمان گزر رہا تھا کہ سلیم نے یہاں سے فرار کا آسان راستہ تلاش کیا ہو گا اور نیپال کی سرحد عبور کر لی ہو گی۔ اگر وہ سلیم کے ساتھ فرار ہو گیا ہوتا تو اب تک وہ بھی محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

لیکن..... وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔

اس کے لئے بظاہر یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی.....

کامنی اگروال ساری زندگی مسوری میں اس کی منتظر رہتی اور وہ اپنے ملک پہنچ چکا ہوتا۔

اس کی تربیت بھی یہی تھی.....

اسے تو اپنے کام سے مطلب تھا.....

اس کی طرف سے باقی سب کچھ جہنم میں جاتا۔ اس کا کام ہونا چاہیے تھا جو ان دونوں نے کامیابی سے کر لیا تھا.....

لیکن..... بات اس سے آگے چلی گئی تھی۔

اگر کامنی اگروال اور اس کے درمیان کوئی جنسی رشتہ قائم ہوتا تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا..... قدرت نے' حالات نے ان دونوں کے بیچ جسمانی سے زیادہ ایمانی رشتہ قائم کر دیا تھا۔

طاہر جانتا تھا کہ وہ مسلمان کے گھر جنم لینے کی وجہ سے مسلمان ہے لیکن کامنی ہندو گھرانے میں جنم لینے کے باوجود ہندو نہیں تھی.....

اس کے اندر ہمیشہ سچائی کو پا لینے کی جستجو ہمیشہ موجود رہی تھی اور جب اسے موقعہ ملا اس نے اس سچائی پر لبیک کہا۔

طاہر نے سوچا تھا بھاگ جائے! لیکن کسی نادیدہ طاقت نے اسے روک دیا کیونکہ اس کی ایمانی غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ ان حالات میں کامنی اگروال کو دھوکہ نہ دے.....

اس نے یہ بات سلیم سے کہی تھی..... اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیا لائحہ عمل اختیار کرے؟

اور اس کی طرح پروفیشنل ایجنٹ سلیم نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر کہا تھا۔

"طاہر زندگی میں سب کچھ پیشہ ورانہ نقطہ نظر ہی سے نہیں کیا جاتا..... بعض چیزیں ان معاملات ان سے بلند ہوتے ہیں۔ ہماری سوچ سے بھی بلند..... بس ہمیں اپنی وہ شناخت یاد رکھنی چاہیے جو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فخر ہے..... کیا تم یہ چاہو گے کہ یہ فخر تم سے چھن جائے؟....."

"نہیں....."

طاہر نے مضبوط اور دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"پھر جاؤ اور آخری لمحے تک کامنی کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کرو..... اللہ تمہارا ناصر ہو....."

سلیم نے دم رخصت کہا تھا۔

اور..... اس نے ایسا ہی کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"نوجوت سیہاں..... یار تمہاری بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس کے لئے تو لنگر کر ہی میں لے آنا"۔.....

اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"ویر جی بے فکر ہو جاؤ"

نوجوت نے حسب سابق گردن ہلائی۔

دوپہر ہو چکی تھی جب وہ اوداس کر کے باہر نکلے اب انہیں اپنے کمرے کی طرف جانا جہاں نوجوت سنگھ کی ماں بھی اوداس سے واپس آ چکی تھی۔

اس درمیان کامنی گہری نیند سوئی رہی۔ طاہر نے اسے دوا میں نیند آور گولی بھی دے تھی وہ جانتا تھا کہ کامنی کے لئے تین چار گھنٹے کی نیند کتنی ضروری تھی۔

جب دونوں کمرے میں پہنچے تو کامنی کو بیدار ہوئے بمشکل چند منٹ گزرے تھے ابھی سرداراں واپس نہیں لوٹی تھی۔

کامنی پر غنودگی اچانک ہی طاری ہوئی تھی اب آنکھ کھلنے پر اسے احساس ہوا کہ طاہر جان بوجھ کر اسے خواب آور دوا دی تھی تاکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے سو سکے۔ کامنی بیدار تو اس کا بدن پسینے سے شرابور تھا اور بخار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس مرتبہ طاہر کی ہوئی ڈوز بالکل کامیاب رہی تھی اس نے اندازہ لگایا کہ طاہر واقعی مکمل ڈاکٹر تھا۔ اس سے اگر اسے مکمل شفا نہیں ہوئی تھی تو اس میں طاہر کا کوئی قصور نہیں تھا دراصل بے آرامی مستقل بھاگ دوڑ نے دوا کو اپنا مکمل اثر نہیں دکھانے دیا تھا۔

طاہر اور نوجوت کمرے میں داخل ہوئے تو وہ نہانے اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد بال سکھا رہی تھی۔ بال اس کے شانوں پر دھرے تولیے پر بکھرے ہوئے تھے ایک لمحے کے طاہر کے ساتھ نوجوت سنگھ بھی ششدر رہ گیا۔

کامنی اگروال انہیں کسی قدیم مندر کی دیوداسی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے اندر سچائی جسے اب تک جھوٹے بہروپ نے دبا رکھا تھا اب اس کے چہرے پر سج گئی تھی جس سے

ن دوچند ہو گیا تھا۔ دونوں پر اس کی آنکھوں نے ایک جیسا جنوں پھونک دیا تھا۔

"ست سری اکال"۔

نوجوت سنگھ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے پرنام کیا اس کا پرنام کرنے کا انداز پجاریوں جیسا تھا۔

کامنی نے بھی جواب میں "ست سری اکال" کہا تھا۔

"میں ماں جی کو دیکھتا ہوں اور لنگر کا بندوبست بھی کروں"۔

اس کے جلوہ حسن کی تاب نہ لا کر شاید نوجوان نوجوت سنگھ نے وہاں سے ہٹ جانا ہی جانا تھا"۔

"کیسی طبیعت ہے اب"۔

سحر زدہ طاہر نے دریافت کیا۔

"بے فکر رہو..... اب شاید تمہیں مزید ٹرنکلائزر دینے کی ضرورت پیش نہ آئے"۔

کامنی نے بالوں پر لگے پانی کے قطروں کو جھٹکا دے کر گراتے ہوئے کہا۔

"سوری کامنی..... لیکن یہ ضروری تھا"۔

طاہر بھی مسکرا دیا۔

"اور خود تم..... تمہیں کیا نیند کی ضرورت نہیں۔ تم بھی تو گذشتہ دو راتوں سے مصیبت ے ہو..... میں جانتی ہوں تم کتنا سوئے ہو....."

کامنی نے گدے پر دھری چادر کو ٹھیک کرتے ہوئے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"آج شام ڈھلنے پر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے"۔

اس نے اچانک ہی کامنی سے کہا لیکن کرتل مونگیا کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔

"کیوں..... اگر کوئی ایمرجنسی نہیں تو رات یہاں ٹھہر جاتے ہیں۔ طاہر میری بیماری تو قابل ت ہے خدانخواستہ مستقل بھاگ دوڑ نے تمہیں بیمار کر دیا تو میں کیا کروں گی..... مجھے تو ے جتنی دواؤں کا بھی علم نہیں"۔

کامنی نے کہا۔

"بے فکر رہو..... میں بیمار نہیں ہوں گا۔ اور ہوا بھی تو اپنی دوا کا خود بندوبست کر لوں

طاہر نے اس کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔

لیکن..... ایک پھانس سی کامنی کے دل میں اٹک گئی۔ وہ انٹیلی جنس آفیسر تھی اور جانتی طاہر نے اچانک جو پروگرام بدل لیا ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ رہی ہوگی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی بات کرے سرداراں اندر آ گئی.....

"پاؤں پڑتی ہوں ماں جی۔"

کامنی نے سکھ لڑکیوں کی طرح آگے بڑھ کر سرداراں کے پاؤں چھوئے۔

"جیتی رہو..... جوانیاں مانے..... رب تجھے شاد آباد رکھے..... کیا حال ہے تیری صحت کا..... معاف کرنا پتری..... میں تجھے سوتی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

سرداراں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

"پرماتما نے بڑی کرپا کردی ماں جی..... ٹھیک ہوں۔"

کامنی نے کہا اس کے ساتھ ہی دروازے کھلا اور اس مرتبہ نوجوت سنگھ ایک اور سیوادار کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

"لو ماں جی..... بھرجائی جی..... ویر جی لنگر آ گیا۔"

اس نے بڑے مودب ویٹر کی طرح کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔

سیوادار نے اندر داخل ہوتے ہی انہیں "فتح" بلائی تھی جو اب میں طاہر نے خاصی با آواز سے کہا تھا۔

"واہے گورو جی کا خالصہ..... واہے گورو جی کی فتح۔"

"بابا جی گھنٹہ کے بعد برتن لے جانا۔"

نوجوت سنگھ نے سیوادار کی مٹھی گرم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

سیوادار آداب کرتے باہر نکل گیا۔

سب نے اکٹھے لنگر کھایا تھا..... جس کے بعد وہ وہیں لیٹ گئے۔ مسلسل بھاگ دوڑ طاہر پر جلد ہی غنودگی غالب آ گئی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کامنی اور ماں جی کے اصرار کرنے سو گیا.....

○ ○ ○

طاہر کی آنکھ کھلی تو سورج ڈھل رہا تھا۔ نوجوت سنگھ غائب تھا اور کامنی ماں جی ساتھ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی جو شاید نوجوت سنگھ نے اسے کر دیا تھا.....

طاہر قدرے گھبرا کر اٹھا کیونکہ وہ تین گھنٹے مسلسل سوتا رہا تھا۔ ایسا کامنی کی وجہ سے

ن ہوا تھا کیونکہ وہ جاگتی رہی تھی.....

ماں جی کو "فتح" بلا کر اس نے باتھ روم کا رخ کیا اور دوبارہ کپڑے بدل کر دوسری پگڑی ھ لی اور پھر اس نے کامنی کو آنکھ سے مخصوص اشارہ کیا جس کے مطلب سمجھ کر کامنی نے ت میں سر ہلا دیا۔

اور..... ذہن میں طے شدہ پلان کے مطابق اس نے ایک مرتبہ پھر کامنی کا ٹمپریچر چیک نا چاہا۔

"اوہ مائی گاڈ....."

اس نے ٹمپریچر کی طرف دیکھتے ہوئے بظاہر پریشانی سے کہا۔

"کیا ہوا پتر؟"

سرداراں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ماں جی شما کرنا..... من تو نہیں چاہتا پر مجبوری ہے ہمیں آج رات ہی ڈیرہ دون یا وری واپس جانا ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں..... کہیں..... معاملہ زیادہ خراب نہ ہو جائے۔"

طاہر نے کہا۔

اس کی بات سن کر سرداراں کچھ پریشان اور مغموم سی ہو گئی۔

"بیٹا تیری مرضی..... دل تو نہیں چاہتا کہ تمہیں جانے دوں لیکن بیٹی کی مجبوری ہے اچھا ب خیر کرے۔ تم میرے بیٹے کا امرتسر کا فون نمبر لکھ لو..... ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ وہ مجھے دستی امرتسر لے جاتا ہے..... اور وچن دو کہ تم دونوں ضرور ہمارے پاس آؤ گے۔ میرے ھ گاؤں میں آ کر رہنا..... کھلی آب و ہوا سے تمہارا دل بہت خوش ہو گا۔"

سرداراں نے اسے اپنے بیٹے کا امرتسر کا ٹیلی فون نمبر لکھواتے ہوئے کہا۔

"ماں جی میں وعدہ کرتا ہوں اگر زندہ رہے تو اگلے چند دنوں میں آپ کی سیوا میں حاضر ل گے کیونکہ مجھے گورداسپور اپنی موسی جی کے پاس ضرور جانا ہے ورنہ وہ ساری زندگی مجھ سے اض رہے گی۔"

اس نے سرداراں کے بڑے بیٹے سنگت سنگھ کا ٹیلی فون نمبر بھی لکھ لیا جو امرتسر میں س کرتا تھا اور وہیں کسی گاؤں میں اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ قیام پذیر بھی تھا۔

اب انہیں نوجوت سنگھ کا انتظار تھا جس سے ملنے کے بعد وہ یہاں سے رخصت ہوتے۔ وت سنگھ تھوڑی دیر بعد آ گیا۔ ان کے اچانک جانے کی خبر نے اسے بھی مغموم کر دیا لیکن رجائی کی بیماری کا جان کر اسے بھی بادل نخواستہ ان کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔

دم رخصت ان کے ناں ناں کرنے کے باوجود سرداراں نے زبردستی پانچ سو روپے کامنی کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھما دیئے۔

آج سے تم میری بیٹی بن گئی ہو..... یاد رکھنا اور اپنی ماں کو کبھی نہ بھلانا۔"

سرداراں نے رندھے ہوئے گلے سے کہا تو کامنی کا دل بھر آیا۔

اس نے سرداراں کو گلے سے لگا لیا۔

"ماں جی..... ہم بہت جلد ملیں گے..... آپ وشواش رکھیے اور ہمارے لئے "پرارتھنا" (دعا) کیجئے۔"

کامنی نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

نوجوت سنگھ نے اپنی پگڑی طاہر کو دے دی تھی اور طاہر نے اپنی پگڑی اسے۔ اس طرح وہ دونوں "پگڑی بدل بھائی" بن گئے تھے.....

دونوں ماں' بیٹا انہیں باہر اڈے تک چھوڑنے کے لیے بضد تھے' لیکن طاہر نے انہیں زبردستی روک دیا' کیونکہ "شام کی سبھا آرنبھ" ہونے والی تھی اور "گوربانی" کا پاٹھ شروع ہو گیا تھا۔

"آپ نے اکھنڈ صاحب کا بھوگ بھی رکھوایا ہے۔ یہ زیادتی ہو گئی....."

اس نے دونوں سے کہا۔

اور..... دونوں ماں بیٹا نے بادل نخواستہ انہیں رخصت کر دیا۔

دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے یہی حال کامنی کا بھی تھا اور طاہر سوچ رہا تھا کہ کامنی نے اپنی شخصیت پر کتنا کچا خول چڑھایا ہوا تھا جو سچائی کا ایک جھٹکا بھی برداشت نہ کر پایا۔

دہشت گردوں کو تربیت دینے والی "را" کی انسٹرکٹر اور تخریب کاری کے خطرناک ترین سنٹر بٹواری کی سٹاف آفیسر کامنی اگروال اندر سے مکمل مشرقی عورت تھی..... خدا جانے اس نے یہ بہروپ کس طرح خود پر طاری کیا تھا.....

○ ○ ○

شام ڈھل رہی تھی جب وہ دونوں باہر نکلے.....

سرائے سے باہر نکلتے ہی طاہر بے اختیار ہنس دیا۔

"سوگوار چہرے اور فسوں پھونکتی آنکھوں والی کامنی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔"

"خیریت۔"

"میں سوچتا ہوں کامنی کہ تم پر "را" کی تربیت کا کوئی اثر تو ہوا نہیں۔ تم تو بالکل مشرقی یوں کی طرح ایک لڑکی ہو..... اوہ مائی گاڈ..... کیا بہروپ اپنا رکھا تھا تم نے..... بھئی واہ۔"

کامنی سمجھ گئی وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے..... اور جواب میں وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

دونوں پونٹا صاحب کے بھرے پرے بازار میں سے گزر رہے تھے۔ جہاں موجود دکانوں پر لگے ٹیپ ریکارڈز سے اونچی آواز میں "کیرتن" کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید گوردوارے سے براہ راست کیرتن نشر ہو رہا تھا۔

"کامنی..... میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا لیکن تم سے کچھ چھپانا غلط ہو گا..... میں نے کرنل مونگیا کو یہاں گوردوارے میں دیکھا تھا..... فوری طور پر تمہیں بتانا مناسب نہیں جانا اس طرح تم پریشان ہو کر کھانا نہ کھاتیں اور خدانخواستہ تمہاری طبیعت پھر خراب ہو جاتی جو مجھے گوارا نہیں.....!"

اس نے شہر سے باہر نکلنے والے راستہ پر قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو طاہر..... تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو یاد رکھنا کہ میں کبھی اسے ٹھیس نہیں لگنے دوں گی خواہ اپنی جان سے گزرنا پڑے..... اور یہ کبھی نہ بھولنا کہ ہمارا جینا مرنا اب ایک ساتھ ہو گا..... اب تم بھاگنا بھی چاہو تو میں بھاگنے نہیں دوں گی۔"

آخری فقرہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹ اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

بے قرار ہو کر اس نے بے اختیار کامنی کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے دبا دیا۔ شاید یہی ایک طریقہ تھا اس کے لئے اپنے دل میں موجود جذبات کا اظہار کرنے کا.....!!

کامنی احساس تفاخر سے اس کے ہم قدم تھی.....

"میرے خیال سے یہاں سے کسی سواری پر نکلنا مناسب نہیں ہو گا۔"

چلتے چلتے طاہر نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... کیونکہ تم کمانڈ کر رہے ہو۔ اس لئے جیسے تم کہو گے ویسے ہی ہو گا....."

کامنی نے سر تسلیم خم کیا۔

"کامنی..... پلیز مجھے اس چکر میں نہ ڈالو..... میں یہاں پہلے کبھی نہیں آیا۔ واقعی مجھے اس راستے کی سمجھ نہیں ہے....."

طاہر نے اس کے ہاتھ سے بیگ قریباً چھین کر اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا.....!

اب دونوں بیگ اس کے پاس ہی تھے۔

"طاہر کچھ بوجھ تم مجھے اٹھانے دو ناں۔"

کامنی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"بے فکر رہو..... ابھی تمہیں بوجھ اٹھانے کے بہت سے مواقع ملیں گے۔"

طاہر نے جانے کیوں یہ بات کہہ دی۔

کامنی جواب میں مسکرا دی۔

کامنی نے اسے بتایا تھا کہ یہاں سے تین چار کلومیٹر دور ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے جہاں سے پیسنجر ٹرین چندی گڑھ کی طرف جاتی ہے..... انہوں نے فی الوقت ہی منصوبہ بنایا تھا کہ یہاں سے سٹیشن تک پیدل سفر کیا جائے جس کے بعد وہ راستے میں آنے والے کسی بڑے قصبے تک ٹرین سے سفر کریں گے اور اس طرح مختلف سواریوں کے ذریعے یو پی سے ہماچل پردیش کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہریانہ اور پنجاب میں داخل ہو جائیں گے۔

چندی گڑھ کا راستہ یہاں سے خاصا پیچیدہ تھا اس لئے ان کا خیال یہی تھا کہ ممکن ہے وہ اس طرح بھارتی سیکورٹی کی نظر سے بچے رہیں کیونکہ وہ لوگ زیادہ توجہ بڑے شہروں کو جانے والی سڑکوں پر رکھیں گے۔ انہوں نے اس امکان پر بہت کم غور کیا ہو گا۔

دونوں نے اندھیرا غالب ہونے کا انتظار کیا تھا۔

سردیوں کا موسم اور پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب اب یہاں رات کا آغاز ہونے لگا تھا جب دونوں شہر کا لمبا چکر کاٹ کر اس راستے سے نزدیکی ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہوئے جس پر آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہاں دن میں بھی کم لوگ سفر کرتے تھے اب تو رات تھی۔

کامنی خود کو اب مکمل تندرست محسوس کر رہی تھی لیکن طاہر کے بضد ہونے پر اس نے کچھ دوا یہاں بھی نگل لی تھی۔

"اینٹی بائیٹکس میں کم از کم پانچ دن کا کورس پورا کرنا پڑتا ہے..... تم کیا علم طب کو تماشا سمجھتی ہو۔"

طاہر نے کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

بہت دیر بعد اسے ہنستے دیکھ کر طاہر کو ایک گونہ خوشی کا احساس ہوا!

○ ○ ○

اگلے آدھے گھنٹے میں دونوں سٹیشن کے قدرے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

پلیٹ فارم پر لگے دو تین بجلی کے کھمبوں سے لٹکتے زرد بلبوں کی بیمار سی روشنی اندھیروں سے ٹاکم ٹوئیاں مار رہی تھی۔

پلیٹ فارم دور سے بظاہر ویران دکھائی دیتا تھا۔ پلیٹ فارم کے ایک کونے میں یہاں کے خوانچہ فروش کی ریڑھی جس پر اس نے کینوس کا پردہ ڈال کر گویا چوروں سے محفوظ سمجھ لیا تھی جس کے ایک پہیے سے بندھی زنجیر کا دوسرا سرا اس نے پلیٹ فارم کے فرش میں لوہے کے بینچ سے باندھ رکھا تھا۔

"ابھی گاڑی آنے میں شاید دیر ہے..... کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

طاہر نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"ہاں..... میرا بھی یہی خیال ہے۔"

کامنی نے کہا۔

دونوں آہستہ آہستہ سٹیشن کی پشت پر آ رہے تھے جہاں قطار میں لگے درختوں کے جھنڈ اطمینان سے دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہ کر بیٹھ سکتے تھے۔

"ویل کم ٹو ہیل" (جہنم میں خوش آمدید)

اچانک ہی ان کی پشت سے آواز سنائی دی اور گردن گھما کر دیکھنے پر دونوں سن ہو کر رہ گئے۔ سامنے کرنل مونگیا کھڑا تھا..... جس کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا پستول موجود تھا۔

طاہر نے اگلے چند لمحوں میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ حالانکہ یہ صورت حال بالکل غیر متوقع اس باختہ کر دینے والی تھی کیونکہ مونگیا کسی بدروح کی طرح اچانک ہی نازل ہوا تھا۔

"Same to you" (تمہیں بھی.....)۔"

اس نے سنبھل کر کہا۔ زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر سجی تھی۔

"خود کو بہت چالاک سمجھتے تھے کیا؟"

مونگیا نے انہیں گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

کامنی ابھی تک خوفزدہ تھی.....

"کم آن کرنل..... کیا نامردوں کی طرح گالیاں بک رہے ہو۔ تم کر گزرو کیا کرنا چاہتے ہو؟"

طاہر کی آواز میں کڑکتی رعد نے کامنی کو یقین دلا دا تھا کہ مونگیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ

"شٹ اپ..... میں یہاں جھک مارنے نہیں آیا۔ کچھ کرنے ہی آیا ہوں۔"

مونگیا غصے سے کھولنے لگا۔

یہی طاہر چاہتا تھا۔

"کیا کرو گے تم۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

اس مرتبہ کامنی نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

"یو بلڈی ٹریٹر۔"

مونگیا کے منہ سے مغلظات کا طوفان بر آمد ہوا۔

طاہر کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کا ٹینٹوا دبا دے لیکن ایسا صرف سوچا جا سکتا تھا۔ مونگیا کوئی عام قسم کا فوجی آفیسر نہیں تھا۔

کامنی محسوس کر سکتی تھی کہ طاہر بڑے غیر محسوس انداز میں کچھ آگے بڑھ گیا ہے......

"میں اس کتیا کو یہیں گولی مار کر پھینک جاؤں گا۔ اور تم..... تمہارے بدن سے کھال الگ کرنے کے بعد تمہیں تمہارے ملک کی سرحد پر پھینک دیں گے۔ جانوروں کا شکار بننے کے لئے۔"

مونگیا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے..... میرا فیصلہ عدالت کرے گی۔ تم کون ہوتے ہو؟"

کامنی نے طاہر کی پلاننگ کو سمجھتے ہوئے مونگیا کو الجھانا چاہا۔

"شٹ اپ..... بھگوان کا شکر کرنا میں تمہیں یہیں گولی مار کر پھینک جاؤ ں گا۔ اگر زندہ بٹواری تک لے گیا تو میرے کتوں کی خوراک بن جاؤ گی۔"

ایک مرتبہ پھر مونگیا پر گالیوں کا دورہ پڑا۔

"دیکھو چکرورتی یا تم جو کوئی بھی ہو..... میرے جیتے جی تم اسے مار نہیں سکتے..... مرد ہو تو آؤ۔ چلاؤ مجھ پر گولی..... تمہیں بڑا ناز ہے اپنے آپ پر..... آؤ ہم فیصلہ کر لیں......"

طاہر نے اسے برا نگیختہ کرنا چاہا وہ چاہتا تھا کسی بھی طرح کرنل مونگیا اس پر پل پڑے۔

لیکن..... کرنل مونگیا نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"بچا لو اسے......"

شاید اس مرتبہ طاہر کا تیر نشانے پر لگا تھا۔ کیونکہ مونگیا نے پستول سیدھا کرتے ہوئے بالکل فائرنگ پوزیشن لے لی تھی......

کسی بھی لمحے اب گولی کامنی کو لگ سکتی تھی..... طاہر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے چند لمحوں میں کرنا ہے وگرنہ بہت دیر ہو جائے گی۔

"بزدل بے غیرت..... تم اکیلے کیا کم تھے جو اپنے ساتھ ان دونوں کو بھی لے آئے ہو......"

اس نے اچانک ہی اپنا آخری داؤ آزماتے ہوئے مونگیا پر بھرپور نفسیاتی حملے کرتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ سے ایسے اشارہ کیا تھا جیسے اسے مونگیا کے پیچھے دو آدمی دکھائی دیئے ہوں۔

اس کی یہ چال کامیاب رہی......

ایک لمحے کے لئے مونگیا نے گردن گھمائی تھی عین ان لمحات میں طاہر نے اپنے جسم کی اری طاقت مجتمع کر کے اپنی ٹانگوں میں سمیٹی اور زقند بھر کر اس پر حملہ آور ہوا......

لیکن..... مونگیا بھی اناڑی نہیں تھا۔

عین ان ہی لمحات میں اس نے کامنی کی طرف فائر کیا تھا جب طاہر قریباً" مونگیا کے دیک پہنچنے والا تھا۔

مونگیا کے پستول سے نکلی گولی طاہر کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں لگی کیونکہ وہ بھی ہاتھ رنل مونگیا کے پستول والے ہاتھ پر مارنے جا رہا تھا۔

لیکن..... اس کا حملہ بھی خالی نہیں گیا تھا۔

دو عمل اکٹھے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

گولی طاہر کے ہاتھ پر لگی تھی اور اس کی ہوا میں گھومتی ٹانگ مونگیا کے دائیں کندھے پر، تول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور اندھیرے میں جا گرا تھا جس پر وہ تلملاتا ہوا طاہر کی طرف ا۔

طاہر کے حملے نے اسے پاگل ہی کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار گالیاں نکالتا اس پر جھپٹا اور اس زور دار پنچ طاہر کے پیٹ میں لگا جس نے اسے الٹا کر رکھ دیا......

کرنل مونگیا کا واسطہ بھی زندگی میں ایسے سخت جان آدمی سے نہیں پڑا تھا۔ اسے بھی ید تھی کہ کہ اس پنچ کے بعد طاہر جس کے ہاتھ پر گولی لگ چکی ہے زمین سے نہیں اٹھ سکے ۔

لیکن..... وہ تو کسی ہشت پہلو بلا کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا تھا......

کامنی حیرت زدہ اسے دیکھ رہی تھی اسے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ آگے بڑھ کر پستول اٹھا لے۔ اب طاہر کی باری تھی...... وہ اپنے ہاتھ کا تو زیادہ بھرپور استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ لی ہتھیلی سے پار ہو گئی تھی اور درد کی ناقابل برداشت لہر اچانک سارے بازو میں اتر آئی تھی۔

اس مرتبہ اس نے کرنل کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور اتنے قریب سے اچھل کر اس گردن پر دائیں ٹانگ ماری تھی کہ کامنی کے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ کرنل مونگیا لڑکھڑایا نا سنبھل گیا۔

اس نے تیزی سے فضا میں اپنا ہاتھ گھما کر مخصوص سٹائل اپنایا تو طاہر کو ڈیرہ دون کے کیپٹن چکرورتی یاد آ گیا۔

اس مرتبہ وہ انگریزی فلموں کے ہیرو کی طرح اس پر لپکا لیکن طاہر نے وار خالی دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں کے درمیان مزید حملوں کا تبادلہ ہوا تھا جب کامنی کو اچانک ہوش آگیا اوروہ تیزی سے پستول کی طرف لپکی.....

"مونگیا Stop it....." (رک جاؤ)

اس نے مونگیا کی طرف پستول سیدھا کرتے ہوئے اسے وارننگ دی۔

لیکن..... کرنل مونگیا کو طاہر نے شاید پاگل کر دیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے بھی کامنی کی وارننگ کی پرواہ نہیں کی تھی اور گالیاں دیتا اس پر لپکا.....

لیکن..... کامنی بھی "را" کی تربیت یافتہ تھی.....

یکے بعد دیگرے اس نے دو گولیاں کرنل مونگیا پر فائر کیں اور وہ پلٹ کر دور جا گرا۔

"ڈیم اٹ۔"

بے عزتی کے احساس اور غصے سے کھولتی کامنی نے آگے بڑھ کر اس کے سر میں پستول کی ساری میگزین خالی کر دی۔

اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار طاہر سے لپٹ گئی۔

کامنی جانتی تھی اگر طاہر اپنے ہاتھ پر اس گولی کو نہ روکتا تو یہ گولی اس کے دماغ میں گھس جاتی۔ کرنل مونگیا ہوا میں اڑتے پرندے پر نشانہ لگانے کے لئے بنواری کیمپ میں خصوصی شہرت رکھتا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا طاہر.... تم ٹھیک ہو ناں....."

بچوں کی طرح طاہر سے لپٹتے ہوئے وہ کہے جا رہی تھی پھر شاید اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

پستول پھینک کر اس نے طاہر کا ہاتھ دیکھا جس سے خون فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ"..... کہتے ہوئے کامنی نے جھک کر بیگ کھولا اس میں سے اپنا دوپٹہ نکال کر پھاڑا اور اس کے ہاتھ پر اس طرح سختی سے باندھ دیا کہ خون بہنا بند ہو گیا۔

"چلو..... نکلیں یہاں سے....."

قریباً روتے ہوئے اس نے طاہر سے کہا تھا۔

"یہ ضرور یہاں کسی گاڑی پر آیا ہو گا۔"

طاہر نے کہا تھا۔

دونوں بیگ اب کامنی نے اٹھا لیے تھے اور وہ طاہر کے تعاقب میں درختوں کے جھنڈ کے دوسری سمت جا رہی تھی جہاں انہیں ایک درخت کے نیچے ایک پرائیویٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ جس کے دروازے بند تھے۔

"بیگ یہیں رکھ دو..... آؤ میرے ساتھ۔"

طاہر نے کہا اور دونوں دوبارہ کرنل مونگیا کی لاش تک پہنچے۔

"اس کی جیب سے تمام کاغذات' کرنسی' گاڑی کی چابی نکال لو..... ساری جیبیں خالی کر

طاہر نے زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا۔

درد کی اذیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ اس کا خون بہنا بند ہو گیا۔ نے اپنے اوسان مکمل بحال کر لئے تھے اور اپنی تربیت کا بہترین استعمال کر رہی تھی۔ چند میں اس نے کرنل مونگیا کی ساری جیبیں خالی کر دی تھیں۔ اس کا بٹوہ' کارڈ اور چابی اس س تھی.....

"گاڑی میں بیگ رکھو۔"

طاہر نے اس سے کہا اور خود مونگیا کی ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا نزدیکی جھنڈ کی طرف انے لگا جہاں خود رو جھاڑیاں آسمان کو چھو رہی تھیں..... کامنی اس کا مطلب سمجھ گئی تھی ی پلٹی اور دوسری ٹانگ پکڑ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

دو تین منٹ میں انہوں نے مونگیا کی لاش ٹھکانے لگا دی۔ اب کم از کم صبح ہونے سے ش کا انکشاف مشکل تھا۔

طاہر کے لئے درد ناقابل برداشت ہو رہا تھا..... اس نے خود کو نارمل رکھنے میں ساری ا لگا دی تھیں..... لیکن چاند کی ملگجی روشنی میں جب اس کے چہرے پر کامنی کی نظر پڑی تو ں لگا جیسے کسی نے زور سے گھونسہ اس کے دل پر مار دیا ہو.....

"طاہر..... تم ٹھیک تو ہو ناں.....؟"

اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

"بے فکر رہو..... میں ایسی ویسی بیس گولیوں سے مرنے والا نہیں ہوں۔"

طاہر نے اس کے جذبات کا اندازہ کرتے ہوئے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

کامنی کو اچانک ہی جیسے کچھ یاد آگیا۔ اس نے جھک کر بیگ کھولا اس میں سے دو تین درد ختم کرنے والی نکالیں اور دودھ کا بند پیکٹ کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک سبز کیپسول بھی دے دو..... اس طرح تمہارا بدلہ پورا ہو گا..... آخر میں بھی سب کچھ کھلا چکا ہوں۔"

اس کی بذلہ سنجی برقرار تھی.....

کامنی بے اختیار مسکرا دی.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اسی لمحے طاہر اسے دنیا کا سب سے عظیم انسان دکھائی دیا جس کو اپنے زخم سے زیادہ کامنی کی فکر دامنگیر تھی.....

"آگے بیٹھو۔"

کامنی نے طاہر کو بازو سے پکڑ کر اگلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔ طاہر کے بار بار کہنے کے باوجود اس نے ڈرائیونگ خود کرنے کا فیصلہ کیا تھا.....

○ ○ ○

کامنی اب مکمل ہوش و حواس میں تھی وہ جانتی تھی کہ اب طاہر کی ذمہ داری اس پر آ گئی ہے۔ اس طاہر کے لئے فوری طور پر فسٹ ایڈ کا بندوبست کرنا تھا۔

چابی لگانے پر اسے اطمینان ہوا کہ گاڑی کی ٹینکی فل تھی.... تیزی سے کار چلاتی وہ پکی سڑک پر آ گئی۔

"کار پہچانتی ہو.....۔"

اچانک ہی طاہر نے سوال کیا۔

"میں یہی سوچ رہی تھی طاہر..... یہ گاڑی آج تک سیکورٹی سٹاف میں نہیں دیکھی گئی۔ میرے خیال سے کرنل مونگیا کی یہاں موجودگی کا بھی اس کے ساتھیوں کو علم نہیں ہو گا۔ وہ اصل میں کارنامہ دکھانے کے چکر میں مارا گیا..... گاڑی میں ریڈیو وائرلیس نہیں ہے..... جس کا مطلب یہ ہے کہ گاڑی میں اس نے اپنی شناخت اور یہاں موجودگی چھپانے کے لئے پرائیویٹ استعمال کی ہے....."

کامنی نے کہا۔

"اگر صورتحال الٹ رہی ہو۔"

طاہر نے عندیہ ظاہر کیا کیونکہ دونوں کی تربیت یہی تھی کہ تصویر کے دوسرے رخ کو ہرگز نظرانداز نہ کیا جائے۔

"پھر بھی فکر کی بات نہیں..... جب تک مونگیا کی لاش کی شناخت نہ ہو جائے۔ پولیس کے پاس کار کا نمبر نہیں جائے گا..... بہرحال صبح تک ہم محفوظ ہیں..... اور اطمینان رکھو طاہر کامنی کی موت کے بعد ہی اب کوئی تم تک پہنچے گا۔"

کامنی کے لہجے کی صداقت بتا رہی تھی کہ جو وہ کہہ رہی ہے وہ کر گزرے گی۔

"ٹھیک ہے..... اب کیا ارادے ہیں۔"

طاہر نے اس کا موڈ بدلنا چاہا حالانکہ ان گولیوں نے کچھ زیادہ اثر نہیں دکھایا تھا۔

"اب مجھ پر سب کچھ چھوڑ دو..... اور کم از کم ایک گھنٹہ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش .. بس صرف ایک گھنٹہ طاہر..... مجھے کوئی خطرہ مول لیے بغیر تمہارے لیے فسٹ ایڈ کرنی ہے..... میں ان حرام خوروں سے نمٹنا جانتی ہوں..... تم سونے کی کوشش کرو..... گو ممکن نہیں..... لیکن کوشش کرو۔"

اس نے طاہر کی سیٹ کا لیور کھینچ کر اسے زیادہ آرام دہ کر دیا تھا اور خود چوکنی ہو کر سڑک پر نظریں جمائے انتہائی رفتار سے گاڑی چلا رہی تھی۔

○ ○ ○

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ کن انکھیوں سے طاہر کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی جس نے ضمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کے سہارے سے اس طرح اوپر اٹھایا ہوا تھا کہ خون بہنے کے کم سے کم ہو جائیں۔

اس نے بے پناہ قوت برداشت کا مظاہرہ کیا تھا اور کسی نہ کسی طرح صبح کئے بیٹھا تھا لیکن و اس اندھیرے راستے پر جہاں کبھی کبھی صرف سڑک کے دو رویہ لگے درختوں کے جھنڈ د کی روشنی چھن کر آتی تھی اس کا چہرہ ذرا واضح دکھائی دیتا تو وہ چہرے پر آنے والی ی زردی سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ طاہر پر اس وقت کیا گزر رہی ہے.....

طاہر کی حالت دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔

یہ شخص اس کے لئے دیوتا بن گیا تھا..... کس طرح آگے بڑھ کر اس نے کرنل مونگیا کی طرف بڑھتی گولی کو اپنے جسم پر روکا تھا۔

"بے فکر رہو طاہر..... میں بھی تمہیں خود سے پہلے مرنے نہیں دوں گی۔"

اس نے دل ہی دل میں اپنے عزم کو دہرایا۔

سڑک کے دو رویہ کرشنا چور (گل میر) ڈھاک' سنبل اور املتاس کے پیڑ جھکے ہوئے تھے جہ سے سڑک ڈھکی اور رنگ برنگ پھولوں میں پھنسی دکھائی دے رہی تھی کیونکہ سردیوں سے املتاس کے درختوں نے بسنتی پھولوں کے سہرے اپنے ماتھے پر نہیں سجائے تھے لیکن یہاں کرشنا چور سرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

اسے اپنی نانی یاد آ گئی تھی جس نے سارے گھر کو املتاس کے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔

جب کبھی کامنی اگروال گھر جاتی اور اپنی موسی سے وہاں کوئی اور درخت یا پھولوں کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پودے لگانے کی ضد کرتی تو وہ سختی سے اسے روک دیتی۔

"تجھے دھرم کرم سے کیا لینا..... بیٹی جہاں املتاس ہوں وہاں ہن برستا ہے۔ لکشمی ماں کی چھتر چھایا ہو جاتی ہے وہاں....."

اس کی موسی کہتی اور اسے خاموش ہونا پڑتا کیونکہ اپنی موسی سے وہ بحث نہیں کر سکتی تھی جس نے اسے اپنی گود میں اٹھا کر بچپن کی دہلیز پار کروائی تھی۔

ان کے پرانے گھر کی دیواروں کے ساتھ ساتھ املتاس کے درختوں پر جب بہار آتی اور وہ سنہرے ہاروں سے لد جاتے تو ایک ماورائی سا اجالا پھیل جاتا تھا۔

اسے ہنسی آتی تھی جب وہ اپنی ماں اور موسی کو صبح صبح پیتل کے تھالی میں رتنا کلی کے پھول سجائے دودھ اور سندور کی تھال لئے اپنے گھر کے سامنے گلی کی نکڑ میں پیپل کے پرانے درخت کے سامنے جاتے دیکھتی جہاں وہ صبح صبح پوجا کیا کرتی تھی۔

نجانے کیوں یہاں کے درخت دیکھ کر اسے اپنی یاد آ گئی۔

اچانک ہی بے اختیار جیسے طاہر کے منہ سے "سی" کی آواز نکلی اور کامنی کا دل دھک سے رہ گیا۔

کیا ہوا.....؟

اس نے تڑپ کر پوچھا۔ سٹیرنگ پر اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے کپکپا گیا تھا۔

"کچھ نہیں مطمئن رہو۔"

طاہر نے کہا۔

لیکن..... وہ مطمئن کہاں رہ سکتی تھی۔

طاہر نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ لی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر بھی "سی" کی آواز کیوں نکلی ہے۔

کامنی نے اچانک ہی گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تھی ہاتھ بڑھا کر اس نے پچھلی سیٹ پر دھرا اپنا بیگ کھولا اس میں اپنی گرم چادر اور "پیتامبر" (پیلا کپڑا جس پر اشلوک وغیرہ لکھے ہوتے ہیں) نکال لیا۔

"پیتامبر" اس نے طاہر کے گلے میں ڈال دیا تھا اور اس کے سر سے بندھی بندھائی پگڑی اتار کر اس کی سیٹ کے نیچے رکھی تھی کہ دوبارہ آسانی سے وہ اسے سر پر رکھ سکے۔ گرم چادر اس نے طاہر کے جسم پر ڈال دی تھی.....

"طاہر لیٹ جاؤ..... آنکھیں بند کر لو..... بس آدھا گھنٹہ اور ..... صرف آدھا گھنٹہ۔"

اس نے اپنی گھڑی کی سوئیوں پر نظریں ڈالتے ہوئے اس کی سیٹ کا لیور آخر تک دبا

" ساری ٹانگیں پھیلانے کی جگہ بنا دی تھی.....

طاہر نے اس کی طرف دیکھا۔ زخمی مسکراہٹ اچھالی اور نہ چاہتے ہوئے بھی محض اس کا رکھنے کے لئے ٹانگیں پھیلا دیں۔

"آل رائیٹ میڈم۔"

طاہر نے کہا اور کامنی کی آنکھیں چھلک گئیں۔

بے اختیار ہو کر اس نے روتے ہوئے اپنا سر طاہر کے شانے پر رکھ دیا۔

"کامنی اگر تم حوصلہ ہار گئیں تو پھر دونوں مارے جائیں گے۔"

وقت کی نزاکت کا احساس طاہر نے اسے دلا کر دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

کامنی دوسرے ہی لمحے سنبھل چکی تھی۔

"آئی ایم سوری..... آئی ایم سوری۔"

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھیں اپنی قمیض کی آستین سے صاف کرتے ہوئے

دوسرے ہی لمحے اس نے ایکسلیٹر دبا دیا۔ گاڑی ایک مرتبہ پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی

○ ○ ○

سولان اس کی منزل تھی.....

ہماچل پردیش کا یہ سرحدی قصبہ اس کے لئے کبھی اجنبی نہیں رہا تھا یہاں اس کی بچپن دوست ڈاکٹر شیلا اپنے خاوند کے ساتھ پریکٹس کرتی تھی۔

شیلا اس کی واحد رازدار سہیلی تھی جسے علم تھا کہ کامنی اگروال کی کیا نوکری ہے اور کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

شیلا جہاں بھی ہوتی دو تین ماہ بعد کامنی اس سے ملنے وہاں ضرور پہنچ جایا کرتی تھی۔ کی بات تھی کہ اس نے شیلا کو یاد رکھا تھا ورنہ تو اپنے ماضی کے حوالے سے اسے کچھ بھی نہیں لگتا تھا۔ شیلا کو بھی کامنی سے بہت محبت تھی..... اتنی محبت کہ اس نے ڈاکٹر جیکب شادی کی اطلاع صرف اسے دی تھی.....

براہمن گھرانے کی ڈاکٹر شیلا کو ڈاکٹر آئزک جیکب سے ایک سرکاری ہسپتال میں ہاؤس کرتے ہوئے محبت ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے نزدیک آتے گئے۔ اتنے نزدیک کہ ان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے بیچ موجود دھرم اور سماج کی دیواریں ایک ایک کر کے گرتی چلی گئیں.....

اس روز جب وہ چھٹی پر گھر آئی تو شیلا بھی گھر آئی ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق گھر میں داخل ہونے پر اس نے سب سے پہلے ڈاکٹر شیلا سے متعلق دریافت کیا۔

"ہرے رام..... ہرے رام۔"

شیلا کا نام سنتے ہی اس کی ماں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"کلجگ..... گھور کلجگ۔"

اس کی موسی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

اس نے دونوں کو حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا اس کلموئی کا نام نہ لینا..... اس نے تو خاندان کی لٹیا ڈبو دی۔"

اس کی موسی نے حسب عادت سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اوہو موسی کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو..... کچھ منہ سے بولو گی یا یونہی الٹے سیدھے اشلوک الاپتی رہو گی۔"

کامنی نے چڑ کر پوچھا۔

"اری بٹی..... کیا پوچھتی ہے۔ سنا ہے کسی عیسائی ڈاکٹر سے اس کے تعلقات قائم ہو گئے ہیں اور اب وہاں شادی کا تقاضہ کر رہی ہے۔"

اس کی موسی نے کہا۔

"بس..... اس میں کیا قیامت آ گئی..... کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ شادی اس نے کرنی ہے اور مصیبت آپ نے مول لے رکھی ہے۔"

کامنی نے اپنی موسی سے کہا۔

"دیکھ لے شکنتلا دیکھ لے..... دیکھ لے اپنی لاڈلی کے کرتوت۔ پولیس کی نوکری کیا کر لی..... زبان بھی گز بھر لمبی ہو گئی ہے۔"

اس کی ماں نے موسی کو طعنہ دیا کیونکہ کامنی کا اپنی ماں سے کم اور اپنی موسی سے زیادہ تعلق تھا۔

"ارے گھبرا نہیں..... ٹھیک ہو جائے گی۔ میں سوی واچن کر رہی ہوں اس کے لئے ہنومان چالیسہ پڑھ رہی ہوں۔"

موسی نے اس کی ماں کو تسلی دی۔

کامنی اس دوران شیلا کے گھر کی طرف جا چکی تھی جہاں ایک الگ طوفان بدتمیزی

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیلا کی ماں پھٹ پڑی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا..... ابھی تک اس کا باپ مندر کا پروہت ہے اور یہ چلی ایک عیسائی سے شادی کرنے....."

"اوہو..... موسی اس میں کیا برائی ہے۔"

کامنی نے اس کی ماں کو سمجھانا چاہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے..... تو بھی اس کا ساتھ دے رہی ہے..... گویا تم دونوں ہماری ا پر تل گئی ہو....."

ڈاکٹر شیلا کی ماں رو پڑی۔

ڈاکٹر شیلا کا باپ کرشنا مندر کا پجاری تھا۔ ان کا گھرانہ بھی خالص پنڈت گھرانہ تھا۔ اور کے ہاں ایسی کسی بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا جو شیلا کرنے جا رہی تھی.....

"ارے ماں میں نے کہا ناں کہ وہ ہندو دھرم کے مطابق شادی کرنے کے لئے تیار ... اور کیا چاہیے تمہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے اپنی ماں کو تسلی دینی چاہی۔

لیکن..... اس کی ماں نہیں مانی۔

ایک براہمن لڑکی جس کا باپ مندر کا پروہت ہو ایسی کوئی حرکت کرے تو ان کے لئے حاشرے میں زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔

بہت دنگا فساد ہوا۔ شیلا کے بھائی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن خوش قسمتی سے کامنی وجودگی نے اسے بچا لیا۔ ڈاکٹر شیلا کو بادل نخواستہ گھر والوں سے الگ ہو کر ڈاکٹر جیکب سے کرنی پڑی۔ اس نے شملہ میں کورٹ میرج کر لی تھی جس کی اطلاع صرف کامنی کو تھی جو قت دونوں کے ساتھ کورٹ میں موجود تھی.....

ڈاکٹر شیلا کی درخواست پر اس نے ابھی تک اس کا ایڈریس کسی کو نہیں دیا تھا اور اس لدین کو بھی بتایا تھا کہ وہ گذشتہ چھ ماہ سے اس سے نہیں ملی.....

کامنی کو یقین تھا کہ وہ اپنی سہیلی کے پاس محفوظ رہے گی۔

اس نے طاہر کو ڈاکٹر شیلا کا تعارف کروا دیا تھا اور اسے ایک Cover Story بھی سمجھا دی

"او۔کے"

طاہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

سڑک قدرے ویران تھی۔ یہاں اکا دکا کاریں یا ٹرک ہی انہیں راستے میں ملے تھے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اچانک ہی بادل زور سے گڑگڑایا اور بارش شروع ہو گئی۔

یہاں موسم ایسا ہی ہوتا تھا.....

سولان ابھی بیس بائیس کلومیٹر دور تھا اچانک ہی طاہر ہڑبڑا کر سیدھا ہو گیا۔ کیونکہ سڑ
کے عین درمیان انہیں سرخ لائیٹ جلتے دکھائی دے رہی تھی۔

یہ پولیس ناکہ تھا.....

"پولیس۔"

اس نے پریشان نظروں سے کامنی کی طرف دیکھا۔

"ہاں میرے خیال سے پولیس ہی ہے..... تم چپ چاپ اسی پوزیشن میں واپس چلے جا
ہم گاڑی واپس نہیں موڑ سکتے..... میرے خیال سے یہ ان کا معمول کا ناکہ ہے۔ یہاں سڑکو
ڈاکہ زنی ہوتی رہتی ہے..... کوئی خصوصی چیکنگ نہیں..... یہ رکھ لو۔"

کہتے ہوئے کامنی نے ڈیش بورڈ میں دھرا پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ جو طاہر نے ا
ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ کر اسے بالکل فائرنگ پوزیشن میں کرتے ہوئے اپنے اوپر چادر ڈال
اور لیٹ گیا.....!

کامنی نے بڑے اعتماد سے گاڑی روکی تھی۔

ہاتھ میں ٹارچ پکڑے ایک پولیس والا جس نے برساتی اوڑھ رکھی تھی اس کے نزدیک
گیا۔ کامنی نے اپنی سائیڈ کا شیشہ تھوڑا نیچا کر لیا تھا۔

"اپنے انچارج کو بلاؤ۔"

اس نے پولیس والے کو کوئی سوال کرنے سے پہلے انگریزی میں درشت لہجے میں حکم
اور اس نے یوں اثبات میں گردن ہلائی جیسے وہ کامنی کا ملازم ہو۔

خدا جانے اس نے نزدیکی جیپ میں بیٹھے پولیس انسپکٹر سے کیا کہا جو قریباً بھاگتا ہوا کا
کی کار تک آیا تھا۔

"آئی ایم گریوال....."

کامنی نے اپنا سیکورٹی کارڈ اور انٹیلی جنس کا خصوصی نشان اس کی آنکھوں کے سا
لہرایا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"سوری میڈم..... سوری..... اصل میں ہم...."

انسپکٹر کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"اٹ از او۔کے..... کوئی بات نہیں..... ڈیوٹی آفٹر آل ڈیوٹی ہے۔"

کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یس میڈم۔"

انسپکٹر نے اپنی ایڑیاں جوڑتے ہوئے کہا۔

"ہمیں "پنچ دیاس" جانا ہے..... ابھی اور کتنی دیر کا سفر باقی ہے۔"

کامنی نے جان بوجھ کر سولان کے متضاد سمت کے ایک قصبے کا نام لیا تھا۔

"میڈم ابھی دو گھنٹے اور لگیں گے..... ڈونٹ وری..... سڑک بالکل ٹھیک ہے..... آپ
ان بائی پاس سے نکل جائیں..... نئی سڑک بنی ہے..... شہر میں داخل ہونے کی ضرورت ہی
ں۔"

اس نے مستعدی دکھائی۔

"او۔کے تھینک یو..... مسٹر راج۔"

کامنی نے اس کے سینے پر لگی نیم پلیٹ پر نظر ڈال کر کہا۔

اور..... انسپکٹر راج کی گردن پھول گئی۔

اس نے کامنی کو باقاعدہ ایڑیاں بجا کر سلیوٹ مارا۔ انسپکٹر کے عقب میں موجود اس کے
جوانوں نے اس کی تقلید کی تھی..... طاہر منہ پر "پیتامبر" لیے بظاہر گہری نیند سویا رہا۔

○ ○ ○

اگلے پندرہ منٹ میں جب رات کے گہرے اندھیرے نے سولان کو اپنی گرفت میں جکڑا
تھا۔ کامنی کی گاڑی شہر کے ایک کونے میں موجود ماڈرن آبادی سے ذرا ہٹ کر بنے ہسپتال
سامنے رکی گئی۔

یہ ڈاکٹر شیلا اور جیکب کا پرائیویٹ کلینک تھا۔

گھنٹی بجانے پر دروازہ شیلا نے خود ہی کھولا تھا۔

بارش میں بھیگتی کامنی کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیلا بے اختیار آگے بڑھی اور اسے گلے
لگا لیا۔

"پہلے گیٹ کھول باقی باتیں پھر ہوں گی۔"

اس نے کہا اور بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گاڑی اس نے اندر پارک کی تھی اور برآمدے کے نزدیک طاہر کو اتارنے کے بعد اندر
ے تک لائی تھی.....

"شیلا ڈیئر فوراً" ان کی سرجری کا بندوبست کرو..... ایمرجنسی ہے۔ میں گاڑی دوسری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

طرف لگا دوں۔"

اس نے طاہر کو بٹھاتے ہوئے کہا اور حیران و پریشان ڈاکٹر شیلا کو چھوڑ کر گاڑی کو کلینک کی دوسری طرف موجود اس کے گیراج تک لے آئی۔ گیراج میں اس کی پہلے سے موجود گاڑی کے ساتھ اپنی گاڑی پارک کر کے اس نے سامان باہر نکالا اور گیراج کا دروازہ بند کر کے تقریباً بھاگتی ہوئی کلینک میں آ گئی۔

خدا کا شکر تھا کہ وہاں کوئی مریض بھی نہیں تھا۔

شیلا کو اس کی نوکری اور دھندے کا بخوبی علم تھا اور وہ کچھ اندازہ اسے ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے؟ اس نے طاہر کے ہاتھ کے زخم کو دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ گولی لگی ہے۔ لیکن ابھی تک کچھ پوچھے بغیر اپنے کام میں جت گئی تھی......

جب کامنی اندر آئی تو وہ طاہر کا زخم دھو رہی تھی۔

"کیا ہوا تھا؟"

اپنے کام میں مصروف ڈاکٹر شیلا نے پوچھا۔

"گولی لگی ہے یار..... تجھے اپنے سالے دھندے کا علم تو ہے ناں..... بس یہ سمجھ لے تجھ سے ملاقات کا بہانہ بن گیا...... آدھے گھنٹے سے ٹکریں مار رہی ہوں..... پرکاش کو بتا دیا تھا کہ تمہارے متعلق یہ سوچا چلو اس طرح ملاقات کا بہانہ ہی بن جائے گا۔"

اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"بے وقوف آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرنا...... آدھا گھنٹہ پہلے ان کے ہاتھ پر گولی لگی ہے اور تم اب یہاں آئی ہو...... کامنی ابھی تک تمہاری عادتیں نہیں بدلیں..... تم کب سیریس ہو گی۔"

اس نے غور سے طاہر کا زخم دیکھنے کے بعد اپنا کام شروع کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل اس میں کامنی کا قصور نہیں........ میری غلطی ہے....... کچھ معاملہ ایسا ہے کہ ہم دونوں اپنی شناخت نہیں بتا سکتے تھے...... یہ سیکرٹ آپریشن تھا۔ اچانک ہی Encounter ہوا اور مجھے گولی لگ گئی..... کامنی آپ کا ذکر کرتی رہتی ہے میرے ساتھ۔ میں نے ہی اسے مجبور کیا...... دراصل اس نے اتنی تعریف کر دی تھی آپ کی کہ میرا اشتیاق بہت بڑھ گیا تھا.. اور اس نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔"

طاہر نے گفتگو کا رخ بدلنے کے لئے ڈاکٹر شیلا سے کہا اور وہ اس کا آخری فقرہ سن کر بے اختیار مسکرا دی۔

"اس سالی کی یہی باتیں تو مجھے مار ڈالتی ہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے ایک ہاتھ سے کامنی کی کمر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مسٹر...... زخم گہرا ہے...... اگر تین چار دن آرام نہ کیا یا ذرا سی بھی لاپرواہی کی ی زندگی کے لئے میری دوست کی جان کو روتے رہو گے۔ میڈی سن سختی سے لینا..... تمہارا ون نکل گیا ہے..... چاہیے تو یہ تھا کہ تمہیں کم از کم ایک خون کی بوتل لگائی جائے لیکن ہو سنبھل جاؤ گے...... بس احتیاط کرنا...... اور تم بھی.........."

اس نے کامنی کو پھر محبت بھری گالی دیتے ہوئے کہا۔

"جیجا جی کہاں گئے۔"

کامنی نے ڈاکٹر جیکب کے متعلق پوچھا۔

"آج ہی گئے ہیں شملہ..... وہاں کانفرنس ہے ناں...... تین چار دن لگیں گے..... اگر پتہ ہوتا تو شاید یہ کانفرنس پر ہی نہ جاتا...... کامنی ہمارا ہے کون تمہارے سوا..... ایک تم ہ گئی ہو......"

یہ بات کہتے ہوئے ڈاکٹر شیلا کا دل بھر آیا تھا اور آواز بھی بدل رہی تھی۔ طاہر اس کے حسوس کر سکتا تھا۔

"بس..... بس...... اب وحیدہ رحمٰن (انڈین ملکہ جذبات) بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں ل جاتی ہوں...... تیرے پاس اپنے غم بھلانے آئی ہوں اور تو...... کتنی مرتبہ تجھے کہوں نہ ایسے..... میں کیا مرگئی ہوں...... میں اکیلی کیا کم ہوں تیرے لئے...... ارے سالی! میرے ہوئے اگر کسی اور کی گنجائش نکالی تو دیکھ لینا...... یہ تو میری مہربانی سمجھ کہ جیکب کو کچھ ا..... اس کے آگے نہ کہنا کچھ۔"

اس نے کہا۔

اور...... آنسو بھری آنکھوں سے ڈاکٹر شیلا اس سے لپٹ گئی۔ اس نے باقاعدہ رونا شروع تھا۔

طاہر کو اس منظر نے خاصا جذباتی کر دیا تھا۔

اس نے سوچا اگر اس ڈاکٹرنی کو علم ہو جائے کہ اس کی واحد سہیلی بھی اب کبھی اس بن ملنے آ سکے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کو تسلیاں دے کر نارمل کیا۔

طاہر نے اپنے کپڑے بدل لیے تھے۔

ڈاکٹر شیلا نے اسے دو انجکشن لگانے کے بعد گلوکوز لگا کر بستر پر لٹا دیا تھا۔ وہ ان دونوں کو بیڈ روم میں لے آئی تھی..... اور یہ اس کی کامنی کے لئے محبت کی انتہا تھی کہ اس نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

خبر کچھ جانے بوجھے طاہر کو اپنے بیڈ پر لٹا کر ڈرپ لگائی تھی۔

کمرے میں ہیٹر چل رہے تھے اور طاہر پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی..... اسے اب بہت سکون محسوس ہو رہا تھا۔

"ابھی انہیں سونے نہ دینا..... کچھ کھانا ضروری ہے..... میں کچھ بنا کر لاتی ہوں۔"

شیلا نے کامنی سے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

○ ○ ○

"آئی ایم سوری طاہر..... تمہیں فسٹ ایڈ میں دیر ہو گئی لیکن مجبوری تھی۔ راستے میں ایک دو سرکاری ہسپتال تھے..... لیکن میں خطرہ نہیں مول لینا چاہتی تھی..... میں جانتی ہوں طاہر کہ کرنل مونگیا کے اوپر بھی ہمارا ایک "چیک سسٹم" ہے' ڈیرہ دون کی فوجی اہمیت کی وجہ سے یہاں ایجنسیاں آپریٹ کرتی ہیں..... لیکن "را" کو ان میں سے کسی پر اعتبار نہیں..... یوں بھی "را" کا "سی آئی" کاؤنٹر انٹیلی جنس سسٹم بہت مضبوط ہے۔ انہیں جیسے ہی میرے فرار کی خبر ملی ہو گی کہ جتنے قابل ذکر مقامات ہیں ان کی ہر حساس جگہ پر "را"" نے نظریں گاڑی ہوں گی..... طاہر تمہیں بہت تکلیف ہوئی لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ایسی تکلیف خاطر میں لانے والے نہیں ہو..... ہم اب قدرے محفوظ ہیں گو کہ یہ دوسرا صوبہ ہے لیکن کرنل مونگیا اگر پونا صاحب پر نظر رکھ سکتا ہے تو وہ لوگ بھی سولان کے متعلق سوچ سکتے ہیں....."

بات کرتے کرتے رک کر اس نے طاہر کے چہرے کی طرف دیکھا' نقاہت اور کمزوری سے اس کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ۔"

کہتی ہوئی وہ اس پر جھک کر طاہر کے سر اور ماتھے پر ہاتھ پھیرنے لگی جہاں پسینہ کی ننھی ننھی بوندیں اس قہر کی سردی میں بھی چمک رہی تھیں۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں۔"

اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"ہاں..... اب بالکل ٹھیک ہوں۔ کامنی تم گھبراؤ نہیں..... میں اتنی جلدی چھٹی کرنے والا نہیں ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کامنی سے کہا۔

طاہر کی زخمی مسکراہٹ کامنی کی جان لے گئی۔

"طاہر اب ہم جہاں پہنچ چکے ہیں' اس ملک میں میرے لئے سب سے محفوظ قلعہ یہی شیلا میری جگری دوست ہے اور اس کے موجودہ ٹھکانے کا سوائے میرے اور کسی کو علم

"

یہ کہہ کر اس نے مختصر الفاظ میں شیلا کی کہانی بھی سنا دی.....

اچانک ہی دروازہ کھلا اور شیلا ٹرے اٹھائے اندر چلی آئی۔

"بہت کمزوری ہو رہی ہے۔"

کامنی نے شیلا کو طاہر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی اتنا خون بہہ گیا کیا خون بننے سے طاقت آئے گی..... اب مجھے تمہارے ے کا علم تو ہے ہی..... ورنہ اصولی طور پر ڈاکٹر ایسے مریض کا علاج کیوں کرے جس کا جان کر خون بہایا گیا ہو..... اچھا یہ پکڑ۔"

اس نے کامنی کی طرف سوپ کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ شاید وہ طاہر کی حالت کے پیش وپ بنا کر لائی تھی۔

"بھائی صاحب آپ برا مت مانیے گا۔ میں اسے بہت کچھ سنا چکی ہوں۔ اب اس ت کے سوا میرا اور ہے ہی کون؟"

اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

کامنی نے طاہر کو سہارا دے کر پلنگ پر بٹھایا اور اسے سوپ پلانا چاہا۔ لیکن طاہر نے اس سوپ لے کر خود ہی پینا شروع کر دیا۔

سوپ پیتے ہوئے اسے قدرے راحت محسوس ہو رہی تھی۔

کامنی نے خالی برتن ایک طرف رکھ دیئے۔ طاہر کے بار بار کہنے کے باوجود اس نے خود نہیں لیا تھا لیکن طاہر کی اس دھمکی کے بعد کہ پھر وہ بھی کچھ نہیں کھائے گا' اس نے سوپ روع کر دیا تھا۔

شیلا نے طاہر کو درد ختم کرنے کی گولیوں کے ساتھ ایک خواب آور دوا بھی دے دی تھی ب اس کا بلڈ پریشر اور ٹمپریچر چیک کر رہی تھی۔

"ونڈر فل....."

اس نے بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے طاہر کو داد دی پھر کامنی سے مخاطب ہوئی۔

"کچھ ٹمپریچر ہے۔ صبح تک کنٹرول ہو گا۔ میں نے سونے کی دوا دے دی ہے۔ نیند آ تو انہیں جگانا نہیں..... اور ڈرپ بھی ابھی کل تک چلے گی۔"

"او۔کے"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کامنی نے سرہلایا۔

تو کچھ کھا لے..... میں ذرا ان کی "سلائیڈز" دیکھ لوں۔

شیلا جس نے طاہر کا کچھ خون نمونے کے لئے حاصل کیا تھا۔ اپنی دوست کی خاطر خود ہی لیبارٹری میں اس کا خون ٹسٹ کرنے جا رہی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ طاہر کو کوئی انفیکشن نہ ہو گیا ہو۔

پندرہ بیس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

اس دوران طاہر کو نیند آ گئی تھی۔

شیلا کامنی کو اشارے سے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

"کیسا رہا؟"

کامنی نے چھٹتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

"بڑی ہمت والا ہے۔ سالی تو چھوٹا ہاتھ مارنے والی کہاں ہے۔ کمال ہے بھئی۔ تمام رپورٹس بالکل کلیئر ہیں۔ اب کوئی گھبرانے والی بات نہیں۔ زخم تو دو روز ہی میں ٹھیک ہو جائے گا۔ البتہ اسے بھرنے میں چھ سات دن لگیں گے....."

شیلا نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور کامنی بے اختیار مسکرا دی..... مسکراتے ہوئے اچانک ہی اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ شاید اس کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں تھا!

یہ احساس تشکر تھا جو اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔

شیلا اس کے دلی جذبات سمجھ رہی تھی اس نے بے اختیار کامنی کو گلے لگا لیا۔ حیرت انگیز طور پر کامنی نے نارمل ہونے میں پانچ منٹ لگا دیئے تھے۔

شیلا کے لیے یہ اچنبھے کی بات تھی۔ اس کی سہیلی تو بالکل مرد تھی اور خصوصاً" اس نوکری نے اس سے عورتوں والی تمام صلاحیتیں چھین لی تھیں۔

"شیلا..... اس کا نام پرکاش نہیں۔"

اس نے نارمل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے کامنی..... یہ ہندو نوجوان نہیں۔"

ڈاکٹر شیلا کے جواب نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کامنی ڈیئر..... میں آخر کو ایک ڈاکٹر ہوں اور یوں بھی مجھے علم ہے کہ اتنی قوت ت ہم لوگوں میں نہیں ہوتی۔"

شیلا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم ٹھیک سمجھی ہو شیلا....."

یہ کہہ کر اس نے شیلا کو ساری کہانی سنا دی۔

لیکن..... بالکل سچی نہیں، کچھ واقعات بدل کر۔

اس نے طاہر کا تعارف انسپکٹر خان کی حیثیت سے کروایا تھا اور بتایا کہ دونوں کے درمیان رے تعلقات قائم ہو چکے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتے جبکہ ا کے اعلیٰ افسران اور سماج کے لئے یہ ناقابل برداشت ہے اس لئے وہ جان بچا کر بھاگ آئے ں۔ طاہر پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس نے انہیں بھاگنے پر مجبور کیا ہے۔

"ہوں ں ں..... تو یہ بات ہے۔ سالی بڑی باتیں کرتی تھی۔ اب بتا تو بھی پھنسی ہے کہ ں۔"

ڈاکٹر شیلا نے محبت سے اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"شیلا..... تم ٹھیک کہتی ہو..... میں نے زندگی میں کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ بس تو یہ ے لے جس پیشہ سے میرا تعلق تھا اس نے میرے اندر موجود رہی سہی انسانیت کو بھی ختم کر ہے..... لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ اس طرح اتنی بے اختیار ہو جاؤں گی..... شیلا! شاید میں ی اتنی ہمت نہ کر پاتی۔ میرے سامنے تیری مثال نہ ہوتی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے آخری بات کہہ کر ڈاکٹر شیلا پر زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا جس نے شیلا کو چاروں شانے چت کر دیا۔ اس نے ایک لیکچر محبت کے حق میں ہندو سماج کے خلاف دیا اور اسے جذبہ تحسین پیش کرنے کے بعد صبح تک آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی......

یوں تو کامنی پہلے ہی مطمئن تھی۔

لیکن...... شیلا کے رویے نے اس میں زیادہ اعتماد پیدا کر دیا اسے امید تھی کہ اب وہ اس نرک (جہنم) سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

طاہر گہری نیند سو رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر شیلا کی دوا کا اثر تھا۔ کامنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی دانست میں اس کی نبض چیک کی اور مطمئن ہو کر سرہلاتی اس کے بستر کے نزدیک ایک ہی ایک آرام دہ کرسی پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ رہی...... اس نے اپنے پاؤں طاہر کے پلنگ پر رکھے ہوئے تھے۔

کامنی سونا چاہتی تھی...... لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ طاہر کو ابھی تک بخار تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اسے اونگھ سی آئی اور وہ کرسی پر ہولے سے سوگئی.........

طاہر کی آنکھ معمول کے مطابق صبح فجر کی نماز کے وقت کھلی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سرہانے لٹکتی گلوکوز کی بوتل خالی تھی...... کامنی نے اس سے ڈرپ الگ کر دی تھی لیکن اس کے بازو میں سرنج لگی ہوئی تھی۔

طاہر کو کامنی کی حالت کا اندازہ تھا وہ جانتا تھا کامنی صرف جسمانی ہی نہیں روحانی کرب کا بھی شکار ہے خصوصاً اسے گولی لگنے کے بعد سے وہ لاشعوری طور پر خود کو اسی کا ذمہ دار سمجھ کر ناکردہ احساس گناہ کا شکار ہے۔

اسے اس حالت میں لیٹے دیکھ کر طاہر کا دل بھر آیا.........

کرسی میں ٹیڑھی میڑھی سو رہی کامنی کی گردن ایک طرف کرسی کی پشت سے ٹکی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر اس لمحے ایک زمانے کی معصومیت سمٹ آئی تھی۔ طاہر حیران ہو رہا تھا کہ یہی "را" کی انسپکٹر کامنی اگروال ہے؟ اس کے سامنے ایک معصوم اور مظلوم بچی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پھر کسی نادیدہ ہستی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی کہ یہی کامنی کا اصلی روپ ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ بھی تھا وہ اصلیت نہیں تھی وہ تو ایک خول تھا جو حالات اور سماج نے اس کے چہرے پر زبردستی چڑھا رکھا تھا۔ جیسے ہی اسے موقعہ ملا اس نے نقاب نوچ کر پھینک دیا۔

طاہر نے کروٹ بدل کر اندازہ کیا کہ اس کی توانائیاں واپس لوٹ آئی ہیں۔ اپنی دانست

ہ آواز پیدا کئے بغیر اٹھ کر بیٹھا۔

لیکن...... ابھی اس نے مسہری پر بیٹھتے ہوئے بمشکل زمین پر پاؤں رکھے ہی تھے جب ـ کامنی کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا ہوا...... تم ٹھیک تو ہو ناں......"

اس نے بے چینی سے دریافت کیا اور بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا.......

"کامنی میں بالکل ٹھیک ہوں...... لیکن تم کیوں خود کو بیمار کرنے پر تلی ہو۔ چلو اٹھو ں کچھ دیر کے لئے سو جاؤ۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

طاہر میں بالکل آرام سے ہوں۔

کامنی نے اس کی تشویش جان کر کہا۔

لیکن...... اس مرتبہ طاہر نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا اور اسے بادل نخواستہ والے پلنگ پر لیٹنا پڑا۔

طاہر اب باتھ روم کا رخ کر چکا تھا۔ پانچ دس منٹ بعد وہ باہر آیا تو اس کا چہرہ دھلا ہوا ثاید اس نے وضو کیا تھا...... کامنی کی آنکھوں میں نیند کہاں وہ بظاہر آنکھیں بند کئے لیٹی رہی یکن کن اکھیوں سے طاہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس نے کمرہ میں کھڑے ہو کر میز پر رکھی ڑی سے سمت کا اندازہ کرنے کے بعد کرسی پر دھرا کامنی کا دوپٹہ اٹھایا اور اسے ایک ہاتھ مین پر بچھانے کے بعد اسے مصلے کی شکل دے کر نماز پڑھنے لگا۔

کامنی بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی...... نماز پڑھتے ہوئے طاہر کے چہرے پر کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔

کامنی نے اس سے پہلے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا تھا لیکن ایسا سکون اور طمانیت اسے دکھائی پڑی تھی۔ دعا مانگتے ہوئے اس نے طاہر کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ نماز سے ہونے کے بعد اس نے دوپٹہ دوبارہ اپنی جگہ رکھا اور اسی کرسی پر اطمینان سے ٹیک لگا کر جس پر تھوڑی دیر پہلے کامنی بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنا زخمی ہاتھ اس نے سینے پر رکھا ہوا تھا تا ن کا بہاؤ اور دباؤ ہاتھ کی طرف زیادہ نہ ہو۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی حالت میں لیٹی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی........

"مجھے نیند نہیں آ رہی........"

اس نے طاہر کے نزدیک کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوشش کرو کامنی...... ہمیں ابھی بھی جنگ لڑنی ہے۔ خود کو لٹکاؤ نہیں۔ تازہ دم رکھو۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تازہ دم..... تم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ہمارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔"

"طاہر کبھی بھول کر بھی یہ گمان دل میں نہ لانا کہ میری وجہ سے تم پر کوئی مصیبت آئے گی۔ اس سے پہلے میں مرنا پسند کروں گی۔"

اس نے کہا۔

اور..... طاہر سہم کر رہ گیا۔

اوہ میرے خدایا..... یہ تو کیوں ہر وقت مرنے مارنے کی باتیں کرتی رہتی ہو۔

اس نے قدرے غیر سنجیدگی سے کہا تاکہ کامنی کا موڈ بدل جائے۔

کامنی اس کے لئے ناشتہ بنانے چلی گئی تھی اس نے ڈاکٹر شیلا کو جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن کچن میں شیلا اس سے پہلے موجود تھی۔

"شیلا تم اتنی جلدی اٹھ جاتی ہو کیا؟"

اس نے شیلا کو حیرانگی سے دیکھ کر پوچھا۔

ارے کون کمبخت اٹھتا ہے اتنی جلدی آج تو یوں بھی "ویک اینڈ" ہے لیکن تیری خاطر اپنی نیند تو حرام کرنی پڑے گی ناں....."

اس نے کامنی کی طرف دیکھ کر حسب عادت آنکھ دبائی۔

"اچھا! اچھا! زیادہ قربانی دینے کی ضرورت نہیں۔ تم جا کر اپنے مریض کو چیک کرو۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں....."

اچھا..... تیری مرضی۔ میں تو چاہتی تھی اپنے مریض کی تیمارداری تو ہی کرے۔"

شیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور..... کامنی کا جواب سن کر بیڈ روم کی طرف چل دی۔

"ہیلو مسٹر خان..... کیسے ہیں آپ؟"

"اس نے کرسی پر سکون سے بیٹھے طاہر سے کہا۔

"ایک دم شاندار..... آپ کی دوا نے تو کمال کر دیا..... میرے خیال سے کل تک سب اچھا ہو جائے گا۔"

طاہر نے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کامنی اسے بتا گئی تھی کہ اس نے شیلا کو اعتماد میں لے لیا ہے لیکن اس نے شیلا کو اصلی کے بجائے وہ کہانی سنائی تھی جو طاہر نے تیار کی تھی۔

"میری دوا یا آپ کی اس جاسوسہ کی دعا....."

ڈاکٹر شیلا نے سٹیتھسکوپ گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس کا کریڈٹ بھی آپ کو جاتا ہے ڈاکٹر شیلا..... وہ بھی آپ کی دوست ہے..... ایک سے آپ کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی۔ اب تو حادثاتی طور پر آپ کے پاس آ گئے۔ نہ بھی ہوتا تو اگلے تین چار روز میں ہمیں یہاں آنا ہی تھا..... سولان بڑا خوبصورت ہل سٹیشن ہے میں یہاں پہلے آ چکا ہوں۔"

طاہر نے کمال ہوشیاری سے جھوٹ بول دیا۔

"ایک بات کہوں خان بھائی۔"

اس نے سٹیتھسکوپ ایک طرف رکھ کر اس کی جسمانی حالت سے قدرے مطمئن ہو کر

"فرمایئے....."

طاہر ہمہ تن گوش تھا۔

"مجھے علم نہیں کہ آپ میں سے پہل کس کی طرف سے ہوئی تھی لیکن کامنی کا دل جیتنا بھارت جیتنے سے زیادہ بڑا کارنامہ ہے۔ ہمارا بچپن' لڑکپن اور اب جوانی بھی اکٹھے گزرے ..... میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں..... کامنی جب کوئی فیصلہ کر لے تو اس پر آخری دم تک رہتی ہے..... بس اسے اپنے ایک فیصلے پر پچھتاوا ہوا تھا کہ اس نے "را" کی نوکری کیوں کر ..... شاید قدرت نے تم دونوں کا ملاپ ہی اس لئے کروایا ہے کہ اب اسے کامنی کی مزید برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ خان بھائی مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں! کچھ اندازہ نہیں ہو لیکن کہے دیتی ہوں معلوم نہیں زندگی میں اب کب ہمارا ملاپ ہو گا..... ہو گا بھی کہ ..... سوچتی ہوں نہ کہہ سکی تو ایک خلش سی دل میں رہ جائے گی..... خان بھائی..... شاید یقین نہ آئے کہ کامنی اور میں دونوں دھارمک ہندو گھرانوں میں جنم لینے کے باوجود کبھی نہیں بن پائیں..... شاید شروع ہی سے ہم سچائی کی تلاش کے مشن پر تھے..... میں اپنی بات کہتی لیکن کامنی کے متعلق ضرور کہوں گی کہ مر سکتی ہے کبھی اپنا قول نہیں ہار سکتی..... بھائی! ممکن ہے زندگی میں ایسے مواقع آئیں کہ آپ کو کامنی پر غصہ آئے لیکن تب اپنی ن کی خاطر اسے معاف کر دینا....."

ڈاکٹر شیلا نے کہا۔

طاہر اس کے انداز گفتگو اور چہرے کے جذبات سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ ڈاکٹر شیلا کو اپنی سے کتنی محبت ہے اور وہ اس کے لئے کیا کچھ کر گزرے گی۔

"ڈاکٹر شیلا..... میرے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں جس کے ذریعے ناپ تول کر کے میں اپنی اور جذبے کی قوت ثابت کر سکوں..... لیکن ایک بات ضرور ہے کہ میں کامنی اور آپ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا یہ میرا وعدہ ہے....."

اس نے اپنا دایاں ہاتھ ڈاکٹر شیلا کی طرف بڑھا دیا۔

"وش یو آل دی بیسٹ....." Wish you all the best

ڈاکٹر شیلا نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے دبایا اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا نہ ہی اداکاری کر رہا ہے۔

دروازہ کھلا اور کامنی ناشتے کی ٹرے دھکیلتی اندر آ گئی۔

"کیا چل رہا تھا؟"

"ورغلا رہی تھی خان بھائی کو.... لیکن مشکل ہے بھئی....."

شیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

تینوں نے ناشتہ اکٹھے ہی کیا تھا۔

ڈاکٹر شیلا نے انہیں بتایا تھا کہ تن چار دن تک ڈاکٹر آئزک نہیں آ سکتے اور وہ اکیلی اپنے دو تین ماتحتوں کے ساتھ کلینک چلا رہی ہے۔

طاہر نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ پرائیویٹ قسم کا چھوٹا سا ہسپتال تھا جسے دونوں میاں بیوی مل کر چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر ماہر سرجن تھا اور شیلا بہت اچھی فزیشن بھی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ آج یہاں کوئی موجود نہیں ورنہ یہاں عموماً" دو تین مریض ضرور زیر علاج رہا کرتے تھے۔ دونوں نے سرکاری نوکری پر اسے ترجیح دی تھی البتہ ڈاکٹر ابھی تک سرکاری ہسپتال سے وابستہ تھے اور اسی سلسلے میں شملہ گئے ہوئے تھے۔

"مجھے اب کلینک میں جانا ہے۔ یہاں گھر کے اس حصے میں کوئی ٹریفک نہیں ہوتی۔ تم جانتی ہو نوکر رکھنا ہم دونوں پسند نہیں کرتے اس لئے اطمینان سے یہاں جب تک رہنا چاہتے ہو رہو..... مجھے کہنا تو نہیں چاہیے لیکن کہے دیتی ہوں کہ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا اس کی ہر شے پر تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا میرا یا آئزک کا....."

○ ○ ○

کامنی نے استفسارانہ نظروں سے طاہر کی طرف دیکھا شاید اگلا پروگرام جاننا چاہتی تھی.....

"میرے خیال سے ہمیں جلدی نکل جانا چاہیے کہیں ہماری وجہ سے ڈاکٹر شیلا پر....."

"نہیں طاہر....."

کامنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں۔ کم از کم آج سارا دن اور اگلی رات تمہیں یہیں گزارنا ہو گی۔ یہ تمارے ندہ سفر کے لئے ضروری ہے۔ شیلا مجھے زندگی بھر معاف نہیں کرے گی اگر ہم یہاں سے اسے ئے بغیر نکل گئے وہ کل صبح تک تمہارے زخم کی کیفیت جاننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرے گی۔"

"ہوں..... جیسی تمہاری مرضی۔"

طاہر نے سر تسلیم خم کیا۔

"تم زیادہ آرام کرنے کی کوشش کرو..... میرے خیال سے ہمیں اب یو پی کی طرف ں جانے کے بجائے ہماچل پردیش ہی میں کچھ عرصہ چھپنا پڑے گا۔ اس طرف ان لوگوں کا ل کم ہی جائے گا..... یوں بھی وہ سرحدوں کی طرف جانے والے تقریباً" عام ممکنہ راستے اب ے سیل کر چکے ہوں گے..... اور سب سے اہم بات یہ کہ اب سے تھوڑی دیر بعد تک انہیں ل مونگیا کی لاش مل جائے گی جس کے بعد ممکن ہے وہ اس گاڑی کے متعلق جانکاری حاصل یں جو ہمارے قبضے میں ہے....."

کامنی نے عندیہ ظاہر کیا۔

"ہاں..... یہ سب سے اہم بات ہے۔ گاڑی ٹھکانے لگانا ضروری ہے اور یہ بھی علم نہیں ا چاہیے کہ گاڑی ڈاکٹر کے کلینک تک آئی..... میرے خیال سے پولیس والوں کو تو کچھ یاد ں رہے گا۔ یوں یہ تم نے اسے غلط منزل بتائی تھی۔"

طاہر نے کہا۔

ویل..... مجھے سب سے پہلے گاڑی کو ٹھکانے لگانا ہو گا وہ بھی فوراً"..... یہاں صبح صبح ہ موومنٹ Movement نہیں ہوتی..... ہل سٹیشن ہے اور کل یہاں مشہور "جوالا مکھی" میلا ع ہو جائے گا۔ قدرت ہمارے حال پر خود ہی مہربانی کر رہی ہے۔

کامنی نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... اپنا خیال رکھنا اگر مناسب سمجھو تو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

طاہر نے آتے ہوئے کہا۔

"تم مطمئن رہو..... مجھے علم ہے کہ کیا کرنا ہے..... تم آرام سے بیٹھے رہو..... زیادہ ب یہی ہے کہ سونے کی کوشش کرو..... طاہر تم اندازہ نہیں کر سکتے شیلا مجھ سے کتنی محبت ا ہے۔ اگر تمہارا بخار نہ اترا تو وہ کبھی ہمیں یہاں سے نہیں جانے دے گی..... کبھی ....."

کامنی نے میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"گڈ لک..... خدا حافظ۔"

طاہر کے لئے اس وقت کامنی کی بات ماننے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔ کامنی اس علاقے سے آگاہی رکھتی تھی ذہنی اور جسمانی طور پر بھی فی الوقت وہی زیادہ ایکٹو تھی۔ ڈاکٹر شیلا کا کوٹ پہن کر وہ باہر نکل گئی۔ طاہر دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لئے دعا کرنے لگا۔ اس نے بوریت سے بچنے کے لئے ٹی وی آن کر لیا..... ڈاکٹر شیلا نے کیبل لگائی ہوئی تھی اور طاہر ڈش کے پروگراموں سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

ابھی تک ڈاکٹر شیلا کا کوئی ملازم ڈیوٹی پر نہیں پہنچا تھا۔ کامنی نیچے اس کے کلینک میں آ گئی تھی۔

"کیا ہوا۔"

ڈاکٹر شیلا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"گیٹ کھولو..... میں گاڑی یہاں سے لے جاؤں اور کہیں اور چھوڑ دوں گی....."

کامنی نے اسے بتایا اور شیلا سمجھ گئی وہ کیا چاہتی ہے۔

"چلو....."

اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کامنی نے گیراج کے ایک کونے میں دھرے ڈرم سے ایک پلاسٹک کین میں کچھ پٹرول لے لیا تھا یہاں لوگ مٹی کا تیل اور پٹرول اکثر سٹور رکھتے تھے۔ ڈبہ گاڑی میں رکھ کر اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور باہر آ گئی.....

شدید سردی نے باہر کے ماحول کو منجمد کر دیا تھا۔ دھند کی وجہ سے چند گز دور میں کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کامنی نے اپنے ذہن میں اس سڑک پر گذشتہ سال کے سفر کو دہرایا اور ایک فیصلے پر پہنچ کر گاڑی آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی شہر سے باہر لے آئی۔

○ ○ ○

اس نے جنوب کی سمت سفر شروع کیا تھا یہ ٹیڑھا میڑھا پہاڑی راستہ تھا جس پر درخت کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے شیلا نے جان بوجھ کر یہ راستہ اپنایا تھا۔ اب وہ قریباً" کچی سڑک پر جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔

عام حالات میں شاید ایسے خطرناک راستے پر اس موسم میں کوئی سفر کرنے کا خطرہ مول نہ

لیکن اس کے لئے ناگزیر تھا۔ اب وہ جنگل کے اندر ہی اندر چلتی چلی جا رہی تھی قریباً" آدھ کے بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں راستہ گہری کھائی نے مکمل بند کر دیا تھا۔

جنگل میں درختوں سے شبنم کے قطرے مینہ کی طرح زمین پر ٹپک رہے تھے۔ کامنی نے بورڈ سے سارے کاغذات نکال لیے تھے اور اب وہ کار کی نمبر پلیٹ کار ہی میں موجود ٹول سے پیچ کس نکال کر کھول رہی تھی جلد ہی اس نے دونوں نمبر پلیٹیں الگ کر لیں۔

سب سے پہلے اس نے گاڑی کے تمام کاغذات ایک ایک کر کے جلا دیئے۔ پھر مطمئن ہو سرہلاتی ہوئی گاڑی کے نزدیک آ گئی۔ گاڑی کو خطرناک حد تک اسی کھائی کے نزدیک لے آئی

سٹارٹ گاڑی سے وہ نیچے اتر آئی اور اس نے گاڑی میں دھرا پٹرول نکال کر اسے گاڑی گلے حصوں پر اندر سیٹوں پر اچھی طرح چھڑک کر خالی کر لیا...

گاڑی میں صفائی والے کپڑے کو اس نے ایک لکڑی سے باندھ کر آگ دکھائی اور جب فاعدہ جلنے لگا تو کامنی نے گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر ہاتھ ڈالا اور اسے گیئر میں ڈال تی ہوئی لکڑی اس نے کچھ فاصلے پر رکھ دی تھی۔

گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھی اور اسی رفتار سے کامنی نے زقند بھر کر جلتی لکڑی اٹھائی اور دروازے سے اندر پھینک دی۔ اگلا منظر دیکھنے کے لیے وہ یہاں ایک پل بھی نہیں رکی تھی ری رفتار سے بھاگتی ہوئی کامنی دور چلی گئی تھی.....

پٹرول نے بارود کا کام کیا۔ بھک کی آواز سے گاڑی جلنے لگی اور جلتی ہوئی آگ کا گولہ ں فٹ گہری کھائی میں جا گرا۔

تھوڑی دیر بعد کامنی دوبارہ وہاں پلٹی تو اسے نیچے سینکڑوں فٹ گہرائی میں جلتی ہوئی گاڑی انچہ دکھائی دیا مطمئن ہو کر اس نے سرہلایا اور دونوں نمبر پلیٹیں اٹھا کر سڑک کی طرف چل

سردی ہڈیوں میں اتر رہی تھی.....

لیکن..... اس کے لئے اسے موسمی شدائد برداشت کرنا معمول کی بات تھی۔ یہ اس بیت کا اعجاز تھا۔ کچھ فاصلے پر موجود جھاڑیوں میں اس نے نمبر پلیٹ کی مدد سے زمین کھودی نوں پلیٹیں اس میں دبا کر مٹی ڈال دی اب اس نے اپنی دانست میں گاڑی کا نام و نشان ختم تھا۔

یہاں سے سڑک تک قریباً" آٹھ نو کلومیٹر کا فاصلہ تھا جو اسے پیدل طے کرنا تھا۔ دور دور کسی ذی نفس کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یوں بھی یہاں کسی جانور کی موجودگی تو ممکن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی انسان کی موجودگی ممکن نہیں تھی۔

کامنی نے دونوں ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے۔ سر پر گرم ٹوپی اوڑھی ہوئی تھی جو اور بھی تھی جس سے قریباً" سارا چہرہ ڈھک جاتا تھا۔ گردن پر اس نے سکارف باندھا ہوا تھا۔

کامنی نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے اور جیب میں اپنا پستول اس طرح رکھا ہوا تھا کہ ضرورت پڑنے پر فوراً" اسے استعمال میں لا سکے۔

اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس نے گھڑی پر وقت دیکھا صبح کے نو بج رہے تھے۔ کامنی کو امید تھی کہ اول تو کسی نے جلتی ہوئی کار دیکھی ہی نہیں ہو گی۔ اگر ایسا ہوا تو بھی یہاں پہنچنے کے لئے بھی کم از کم آدھا گھنٹہ تو یہاں پہنچنے تک لگتا۔

عادت کے مطابق اپنے کام سے مطمئن ہو کر اس نے سر ہلایا اور سڑک کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا۔ درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان وہ کسی جنگلی ہرن کی طرح راستہ بناتی چلی جا رہی تھی اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ راستے میں کسی جانور کا سامنا نہ ہو اس طرح اسے فائر کرنا پڑتا اور یہاں سے سڑک تک فائر کی آواز آسانی سے جا سکتی تھی کیونکہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے کافی گونج پیدا ہوتی۔

شاید قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا اور وہ ایک آدھ گھنٹہ میں سڑک تک پہنچ گئی تھی جہاں اب اکا دکا بسیں اور گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان میں زیادہ تعداد میں وہ لوگ سفر کر رہے تھے جو سولان میں "جوالا مکھی" کا میلہ دیکھنے آ رہے تھے۔

کامنی نے یہاں سے کسی بس پر سوار ہونے کے بجائے پیدل چلتے چلے جانے کو ترجیح دی اور قریباً" ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل پیدل چلنے کے بعد وہ ایک اور چھوٹے سے قصبہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی۔

○ ○ ○

یہاں موجود ایک پرائیویٹ پی سی او سے اس نے سب سے پہلے ڈاکٹر شیلا کو فون کیا او طاہر سے بات کر کے اسے اطمینان دلایا اس کی خیریت دریافت کی اور اپنی منزل بتائے بغیر فون بند کر دیا۔

طاہر جانتا تھا کامنی بھی اس کی طرح تربیت یافتہ انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ اس نے فون پر اپنا نام تک نہیں بتایا تھا۔ صرف آواز سے ہی شناخت کروائی تھی۔ اس نے شاید ابھی تک اس امکان کو ذہن میں رکھا تھا کہ "را" نے یہاں حساس مقامات پر لگے فون ٹیپ کرنے کا انتظام

کروا لیا ہو اسے علم تھا کہ "را" کے کاؤنٹر انٹیلی جنس سیل کے پاس فون ٹیپ کرنے کا جدید ترین موبائیل نظام ہے اور وہ کسی بھی جگہ اس نظام کو ویگن میں رکھ کر لے جا سکتے ہیں۔

سولان تک واپس پہنچنے کے لئے کامنی اگروال نے پانچ مختلف بسیں تبدیل کی تھیں اور دوپہر کے بعد ڈاکٹر شیلا کے کلینک کی دیوار پھاند کر طاہر کے کمرے تک اس طرح پہنچی تھی کہ طاہر اور شیلا کو بھی اس کی خبر دروازہ کھول کر اندر آنے پر ہی ہوئی۔

"تمہاری یہ جاسوسوں والی عادت نہیں گئی..... یہاں کیا مصیبت آئی ہوئی ہے جو تم چوروں کی طرح آئی ہو۔"

شیلا نے جو کھانا اس کے انتظار میں رکھے بیٹھی تھی کہا۔

"تم ابھی بچی ہو مائی ڈیئر ڈاکٹر شیلا آئزک..... تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گی.....!"

کامنی نے محبت سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

کامنی ٹھیک کہتی ہے بہن جی..... میری آپ سے بھی درخواست ہو گی کہ یہاں ہماری موجودگی کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہونا چاہیے..... میرے زخم سے متعلق' دواؤں سے متعلق' علاج سے متعلق کچھ بھی نہیں.....

طاہر نے کہا۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... اب آپ کامنی کی طرح سمجھانا نہ شروع کر دیں.....

اس نے قہقہہ لگایا۔

تینوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ طاہر کا ٹمپریچر اب نارمل تھا جس پر شیلا نے دل ہی دل میں اس کی بے پناہ قوت ارادی کو سراہا تھا کیونکہ اب تک اس نے خود کو اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر ہی قائم رکھا ہوا تھا۔

میری طرف سے اس مرحلے پر کوئی پریشانی محسوس نہ کرنا..... کامنی! مجھے علم ہے جلد یا بدیر وہ لوگ جو تمہاری تلاش میں ہیں یہاں تک پہنچ جائیں گے لیکن اطمینان رکھنا کہ میں جیتے جی کبھی اس بات کا اقرار نہیں کروں گی کہ میں نے تمہیں شادی کے بعد کبھی دیکھا ہے..... تم جانتی ہو کامنی کہ میں سچ بول رہی ہوں....."

اچانک ہی ڈاکٹر شیلا نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

"اے سیریس نہ ہو شیلا..... تمہارے جذبات کا اندازہ مجھ سے بہتر اور کون کر پائے گا۔ میں تمہیں بچپن سے جانتی ہوں..... اس مرحلے پر جب کہ یہاں کی فضائیں اور ہوائیں ہماری دشمن ہیں صرف تم ایک ایسی ہو جس کے پاس میں مکمل اعتماد سے آ گئی ہوں..... شیلا شاید تم اس بات کو نہ سمجھ پاؤ کہ کسی پر کبھی اعتماد نہ کرنا" ہمارے بزنس کا پہلا اور بہترین اصول مانا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

جاتا ہے..... ہمیں یہی تربیت دی جاتی ہے کہ ہمارے بزنس میں کوئی لائق اعتبار نہیں..... لیکن تمہارے معاملات الگ ہیں۔ میں چاہتی تو پونا صاحب ہی سے ان کے زخم کا علاج کروا کر کسی اور طرف نکل جاتی لیکن شیلا! ایک خلش سی دل میں رہ جاتی کہ آخری مرتبہ تجھے مل کر نہیں آئی..... تو جانتی ہے ہم نے زندگی کا کوئی بڑا فیصلہ ایک دوسرے کو بتائے بغیر نہیں کیا... جب تو نے اس معاہدے کو کبھی نہیں توڑا تو میں ایسا کیوں کرتی؟....."

کامنی نے کہا تو شیلا نے اٹھ کر بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

"مجھے علم تھا کامنی تو کبھی غلط اور چھوٹا فیصلہ نہیں کرے گی۔ دراصل ہم دونوں اپنے سماج کی باغی ہیں۔ ہم دونوں میں اپنے دھرم کے شوہر کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھیں..... لیکن یہ کبھی نہ بھولنا کامنی کہ یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات نہیں ہے..... ایسا ممکن ہی نہیں کہ میں زندہ رہوں' تو زندہ ہو اور ہم مل نہ سکیں..... دوبارہ کبھی ایسی بات زبان پر نہ لانا۔"

دونوں سہیلیاں قدرے جذباتی ہو رہی تھیں اور طاہر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ عورت کیسا ہی روپ کیوں نہ اختیار کر لے وہ بہرحال عورت ہوتی ہے....

○ ○ ○

اس روز "جوالہ مکھی" میلے کا آغاز ہو گیا تھا۔ سولان جیسے چھوٹے ہل سٹیشن پر رونقیں لوٹ آئی تھیں۔ ہر طرف پیلے پیٹامبر' جھنڈے اور دوپٹے نظر آ رہے تھے۔ دور دراز سے کئی میلوں کا پیدل سفر طے کر کے یاتری یہاں کی مخصوص "بلا پوجا" میں شرکت کے لئے آئے تھے اور انہوں نے کچھ دنوں ہی کے لئے سہی اس علاقے کو آباد کر دیا تھا۔

وہ رات دونوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈاکٹر شیلا کے بضد ہونے پر یہاں بسر کی تھی کیونکہ اگلے روز وہ خود طاہر کے زخم کا جائزہ لینا چاہتی تھی.....

اس کے بس میں ہوتا تو ساری زندگی دونوں کو یہاں سے نہ جانے دیتی لیکن بادل نخواستہ ان کی حفاظت کے مدنظر بالآخر اس نے دل پر پتھر رکھ کر انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

ڈاکٹر شیلا نے ایک بیگ میں طاہر کے زخم سے متعلق تمام ادویات اور پٹیاں وغیرہ رکھ دی تھیں دونوں کو اپنا خاص خیال رکھنے کی تلقین کی تھی اور کامنی سے کہا تھا کہ وہ پانچ روز کے بعد اس کے زخم کے ٹانکے کھلوا دے.....

اس نے کامنی سے اس کی اگلی منزل دریافت نہیں کی تھی..... لیکن اسے اپنی خیریت سے مطلع رکھنے کے لئے کہا تھا۔

"ایک بات شاید دل میں رہ جائے تو خلش سی رہے گی..... کامنی..... کاش تم میرے ساتھ آدھا سچ نہ بولتیں..... میں جانتی ہوں خان بھائی کا تعلق اس دیش سے نہیں..... لیکن تو نے مجھ سے یہ کیوں چھپائے رکھا اس کا علم نہیں ہو پایا۔"

جاتے ہوئے شیلا نے کہا۔

شیلا تو جانتی ہے کبھی کبھی پورا سچ بہت خطرناک ہو جاتا ہے..... بعض باتیں نہ ہی کہی جائیں تو بھی اپنے پیاروں تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک بات تھی....."

کامنی نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے.....

"خان بھائی..... یہ اپنی بہن کی طرف سے حقیر سا نذرانہ سمجھنا..... مجھے یہ علم ہے تمہارے لئے اسے قبول کرنا مشکل ہو گا لیکن میری خواہش سمجھ کر رکھ لینا..... ابھی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آئیں گے جب ہم ایک دوسرے کے لئے بہت کچھ کر سکیں....."

یہ کہہ کر اس نے لفافے میں بند کچھ نوٹ طاہر کو تھما دیئے۔

بڑی عجیب صورتحال تھی طاہر کے لئے انہیں واپس لوٹانے سے قبول کرنا زیادہ آسان تھا کیونکہ اس مرحلے پر وہ ڈاکٹر شیلا کی کسی خواہش کو رد نہیں کر سکتے تھے.....

شیلا کی آنکھیں اچانک ہی چھلک پڑی تھیں وہ فوراً" دوسرے کمرے میں چلی گئی.....

کامنی کی حالت بھی مختلف نہیں تھی.....

"کامنی خود کو نارمل رکھو..... ہمیں ڈاکٹر شیلا کو مزید دکھ نہیں دینا۔ اس کی عظمت کا اعتراف کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ اپنے جذبات پر قابو رکھو۔"

اس نے کامنی سے کہا اور کامنی کو جیسے ہی اس کی بات سمجھ آئی وہ نارمل ہو گئی۔

اس مرتبہ ڈاکٹر شیلا کمرے میں آئی تو اس نے ایک بڑا گرم کوٹ اٹھا رکھا تھا ایسے کوٹ کو جنہیں مقامی زبان میں "برانڈی" کہا جاتا تھا یہاں کے موسم کی ضرورت اور ناگزیر ہوتے تھے.....

"خان بھائی یہاں تو کوئی ڈھنگ کا نہیں ہے..... چند روز پہلے شملے سے آتے ہوئے میں نے آئزک کے لئے یہ کوٹ خریدا تھا..... میرا جی تو چاہتا تھا تمہارے ساتھ جا کر خود تمہارے لئے کوٹ خریدتی لیکن ایسا ممکن نہیں..... اسے اپنی بہن کی طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا....."

اس نے یہ کہتے ہوئے کوٹ اس کی طرف بڑھا دیا.....

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں گنگ ہو چکے تھے.....

ڈاکٹر شیلا کے بے پناہ خلوص اور کامنی سے محبت نے دونوں کو مبہوت کر دیا تھا' اس نے کامنی کے لئے بھی بہترین گرم کپڑے دیئے تھے اور دونوں کو اپنی دعاؤں' آنسوؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

ان کی خواہش اور کامنی کی ضد پر وہ انہیں رخصت کرنے کے لئے باہر تک بھی نہیں آئی تھی..... اور گھر کے دروازے سے بھی جو کلینک کے دروازے کی دوسری سمت تھا انہیں رخصت کر کے آنسو بہاتی واپس لوٹ گئی تھی.....

اس کے خلوص نے طاہر کو بے پناہ متاثر کیا تھا اور زندگی میں شاید یہ پہلی مرتبہ وہ بھی قدرے جذباتی ہو رہا تھا۔ کامنی کے لئے تو اپنے آنسوؤں پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہا تھا.....

○ ○ ○

بریگیڈئر لہوترہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی..... کل سے اب تک کرنل مونگیا نے اسے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا یہ خلاف معمول اور انتہائی غلط بات تھی۔ گو کہ کرنل مونگیا اپنی پراسرار اور پریشان کن عادات کی وجہ سے ہمیشہ ہی ایک الگ مقام کا حامل رہا تھا..... لیکن اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ڈسپلن کے معاملہ میں کسی بھی غیر اصولی کا مظاہرہ کرے گا۔

بٹواری کیمپ کے تمام سیکورٹی انتظامات ملٹری انٹیلی جنس کرتی تھی اور کرنل مونگیا بھی وہیں سے آیا تھا۔ گو کہ یہاں ہونے والی کسی بھی "گھٹنا" (آفت) کی اطلاع انہیں فوری طور پر صرف ملٹری انٹیلی جنس ہی کو دینی ہوتی تھی.....

لیکن..... کامنی اگروال کا تعلق چونکہ "را" سے تھا اور وہ انہوں نے تخریب کاروں کی تربیت کے لئے "را" سے بطور خاص درخواست پر اسے مانگا تھا اس لئے اس کی گمشدگی کی اطلاع "را" کو دینا ضروری تھا۔

یوں بھی بریگیڈئر لہوترہ کسی بھی صورت کم از کم "را" کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا اور یہاں کی صورت حال کو سنبھالتے ہی براہ راست دہلی ہیڈ کوارٹر سے بات کی تھی۔

یہ الگ بات تھی کہ اس کے فون سے پہلے یہاں ٹوٹنے والی قیامت کا علم "را" کو ہو چکا تھا۔ "را" کا مقامی یونٹ بہت چوکس تھا خصوصاً" ایسے حساس ایریا میں وہ اپنے انتہائی اہم اور لائن سٹاف کو کرتے تھے۔

"را" کا مقامی یونٹ انچارج میجر پردیپ سنگھ پہلے آرمی کی سپیشل انٹیلی جنس ٹیم میں تھا ر تین سالوں میں اپنے زیر تفتیش پندرہ نوجوانوں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار چکا ا۔ یوں تو اسے تین سال کے لئے ڈیپوٹیشن پر "را" میں بھیجا گیا تھا لیکن بعد میں اس کی ات مستقل "را" کو سونپ دی گئیں.....

پردیپ سنگھ نام سے سکھ تھا لیکن وہ جاٹ کے بجائے مذہبی سکھ تھا اور اس کا باپ اس ا پیدائش سے چند سال پہلے ہی اپنی قوم چمار کو چھوڑ کر سکھ دھرم میں داخل ہوا تھا۔

اگر سکھوں کو علم ہو جاتا کہ اس کے ہاں جنم لینے وال پردیپ سنگھ سکھوں کے لئے ستقبل میں ڈریکولا بن جائے گا تو وہ کبھی پردیپ سنگھ کے باپ کو "امرت نہ چکھاتے"..... لیکن نی شدنی.....

پردیپ سنگھ نے کیس رکھے ہوئے تھے اور بظاہر سکھوں والی تمام عادتیں اپنائی ہوئی تھیں ن اندر سے وہ کھال اتارنے والا مکمل چمار تھا۔ اس نے انسانی کھال اپنے ہاتھوں اتار کر ندگی کی انتہاؤں کو چھوا تھا۔

تین ماہ پہلے اسے ڈیرہ دون کا سیکورٹی چیف بنا کر بھیجا گیا تھا اور یہاں پہنچنے کے چند دنوں اس نے بٹواری کیمپ کے اندر اور باہر اپنے مخبروں کا ایسا جال بن دیا تھا کہ یہاں ہونے والی ی بھی کارروائی کی خبر اسے فوراً" پہنچ جاتی تھی۔

دھماکوں کے آغاز سے دو گھنٹے بعد ہی اس کے مقامی "سورس" حوالدار آتما رام نے جو ا وقت اپنے کوارٹر میں موجود تھا۔ طوفانی رات میں "را" کے مقامی سیف ہاؤس پر پہنچ کر یپ سنگھ کے ایک ماتحت تک یہ خبر تفصیل سے پہنچا دی تھی۔ جس کے اگلے ہی لمحے پردیپ ، کو نیند سے جگا کر یہ اطلاع دی تھی جہاں سے یہ اطلاع فوراً" پہنچا دی گئی.....

ابھی تک انہیں دھماکوں کے کارن (وجہ) کا علم نہیں ہوا تھا۔

صبح تک ساری پوزیشن ان کے سامنے آ گئی تھی اور پردیپ سنگھ کی طرف سے اس اع کے بعد کہ دونوں مسلمان دہشت گردوں کے ساتھ ان کی انسٹرکٹر کامنی اگروال بھی ب ہے سب کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

"ایسا ممکن ہے وہ اپنے طور پر لاپتہ ہو....."

دہلی سے ڈی۔جی نے بے یقینی کے لہجے میں کہا تھا۔

"نو سر..... میں نے مکمل انکوائری کی ہے..... She is involve with (وہ ملوث ہے) شاید لوگ کامنی کو ورغلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں سر...."

"ڈیم اٹ....."

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

دوسری طرف ڈی۔ جی غصے میں اتنے زور سے چیخا کہ پردیپ سنگھ کے ہاتھ میں فون لر کر رہ گیا۔

"پردیپ سنگھ مجھے لڑکے چاہئیں مجھے فوراً" بتاؤ...... جو بھی چاہیے میں دوں گا یہاں وہا سے میں تمہاری مکمل مدد کروں گا...... But مجھے ہر صورت کامنی اگروال چاہیے..... اگر وہ بارڈ کراس کر گئی تو ہم سب کے لئے خودکشی کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا....... کوئی راستہ نہیں......... تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔"

"یس سر...... سر! آپ مطمئن ہو جائیں مجھے پانچ لڑکے فوراً" دیجئے میں "فری ہینڈ" چاہتا ہوں سر...... پھر دیکھوں گا سالی کو۔"

اس نے کامنی کو موٹی سی گالی دی.........

"تمہیں سب کچھ ملے گا پردیپ سنگھ سب کچھ۔ Get in touch مجھے ایک ایک مومنٹ کی خبر دو...... ایک ایک لمحے سے باخبر رکھو...... کسی کو خاطر میں نہ لانا...... کسی کی پرواہ نہ کرنا...... پردیپ I want result (مجھے نتیجہ چاہیے) ہر صورت میں............. تم چوبیس گھنٹے میں کسی بھی سے پر مجھے کال کر سکتے ہو....... جتنی فورس چاہو گے یہاں سے پہنچ جائے گی.... لڑکے تمہارے پاس اگلے دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔ میں ہیلی کاپٹر ارینج کرتا ہوں۔"

ڈی۔جی نے کہا۔

اب اس کی آخری امید پردیپ سنگھ ہی تھا۔

اگر کامنی اگروال ان کے ہاتھ سے نکل جاتی تو "را" کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا۔

پردیپ سنگھ نے ہیڈ کوارٹر سے اجازت لینے کی حجت بھی پوری کر لی تھی...... ایک مرتبہ نیند سے جاگنے کے بعد اس نے دوبارہ بیڈ روم کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ اپنے آفس میں موجود تھا جو اسی عمارت کے گراؤنڈ فلور پر بنا ہوا تھا جہاں وہ رہتا تھا.........

○ ○ ○

آدھی رات کو اسے آفس میں دیکھ کر اس کے سارے ماتحت چوکنے ہو گئے۔ پردیپ سنگھ نے ایک عرصے سے اپنی مرضی کی ٹیم اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو میجر صاحب کے مزاج سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ انہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مراعات حاصل تھیں۔ لیکن وہ "بہترین رزلٹ" دینے میں سب سے آگے تھے.........

سارا عملہ چوکس ہو گیا۔

جو سو رہے تھے انہیں جاگنے والوں نے جگا دیا اور اب ایک پش بٹن کے فاصلہ پر ہر ماتحت اس کا منتظر تھا۔ اس کے کسی بھی حکم پر پلک جھپکتے عمل کرنے کو تیار......!!

سب سے پہلے پردیپ سنگھ نے اپنا کمپیوٹر آن کیا.........

اس کمپیوٹر کی سکرین پر انسٹرکٹر کامنی اگروال سے متعلق تمام معلومات موجود تھیں۔

جو معلومات اس سکرین پر آئی تھیں ان کو جمع کیا جاتا تو ایک مکمل کتاب بن سکتی تھی۔

اس میں کامنی اگروال کی پیدائش سے اب تک ایک ایک لمحے کی تفصیل درج تھی......

اس کی عادتیں، پسند نا پسند، دوستیاں، دشمنیاں، خیالات، دھرم، سماج، راج نیتی سے متعلق اس کے وچار، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، عام زندگی، خاص زندگی، غرض کوئی شعبہ زندگی ایسا نہیں تھا جس سے متعلق سب کچھ درج نہ ہو.............

پردیپ سنگھ کی نظریں بڑی تیزی سے سکرین پر پھیلے الفاظ سے پھسلتی اور ایک ایک لفظ اس کے دماغ پر نقش ہوتا چلا جاتا۔

کمبخت نے بلا کا ذہن پایا تھا۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ بیٹھی کرخت چہرے اور درمیانی عمر کی ایک لڑکی کو جو اس کی سیکرٹری تھی کاغذ پنسل سنبھالنے کا حکم دیا اب وہ اپنے لئے اہم معلومات جن کی اسے مستقبل میں ضرورت پیش آ سکتی تھی اپنی ماتحت کو لکھواتا جا رہا تھا......

آخر میں اس نے اپنی ماتحت نیلم سے تمام معلومات دہرانے کے لئے کہا اور مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

"آل رائیٹ..... اب تم لوگ صبح آٹھ بجے تک اپنی نیند پوری کر لو..... آٹھ بجے تک اتی دوست بھی آ جائیں گے جس کے بعد پھر اپنا حملہ شروع کریں گے........"

اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یس سر۔"

نیلم نے سر جھکا کر صاد کیا اور باہر آ گئی اس نے باقی سٹاف کو بھی پردیپ سنگھ کے حکم سے مطلع کر دیا تھا اور اب یہاں معمول کی ڈیوٹی انجام دینے والے گارڈز رہ گئے تھے باقی سب لوگ اپنے بستروں میں پہنچ گئے تھے۔ انہیں اب اس کیس کے خاتمے تک جتنی بھی نیند میسر آتی ان کے لئے بونس ہی تھا کیونکہ پردیپ سنگھ جب کسی کیس کو ہاتھ میں لیتا تو نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ماتحتوں کی نیند بھی حرام کر دیا کرتا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

صبح سات بجے ہیڈ کوارٹر سے پانچ بہترین ایجنٹ یہاں پہنچ چکے تھے۔ انہیں مقامی کمان کے ڈائریکٹر جنرل نے خصوصی ہدایات اور تیاریوں کے ساتھ یہاں بھیجا تھا۔ ان کے پاس کامنی کی درجنوں تصاویر تھیں۔

یہ وہ تصویریں تھیں جو "را" کے ریکارڈ میں تھیں اور جن کی کاپیاں یہ لوگ تیار کروا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔

یہ تصاویر پردیپ سنگھ نے سارے سٹاف میں تقسیم کر دیں۔ اب اس نے سب کو بریفنگ ہال میں اکٹھے کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تین مختلف ٹیمیں تشکیل دے کر انہیں اپنے اپنے کمانڈر کے ماتحت تین مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں اس کا مقامی ماتحت جو اب بٹواری کیمپ پہنچ چکا تھا اسے پل پل کی خبر اور وہاں ہونے والی ڈویلپمنٹ سے متعلق رپورٹ دے رہا تھا۔

ابھی تک انہیں کرنل مونگیا کی اگلی منزل اور عزائم کی خبر نہیں ہوئی تھی گو کہ "را" کا ایک "سورس" مستقل اس سے چمٹا ہوا تھا لیکن مونگیا نے اپنے ماتحتوں کو بھی اپنی اگلی منزل نہیں بتائی تھی۔

"ڈیم اٹ..... گدھا..... الو کا پٹھا۔"

اس نے مونگیا سے متعلق آخری بات کرنے پر اسے تین چار موٹی موٹی گالیاں سنا دیں۔

اس کے علاوہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہاں ہر ایجنسی اپنی حیثیت میں آزاد تھی اور یہ لوگ معاصرانہ چشمک کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعاون کے بجائے ایک دوسرے کو دھوکے میں رکھ کر اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

کریڈٹ لے جانے کی دوڑ میں وہ اپنے ہمکاروں کو پچھاڑنے میں کوشاں رہتے تھے اور کوئی ایجنسی دوسری ایجنسی کو برداشت نہیں کرتی تھی۔

مونگیا جانتا تھا کہ پردیپ سنگھ بھی ایکٹو (Active) ہو گا اور وہ اپنے ہوتے ہوئے مفروروں کی گرفتاری کا کریڈٹ کسی اور کو دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔

اس نے اپنی تمام صلاحیتیں اس بار صرف کر دی تھیں کہ "را" کو اس کے منصوبے اور حکمت عملی کا علم نہ ہونے پائے اور وہ تمام ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خود مفروروں کو گرفتار کرنے کا کریڈٹ حاصل کر لے۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو مفروروں سے متعلق ملنے والے کسی بھی سراغ کی خبر کسی اور

ایجنسی کو دینے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

ایسی ہی ہدایات باقی ایجنسیوں کے لوگوں کو بھی ان کے اعلیٰ افسران کی طرف سے ملی تھی اور وہ سب اب اپنی اپنی حیثیت میں اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔

○ ○ ○

پردیپ سنگھ اپنی ماتحت نیلم کماری کے ساتھ صبح نو بجے ایک خصوصی فلائیٹ سے دہلی جا ہا تھا۔

یہ ایک فوجی جہاز تھا جو کچھ افسران کو لے کر خصوصی مشن پر دہلی جا رہا تھا اور "را" ے ڈی۔ جی کی درخواست پر مقامی او۔ سی نے پردیپ سنگھ اور اس کی سیکرٹری نیلم کماری کے ے دو سیٹیں اس میں رکھ لی تھیں۔

اسے اپنی تفتیش اور تلاش کا آغاز کامنی اگروال کے گھر سے کرنا تھا جس کے لئے اس ، ہر غیر انسانی طریقہ اپنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ یوں تو وہ مقامی پولیس کی مدد بھی حاصل کر ا تھا لیکن اس نے دانستہ ایسا نہیں کیا تھا۔

دہلی آنے پر اس کے استقبال کے لئے "را" کی ایک اور مستعد ٹیم تمام ساز و سامان کے تھ موجود تھی..........

ائرپورٹ ہی کے ایک کمرے میں انہوں نے اپنی Modus operandi (طریقہ واردات) تیار ا اور یہاں موجود پانچ مختلف ٹیموں کو مختلف ذمہ داریاں سونپ کر خود کامنی اگروال کے پتا ج اگروال کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ نیلم کماری کی منزل کامنی اگروال کے گھر ا.........

اس نے کامنی کی موسی جانکی دیوی کو قابو کرنا تھا کیونکہ ان کے پاس موجود اطلاعات کے بق اس کے گھر کی خواتین میں کامنی اگروال سب سے زیادہ اپنی موسی جانکی دیوی کے نزدیک ۔

○ ○ ○

جانکی دیوی معمول کے مطابق کرشنا مندر سے اپنی پوجا ختم کرنے کے بعد "پرشاد" لے کر ے اوم..... ہرے اوم" کا جاپ کرتی گھر کی طرف واپس آ رہی تھی جب اچانک ہی اس کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نظر ایک سمارٹ لڑکی پر پڑی۔

لڑکی نے پتلون قمیص پہن رکھی تھی لیکن اس کے کپڑے ایسے چست اور جسم سے چپکے ہوئے تھے کہ جانکی دیوی نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگا لیے اور "ہرے اوم..... ہرے اوم" کی تکرار زیادہ تیز کر دی۔

"جانکی موسی....."

اچانک ہی لڑکی نے اس کے نزدیک آ کر کہا اور وہ چونک گئی۔

جانکی دیوی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ وہ اسے بالکل نہیں پہچانتی تھی۔

"آپ جانکی دیوی ہی ہیں ناں۔"

اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں....."

جانکی دیوی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"میں نیلم ہوں..... کامنی کی دوست۔ ارے جانکی موسی کامنی نے تمہارے متعلق اتنا کچھ بتا دیا ہے کہ میں نے ایک نظر ہی میں پہچان لیا کہ تم ہی جانکی موسی ہو گی۔"

اس نے جانکی دیوی کے استفسار سے پہلے ہی کہہ دیا۔

بے یقینی کے انداز میں جانکی دیوی نے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن میں تمہیں نہیں جانتی۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں آؤ تمہیں کامنی سے ملوا دوں..... دراصل ہم لوگ دہلی دو تین گھنٹے کے لیے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ خود بری طرح پھنسی ہوئی تھی... مجھے کہہ دیا کہ تمہیں لے کر ہی آؤں.....!"

نیلم نے اس کے مزید نزدیک آتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے..... میں گھر والوں کو بتا دوں۔"

جانکی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کامنی نے ملاقات کا یہ کون سا طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ اسے کامنی سے یہ امید ہرگز نہیں تھی..... نہ ہی وہ یہ ماننے کے لئے تیار تھی کہ واقعی یہ لڑکی سچ بول رہی ہے۔

"ارے جانکی موسی ہمارے پاس پہلے ہی وقت کم ہے اور تم....."

اس نے یہ کہتے ہوئے جانکی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

جانکی نے اگلے ہی لمحے صورتحال کی سنگینی کا احساس کر لیا کہ اس کے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے وہ حیران اور پریشان ہو گئی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ جانکی دیوی چیخ کر کسی کو مدد کے لئے بلوائے اچانک ہی سامنے سے ایک تیز رفتار جیپ ان کے نزدیک جھٹکے سے آ کر رک گئی جس کے پچھلے حصے میں ایک لمبا تڑنگا جوان بیٹھا تھا وہ جیپ رکتے ہی نیچے اتر آیا۔

اس کے ساتھ ہی نیلم کماری نے جانکی دیوی کو جھٹکے سے اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور جیپ کے پچھلے حصے میں پھینک دیا۔ جانکی کے ہاتھ میں پکڑی "پرشاد" کی تھالی باہر ہی گر پڑی جسے نوجوان نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا تھا۔

یہ کافی معروف گزرگاہ تھی۔ لوگ اس طرف متوجہ بھی ہوئے لیکن ان کے کچھ سمجھ آنے سے پہلے ہی جیپ جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھی اسی طرح برق رفتاری سے غائب ہو گئی۔

کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا۔

"کون ہو تم..... کیا.....؟"

خوف سے سہمی اور پریشان حال جانکی دیوی نے بمشکل آواز نکالی۔

"چپ کر سالی..... ابھی بتاتی ہوں تجھے۔"

نیلم کماری نے اسے تین چار گالیاں دیتے ہوئے جانکی دیوی کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کیا کہ بے چاری جانکی کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

اذیت اور ذلت کے احساس سے بے بس جانکی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

لیکن..... ایک بات کی اسے سمجھ آ گئی کہ ضرور کامنی نے کوئی چاند چڑھا دیا ہے تب ہی اس کے گھر والوں پر مصیبت آئی تھی۔

اس نے سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔

"چپ کرتی ہے یا....."

نیلم کماری نے نجانے کس طرح اسے دھمکایا تھا کہ خوف سے جانکی دیوی گنگ ہو کر رہ گئی۔

جس گاڑی میں اسے لے جایا جا رہا تھا اس کے شیشوں میں سے کچھ باہر کا منظر دکھائی دیتا تھا کیونکہ نیلم کماری نے جانکی دیوی کو اس طرح اپنی ٹانگوں کے درمیان بٹھایا ہوا تھا جیسے قربانی کے بکرے کو قصائیوں نے پکڑا ہوتا ہے۔

ڈرائیور کی سیٹ کے ساتھ آگے وہی لمبا تڑنگا نوجوان بیٹھا تھا جو پچھلے حصے سے اترا تھا۔

اب تک دونوں میں سے کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا نہ ہی نیلم کماری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے کوئی بات کی تھی.....

اچانک ہی جیپ میں لگے وائرلیس میں زندگی جاگی اس نوجوان نے مائیک اٹھایا تھا۔

"آپ کے لئے میڈم....."

یہ کہہ کر اس نے مائیک پیچھے بیٹھی نیلم کماری کی طرف بڑھا دیا۔

"یس۔"

نیلم کماری نے کہا۔

دوسری طرف پردیپ سنگھ تھا جس نے صرف "رپورٹ اوور" کہہ کر اسے بولنے کا موقعہ دیا تھا۔

"آن ٹارگٹ سر۔"

نیلم کماری نے مختصر جواب دیا۔

"ویل ڈن..... Comming (آ رہا ہوں) آؤٹ.....!"

کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

○ ○ ○

جو سلوک جانکی دیوی کے ساتھ ہوا تھا اس سے کچھ الگ سورج اگروال کے ساتھ بھی نہیں ہوا۔ بے چارہ سورج اگروال جس کا گناہ صرف کامنی اگروال کا باپ ہونا تھا پردیپ سنگھ کی شکل پر نظر پڑتے ہی گھبرا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرے پردیپ سنگھ نے اسے اپنا تعارف کروا کر اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا تھا۔

سورج اگروال نے اسے اپنی بے عزتی جانا۔ آخر وہ بھی ایک سرکاری آفیسر تھا اور اس کی بیٹی "را" کی آفیسر تھی' پردیپ سنگھ نے اپنا تعلق سی بی آئی سے بتایا تھا۔ یہ ان کی تربیت تھی کہ وہ کبھی اپنا تعارف اپنی اصلی ایجنسی کے حوالے سے نہیں کرواتے تھے۔

اس سے پہلے کہ سورج اگروال پردیپ سنگھ کو اخلاقیات سکھانے کی کوشش کرتا اس کے ہمراہی نے سورج اگروال کی گدی میں ہاتھ ڈالا اور اسے اٹھا کر جیپ میں پھینک دیا۔

غصے اور بے عزتی کے احساس سے کھولتے ہوئے سورج اگروال نے شاید بہت عرصے بعد کسی کو گالی دی تھی۔

لیکن..... اس گالی کا خمیازہ اسے برا بھگتنا پڑا۔

دو آدمیوں نے اسے جیپ کے اندر دھنک کر رکھ دیا اور سورج اگروال خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔

اس کے روئیں روئیں سے درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ بے عزتی کا احساس الگ سے جان کو آ رہا تھا لیکن صورت حال جانے بغیر بھی انہیں علم ہو گیا تھا کہ ضرور کامنی اگراول نے کوئی ایسی حرکت کر دی ہے جس کا انہیں اس طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا اور اب وہ معتوب ہو رہے تھے۔

جانکی دیوی اور سورج اگروال کو الگ الگ راستوں سے ایک ہی عمارت تک پہنچایا گیا تھا۔ یہ "را" کا مقامی انٹروگیشن سنٹر تھا۔ جہاں اب ان دونوں سے الگ الگ تفتیش کی جا رہی تھی۔

جانکی دیوی..... ہمارا تعلق فوج کے جاسوسی کے محکمے سے ہے کامنی اگروال دیش دروہی تھی وہ ایک مسلمان کے ساتھ بھاگ گئی ہے..... اور ہم نے اسے بھارت سے نکلنے نہیں دینا۔ وہ دیش اور دھرم کی غدار ہے۔ تم دھارمک عورت ہو۔ اپنے دیش اور دھرم سے تمہارا رشتہ کامنی سے زیادہ مضبوط ہونا چاہیے تمہیں اس کی گرفتاری میں ہماری مدد کرنی ہو گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا..... یا ہم سے کچھ چھپایا تو یاد رکھنا میں تمہیں زندہ گاڑ دوں گی۔

نیلم کماری نے جانکی دیوی کو پھاڑ کھانے والے لہجے میں بتایا۔

وہ الگ اسے ایک کمرے میں لے آئے تھے جہاں اسے ایک آرام دہ کرسی پر بٹھایا گیا تھا۔ نیلم کماری اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور ایک ٹیپ ریکارڈر اس کے سامنے رکھا تھا۔

نیلم کے منہ سے کامنی کا کارنامہ سن کر جانکی دیوی کو یوں لگا جیسے اچانک اس پر یمراج (موت کا فرشتہ) حملہ آور ہوا اور اس کی آدھی جان نکال کر اسے زندہ ورگور چھوڑ گیا ہو.....

وہ پھٹی پھٹی نظروں سے نیلم کماری کی طرف دیکھنے لگی پھر اچانک پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کامنی اگروال کو بددعائیں دینے لگی۔

"یہ سارا اس حرام خور شیلا کا کیا دھرا ہے۔ اس نے میری بچی کو گمراہ کیا ہو گا۔"

بالآخر اس نے کہا اور نیلم کماری چونکی۔

"کون ہے یہ شیلا۔"

اس نے پوچھا۔

اور..... جواب میں جانکی دیوی نے شیلا کے متعلق اسے مرچ مصالحہ لگا کر ساری کہانی سنا دی۔ لیکن نیلم کماری بہت زور لگانے کے بعد بھی ڈاکٹر شیلا کا موجودہ ایڈریس معلوم نہ کر سکی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

○ ○ ○

دوسری طرف کامنی کے پتا سے بھی کوئی مختلف سلوک نہیں ہوا تھا۔

ان کے ساتھ پردیپ سنگھ نے وہ کچھ کر دیا تھا۔ جس کا انہوں نے زندگی میں کبھی تھ بھی نہ کیا ہو۔ شام ڈھلنے تک تینوں گروپس جو الگ الگ تفتیش کر رہے تھے اس نتیجے پر پہنچ تھے کہ اگر کامنی کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ بھارت میں محفوظ ترین ہے تو وہ صرف ڈاکٹر شیلا ہے اب انہیں ڈاکٹر شیلا کو تلاش کرنا تھا۔ جس کی اطلاع اس کے گھر والوں کو بھی نہیں تھی۔ ا روز دوپہر تک وہ مختلف مفروضوں پر زور آزمائی کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے شیلا کے گ والوں کو اتنا ڈرایا دھمکایا تھا کہ اس کی بوڑھی ماں کو دل کا دورہ پڑا اور بمشکل وہ اس دورے جانبر ہو پائی تھی۔

دوپہر کے بعد تک "را" کے دہلی ہیڈ کوارٹر کا علم ہو چکا تھا کہ یہاں کسی کے پاس بھی کا ایڈریس نہیں ہے۔

اس کی آخری پوسٹنگ راجستھان میں ہوئی تھی جہاں سے بعد از خرابی بسیار اطلاع ملی شیلا نے سرکاری نوکری سے شادی کی افواہ پھیلتے ہی استعفیٰ دے دیا تھا اور اپنی نئی منزل کا کسی علم نہیں ہونے دیا تھا۔

"اس سالے جیکب پر کام کرو۔ اسے ڈھونڈو۔ آخر وہ دونوں زندہ ہیں۔ مر نہیں گئے کہیں نہ کہیں تو ملیں گے ہی۔"

پردیپ سنگھ نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے شیلا کے خاوند سے متعلق ممکنہ حد تک حاصل کردہ معلومات کو "را" مین کمپیوٹر سنٹر نے ملک کے کونے کونے میں پہنچا دیا تھا۔

شام گئے تک وہاں جیکب نام کے درجنوں ڈاکٹروں سے متعلق اطلاعات جمع ہو چ تھیں۔

اب اگلا مرحلہ شروع ہوا اور وہ یہ تھا کہ "اصلی ڈاکٹر جیکب کی تلاش۔"

رات گئے بالآخر انہیں گوہر مقصود ہاتھ لگ گیا اور ڈاکٹر جیکب کے تین چار ممکنہ ٹھکانو کا علم ہو ہی گیا۔

اب انہیں بیک وقت ان تمام ٹھکانوں پر ریڈ کرنا تھی جس کے لئے وہ خصوصی مہار رکھتے تھے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ رات ہونے تک انہیں ڈاکٹر جیکب کے دو چار ٹھکانے سکے وہ ملک کے چار الگ الگ صوبوں میں تھے۔ یہ وہاں کے ہسپتال تھے جہاں اس نام کے ا

اس مخصوص بیماری کے ماہر ڈاکٹر جیکب کام کر رہے تھے۔

ڈاکٹر جیکب کا شبہ شیلا کے باپ کی طرف سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد تھی۔

چار مختلف ٹیمیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ روانہ کر دی گئیں ۔ اس روز ہوائی اڈے کے ایک دور دراز حصے میں جو صرف "را" کے لئے مخصوص تھا موجود چاروں ہیلی کاپٹر ایک ہی مشن لے کر الگ الگ سمتوں میں روانہ ہوئے تھے۔

ان چاروں ٹیموں کے پاس ڈاکٹر شیلا کی تصویریں موجود تھیں تاکہ ان کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئے۔

پردیپ سنگھ خود راجستھان کی طرف عازم سفر تھا کیونکہ سب سے زیادہ ڈاکٹر جیکب کے ملنے کے امکانات یہیں پائے جاتے تھے۔

○ ○ ○

ڈیرہ دون میں کرنل مونگیا کے ساتھیوں نے چپہ چپہ چھان مارا تھا لیکن یہاں انہیں نہ کچھ لنا تھا نہ کچھ ملا۔ زیادہ تشویشناک بات تو یہ تھی کہ ابھی تک ان کا رابطہ کرنل مونگیا سے نہیں ا تھا۔ جو ماضی کی روایات کے برعکس تھا۔

کرنل مونگیا بڑا ایڈونچر پسند تھا وہ اپنے دشمن کو "سرپرائز" دینے میں مشہور تھا۔ لیکن اگھٹے تک اس کا رابطہ اپنے ہیڈ آفس سے نہ ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

اس کی جیپ میں بہت طاقتور وائرلیس سیٹ نصب تھا جس پر مسلسل پیغام بھیجے جا رہے لیکن دو دن سے انہیں کسی پیغام کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

تیسرے روز جب کیپٹن ناگرے نے ایس او ایس سگنل دیا تو دوسری طرف سے جواب موصول ہو گیا۔

لیکن..... حیرت انگیز طور پر یہ کرنل مونگیا نہیں بلکہ اس کی یونٹ کی ایک کمپنی کا کوئی تھا جو ان سے بات کر رہا تھا۔ یہ کمپنی "پونا صاحب" کے علاقے میں کوئی ایکسر سائز کر رہی

"کرنل صاحب دو روز پہلے اپنی جیپ یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے آج تک آنے کا وعدہ کیا تھا اور سختی سے تاکید کی تھی کہ کوئی وائرلیس پیغام موصول نہ کیا جائے۔ اب چونکہ ہمیں بھی تشویش ہونے لگی ہے اس لئے آپ کے پیغام کا جواب دے رہا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور.....

کیپٹن ناگرے کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور دال میں کچھ کالا تھا۔ ورنہ یہ کچھ ممکن نہ ہوتا۔ ان کرنل مونگیا کا اپنی جیپ اپنی یونٹ میں کھڑی کر کے غائب ہو جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جانتے تھے دوسرے لائق افسروں کی طرح کرنل مونگیا کو بھی "معاصرانہ چشمک" کا عارضہ لا ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے جیپ وائرلیس سے اس کے متحارب "را" کے لوگ کلیو تلاش کر کے اس کے کئے کرائے پر پانی پھیر کر اپنے نمبر بنائیں۔ اس لئے اس نے حر روایت اپنی جیپ یہاں کھڑی کر کے کسی پرائیویٹ کار کے ذریعے سفر کیا ہو گا۔ یا پھر کوئی طریقہ اپنایا ہو گا۔

"پلیز یہاں بہت ایمرجنسی ہے۔ آپ اپنی مقامی یونٹ سے درخواست کریں کہ کر مونگیا کو تلاش کرے۔ صورت حال بہت خطرناک ہے۔"

کیپٹن ناگرے نے اپنی درخواست دہرائی اور دوسری طرف سے اثبات میں جواب ملے بریگیڈیئر ملہوترہ سے رابطہ کر کے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

ملہوترہ کے لئے بھی یہ خبر تشویشناک تھی۔

"تم اپنے لوگوں کے ساتھ پونٹا صاحب کی طرف نکلو۔ فوراً۔"

اس نے مختصر سا حکم دے کر فون بند کر دیا۔

کیپٹن ناگرے کو اگر یہ حکم نہ بھی ملتا تو بھی اس نے مسوری کی طرف رخت سفر باند تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کرنل مونگیا ضرور اس طرف گیا ہو گا۔

اپنے تین نوجوانوں کے ساتھ وہ جیپ کو اڑاتا ہوا مسوری پہنچا تھا جہاں اس نے فورا مقامی پولیس چیف سے رابطہ کیا۔ کیپٹن ناگرے نے تو پولیس فورس کی مدد حاصل کرنے کے رابطہ کیا تھا لیکن یہاں سے جب اسے آج صبح ایک نامعلوم لاش ملنے کی خبر ملی جس کی تھوڑی دیر تک ایس پی آفس پہنچنے والی تھی تو وہ تصویر کا انتظار کرنے کے بجائے مقامی تھا طرف بھاگا۔ جہاں سے اجنبی لاش کو مردہ خانے روانہ کر دیا گیا تھا۔

کیپٹن ناگرے اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ جب مقامی سول ہسپتال کے مردے خانے ڈیوٹی پر پولیس کے دو جوانوں نے اسے روکنا چاہا تو اس نے دونوں کو دھکا دے کر ایک طرف کر د اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پائیں کیپٹن ناگرے کے عقب میں آنے والے اس کے جوانو اس پر قابو پا لیا۔

مردہ خانے میں صرف ایک لاش پڑی تھی۔

لاش کے منہ سے کپڑا ہٹا کر جب کیپٹن ناگرے نے اس کا چہرہ دیکھا تو گھبراہٹ سے چادر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس نے بمشکل اپنے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ آواز کا گلہ تھا۔

"اف بھگوان۔"

بالآخر کپکپائی آواز نے اس سے کہا۔

کیونکہ دوسری مرتبہ بھی کپڑا الگ کر کے دیکھنے پر نتیجہ مختلف برآمد نہیں ہوا تھا۔

اس کے سامنے کرنل مونگیا کی لاش پڑی تھی۔

"کرنل مونگیا مارا گیا۔"

اس نے سنبھل کر بے یقینی کے انداز میں سر ہلایا اور سارے جسم سے چادر اتار دی۔ شبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔

کیپٹن ناگرے جس رفتار سے اندر گیا تھا اس رفتار سے باہر آیا۔

"انہیں قابو رکھو۔"

اس نے دونوں پولیس گارڈز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے جوانوں کو حکم دیا اور خود کے وائرلیس سیٹ کی طرف دوڑا۔

سب سے پہلے اس نے بریگیڈیئر ملہوترہ کو یہ منحوس خبر سنائی تھی جس نے تین بار مختلف ز میں اپنا سوال دہرا کر اس بات کی تسلی کرنا چاہی تھی کہ کہیں کیپٹن ناگرہ کا دماغ تو خراب ی ہو گیا۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ایسی بات نہیں تو بادل نخواستہ اس نے یہ بات ہائی ن تک پہنچا دی۔

کیپٹن ناگرہ کو اس نے وہیں ٹھہر کر پوزیشن سنبھالے رکھنے کا حکم دیا تھا۔

قریباً" پندرہ بیس منٹ بعد نہیں آرمی کی ایمبولینس اور گاڑیاں اس طرف آتی دکھائی ا۔ یہ کرنل مونگیا کی یونٹ کے لوگ تھے جو اس کی لاش یہاں سے اٹھا کر فوراً" ملٹری ہسپتال گئے۔

کیپٹن ناگرہ نے دونوں پولیس والوں کو سختی سے تاکید کر دی تھی وہ اس واقعہ کا ذکر کسی نہیں کریں گے اور پولیس کی ہائی کمان سے کہہ دیا گیا تھا کہ لاش کو نامعلوم قرار دے کر اپنی زی کارروائی مکمل کر لے۔

کرنل مونگیا کی موت معمولی بات نہیں تھی۔ اس کا پوسٹ مارٹم فوراً" ہی شروع ہو گیا اور اگلے تین گھنٹوں میں اس کی مکمل پوسٹ مارٹم رپورٹ متعلقہ افراد کے سامنے پہنچ گئی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

مسوری میں موجودہ فوج کی سیکورٹی نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہاں موجودہ باقی تمام ایجنسیوں نے اپنے الگ الگ بندوبست کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

وہ شخص جس نے سب سے پہلے کرنل مونگیا کی لاش کی خبر دی تھی۔ مقامی سٹیشن ماسٹر تھا۔ جسے تھوڑی دیر بعد ہی اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا احساس ہو گیا کیونکہ صبح سے رات گئے تک درجنوں افسران سے الگ الگ الٹے سیدھے سوالات کر چکے تھے ابھی تک اس بے چارے کو کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ مرنے والا کون ہے۔

لیکن اسے آرمی انٹیلی جنس نے ضرور اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس کے گھر والوں کو مطمئن کر دیا گیا تھا اور سختی سے زبان بند رکھنے کی تلقین بھی کی گئی تھی۔

فوج اور پولیس کے اعلیٰ افسران نے وہاں کے چپے چپے معائنہ کیا تھا جہاں سے لاش ملی تھی۔

فوج کے تربیت یافتہ کتوں نے وہاں ایک اور شخص کے خون کی نشاندہی بھی کی تھی۔

شاید یہ قاتل کا خون تھا جس کے تعاقب میں کتے ایک کار کے ٹائروں کے نشانات تک گئے اور پھر پکی سڑک تک پہنچنے کے بعد اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر بھونکنے لگے کیونکہ اس سے آگے کار کے ٹائروں کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔

لیکن وہ جس سڑک تک آئے وہ شملہ کی طرف جا رہی تھی۔

○ ○ ○

پردیپ سنگھ کا ہیلی کاپٹر لینڈ کر رہا تھا جب اسے "پونا صاحب" سے کرنل مونگیا کی لاش اور اب تک ہونے والی تفتیش کی رپورٹ ملی۔

"ڈیم اٹ....."

اس نے غصے سے گلا پھاڑتے ہوئے کہا۔

مقامی ہسپتال پر اس کی جس ڈاکٹر جیکب سے ملاقات ہوئی اس کا شکار نہیں تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ہیلی کاپٹر پر "پونا صاحب" کی طرف عازم سفر تھا۔ اس نے اپنے مقامی ماتحت کو تمام تفصیلات ہیڈ کوارٹر کو دینے کی ہدایت کر دی تھی اور اب ہیلی کاپٹر کے وائرلیس ریڈیو کوارٹر سے اپنے ہیڈ کوارٹر میں بات کرنے کے بعد ان سے اگلی ہدایات موصول کر رہا تھا۔

طاہر نے کامنی کی آنکھوں میں نمی بڑی واضح محسوس کی تھی۔ وہ جانتا تھا اس وقت کامنی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ شیلا اور کامنی کی محبت کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ شیلا کو شاید اس بات کا علم نہ رہا ہو لیکن کامنی تو جانتی تھی کہ اب زندگی میں شاید ہی وہ اپنی دوست سے دوبارہ مل پائے۔

دونوں کچھ دیر تک خاموشی سے پیدل چلتے رہے۔ طاہر سمجھتا تھا کہ کامنی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ شاید وہ خاموش رہ کر کامنی کو اپنی حالت سنبھالنے اور نارمل ہونے کا موقعہ دے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں ایک دوسرے سے بات کر لینی چاہیے۔"

بالآخر اس نے خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔"

کامنی بے ساختہ مسکرا دی۔

دونوں نے ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھایا۔ طاہر کو اگر کامنی کی ذہنی حالت کی فکر دامن گیر تھی تو کامنی اس کے زخم سے متعلق پریشان تھی۔ ابھی تک زخم پر ٹانکے لگے تھے۔ طاہر کی پسلیاں بینڈیج سے محفوظ تھیں۔ اس لئے اس نے دونوں ہاتھوں پر اونی دستانے چڑھے رکھے تھے۔ یہی حال کامنی کا تھا۔ جس نے نہ صرف ہاتھوں پر دستانے بلکہ گرم کوٹ کے علاوہ اپنے سر پر گرم ٹوپی اوڑھنے کے بعد ایک شال سے اپنا منہ قریباً چھپا رکھا تھا۔ دونوں نے آنکھوں پر عینکیں چڑھا رکھی تھیں۔

شدید سردی کی وجہ سے یہاں کے لوگ ایک مخصوص قسم کی ٹوپی اپنے سر پر پہنتے تھے جو سر کے بعد کانوں سے ہوتی ہوئی گردن تک پہنچ جاتی تھی اور اس میں صرف پہننے والے کی آنکھیں ہی دکھائی دیتی تھیں۔ شیلا نے ان کے سامان میں یہ ٹوپیاں بھی رکھ دی تھیں لیکن دونوں نے انہیں استعمال کرنا فی الوقت مناسب نہیں جانا تھا۔

تھوڑی دور تک پیدل چلنے کے بعد انہیں اپنے اردگرد "یاتریوں" کی بھیڑ دکھائی دینے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

لگی۔ یہ وہ لوگ تھے جو مقامی میلے میں شرکت کرنے کے لئے آئے تھے۔ شدید سردی نے بھی نے ان کے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کیا تھا اور وہ سب زور زور سے اونچی اونچی آواز میں بھجن الاپتے اس پہاڑ کی طرف رواں دواں تھے جہاں ایک مندر میں آج کی مخصوص عبادت کی جا رہی تھی۔

اس بھیڑ کے بیچوں بیچ رستہ بناتے دونوں اطمینان سے اپنی اگلی منزل کی طرف رواں دواں تھے ایک مرتبہ پھر کامنی نے مسوری میں خریدے ہوئے "پیتامبر" اپنے اور طاہر کے کندھے پر ڈال دیئے تھے۔ اب وہ یاتریوں کی بھیڑ کا حصہ ہی بنے چل رہے تھے۔

کامنی تو نہیں چاہتی تھی کہ طاہر زیادہ دیر تک پیدل چلے لیکن طاہر کسی خطرے کو ایک لمحے کے لئے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اس نے کامنی کے کہنے کے باوجود پیدل چلنا ہی مناسب جانا۔ یوں بھی اب وہ جسمانی طور پر مکمل فٹ تھا۔ ڈاکٹر شیلا نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دونوں کو پیدل چلتے قریباً" پون گھنٹہ ہو گیا تھا اور اب وہ مختلف پہاڑی راستوں کا چکر کاٹنے کے بعد اس مقامی بس سٹینڈ تک آ گئے تھے جہاں سے چلنے والی ویگنیں اور بسیں شملہ جاتی تھیں۔ ان کو مقامی ٹرانسپورٹ ہی کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ سروس صرف سولان سے شملہ تک ہی چلتی تھی۔

دونوں ایک ویگن میں خاموشی سے سوار ہو گئے۔

ان کے اطوار سے یہی دکھائی دے رہا تھا جیسے نوبیاہتا جوڑا کوئی غت پوری کرنے کے لئے یہاں بادل نخواستہ اتنی سردی میں آیا ہو۔

سوالان سے شملہ تک اگر سرکاری ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کیا جاتا تو وہ دو گھنٹے میں پہنچ جاتے لیکن اس بس نے انہیں تین ساڑھے تین گھنٹوں میں پہنچایا تھا کیونکہ ہر پندرہ منٹ کے بعد اس کا اگلا سٹاپ آ جاتا تھا۔

کامنی اگروال نے یہ قدم بطور احتیاط اٹھایا تھا وہ جانتی تھی کہ ایسی مقامی قسم کی ٹرانسپورٹ کو زیادہ چیک نہیں کیا جاتا۔

شملہ میں زندگی اپنے مکمل جوبن پر دکھائی دے رہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکتی دھوپ نے سفید رنگ کے برف میں ڈھکے پہاڑوں پر سرمئی رنگ کا عجیب سا جال بن دیا تھا۔ ویگن ایک بس سٹینڈ کے نزدیک ہی آئی تھی دونوں اپنے اپنے بیگ سنبھالے۔ اب کسی "ڈھابے" کی تلاش میں رواں دواں تھے۔

کامنی کی خواہش تھی کہ طاہر کوئی بیگ نہ اٹھائے لیکن طاہر نے زبردستی دو بیگ سنبھالے ہوئے تھے جب کہ تیسرا بیگ کامنی کے پاس تھا جس میں طاہر کی دوائیں ۔۔۔ ضروری کا سامان رکھ

تھا۔ کامنی نے سوالان سے روانگی پر ہی پانی کی بوتل اپنے ساتھ کر لی تھی اور راستے میں ایک لمحے کے لئے بھی اسے دوا دینے میں چوک نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر شیلا نے بطور خاص ہدایت کی تھی کہ وہ طاہر کو بروقت دوا دیتی رہے کیونکہ شدید سردی اور بے آرامی کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں درد ہو سکتا تھا۔ البتہ وہ زخم میں ہونے والے ممکنہ انفیکشن کی طرف سے مطمئن تھی کیونکہ یہاں برف باری کی وجہ سے آلودگی کے زیادہ امکانات نہیں تھے۔ یوں بھی انفیکشن روکنے کا مکمل اہتمام اس نے کر دیا تھا۔

دونوں کچھ دیر پیدل چلتے اب ایک ڈھابے پر آ گئے تھے۔

ڈھابے کا مالک "پاپا سکھ" تھا جو اپنی بڑی سی توند کھدری ڈاڑھی اور میلی سی پگڑی سر پر لیے خود ایک تخت پوش پر رکھی بڑی سی فوم کی گدی پر آلتی پالتی مارے کمبل اوڑھے کاؤنٹر کے سامنے بیٹھا تھا جب کہ اس کے ملازم گاہکوں کی سیوا میں مصروف تھے۔

اس کی کاروباری نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ اس کے ڈھابے پر آنے والا یہ نوبیاہتا جوڑا کسی اچھے گھرانے کا لگتا ہے۔ اس لئے وہ خود اپنی سیٹ سے اٹھ کر گرم پانی جگ میں لے کر ان کی طرف گیا تھا۔

"مہاراج جی جل پانی (ہاتھ دھو) کر لیں۔"

اس نے طاہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سردار جی دھنواد۔"

یہ کہہ کر کامنی نے اس کے ہاتھ سے پانی کا جگ پکڑ لیا اور اپنی طرف سے مخاطب کر کے دال میں دیسی گھی کا تڑکا لگانے کی ہدایات دینے لگی۔

"اپنی نگرانی میں ذرا اچھی طرح بنوایئے۔"

اس نے اگلی بات کہہ کر سردار جی کو وہاں سے ہٹا دیا۔

سردار جی کو کامنی کے طور اطوار نے احساس دلا دیا تھا کہ وہ کوئی سرکاری قسم کی افسر ہے اور اپنے گھر والے کو بھی اس نے دبا کر ہی رکھا ہو گا۔ وہ لڑکوں کو اونچی آواز میں ہدایات دیتا واپس کاؤنٹر کی طرف چل دیا اور کامنی ڈھابے (ہوٹل) کے ایک کونے میں موجود واش بیسن پر اپنے ہاتھوں سے پانی انڈیلتے ہوئے طاہر کا ایک ہاتھ اور منہ دھلوا دیا تھا۔ اس نے طاہر کو سختی سے اپنا دوسرا ہاتھ دستانے میں ہی رکھنے کی تلقین کی تھی۔

یہاں گرم پانی کا جگ کسی وی آئی پی کو ہی پیش کیا جاتا تھا۔ ورنہ تو لوگ برفیلے پانی سے ہاتھ دھوتے تھے۔

کامنی اب طاہر کو لے کر ڈھابے کے ایسے کونے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے طاہر اطمینان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے ایک ہاتھ سے کھانا کھا سکتا تھا جبکہ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر ڈھابے کے اندر باہر اور سارا منظر دیکھ سکتی تھی۔

سردار جی نے واقعی خصوصی ہدایت کے ساتھ تڑکے والی دال اور پھلکے بھیجے تھے۔ دیگر لوازمات الگ تھے۔ کامنی کے بضد ہونے پر طاہر نے ضرورت سے زیادہ ہی سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے سے فراغت پر کامنی کے حکم پر سردار صاحب نے ایک اور جگ گرم پانی کا بھیج دیا تھا۔ جس سے دونوں نے ہاتھ دھوئے اور بل کی ادائیگی بھی اب کامنی نے کی تھی۔

اب تو سردار قسم کھا سکتا تھا کہ اس کا خاوند بالکل ہی "جھڈو" قسم کا آدمی ہے اور اس کے نیچے لگا ہوا ہے۔

دونوں اطمینان سے ڈھابے سے باہر آ گئے تھے.....!!!

کامنی طاہر کی جسمانی حالت کے پیش نظر اسے رات یہاں گزارنے کا مشورہ دے رہی تھی لیکن طاہر کے بضد ہونے پر بادل نخواستہ اس نے آگے سفر کا ارادہ کیا تھا کیونکہ طاہر کسی بڑے سٹیشن کی بجائے کسی چھوٹے سٹیشن پر رات گزارنا زیادہ مناسب سمجھتا تھا۔

کامنی کو بالآخر اس کی بات ہی ماننی پڑی اور شام تک کا وقت وہاں گزارنے کے بعد وہ ایک بڑی بس کے ذریعے ڈلہوزی کی طرف روانہ ہو گئے۔

بس شملہ سے سلی پوری ہوتی ہوئی "منڈی" پہنچتی تھی اور یہی ان کی منزل تھی۔ کامنی حیران تھی کہ طاہر کو اس سے زیادہ اس علاقے کی خبر کیسے ہے

رات ڈھل چکی تھی جب بس نے انہیں شہر کے وسط میں اتارا۔ دور دور تک کوئی دکان کھلی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ البتہ دو تین پرائیویٹ کاروں میں سکڑے سمٹے ڈرائیور ان کی طرف ضرور بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

"یس سر"

"یس میڈم"

تینوں نے بار بار انہیں مخاطب کیا تھا۔

"ادھر کوئی اچھا ڈاک بنگلہ ہے کیا"

طاہر نے افسرانہ لہجے میں ان سے دریافت کیا۔

"یس سر! یس سر! میں لے جاتا ہوں آپ کو۔"

ان میں سے ایک قدرے ڈھلتی عمر کے نوجوان نے کہا۔

"او۔کے"

طاہر نے شان تمکنت سے کہا۔

ابھی اس کے منہ سے یہ دو لفظ نکلے ہی تھے جب اس نے بجلی کی سی پھرتی سے ان کے تینوں بیگ اٹھا کر اپنی ٹیکسی کی طرف دوڑ لگا دی۔

باقی دونوں حسرت سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ بے چارے شاید ایک سواری کی امید پر ہی یہاں کھڑے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور کو یہی اندازہ ہوا تھا کہ طاہر کوئی بڑا سرکاری افسر ہے۔ یوں تو ان کے نزدیک یہاں آنے والا ہر شخص ہی کوئی بڑا آدمی ہوتا تھا لیکن طاہر تو اپنی چال ڈھال سے بھی کوئی بڑا آفیسر لگتا تھا۔

دونوں کو وہ جس ڈاک بنگلے میں لایا تھا اس کے باہر ایک کونے پر بورڈ پر لٹکتے بلب کی مدھم روشنی میں "سی آر پی ایف" (سنٹرل ریزرو پولیس فورس) کے الفاظ پڑھ کر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خوامخواہ مسکرا دیئے۔

کامنی نے تو یہاں سے کہیں اور جانے کا ارادہ باندھا تھا لیکن طاہر نے اس کا عندیہ بھانپ کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ مطمئن اور خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

طاہر نے جان لیا تھا کہ یہاں وہ خود نہیں آئے بلکہ قدرت انہیں لے کر آئی ہے ضرور اس میں کوئی حکمت ہی ہو گی۔

ان کا استقبال ایک مستعد گارڈ نے کیا تھا دونوں نے اپنا تعارف ڈاکٹرز کی حیثیت سے کرایا اور بغیر کسی تحقیق کے انہیں ایک آرام دہ کمرہ مل گیا۔

رات کا کھانا انہیں کمرے ہی میں مقامی میس سے سپلائی کیا گیا تھا اور اب وہ دونوں کمرے میں لگے آتش دان کے سامنے آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔

حیرت کی بات تھی کہ دونوں کو کسی سوال و جواب کے بغیر کمرہ ملا تھا۔ صرف طاہر نے رجسٹر پر شملہ کے ایک سرکاری ہسپتال ڈاکٹر ہو سٹلز کا اپنا ایڈریس لکھ دیا تھا۔ اس طرح اس نے خود کو ڈاکٹر ہی بتایا تھا۔

کامنی نے اطمینان سے یہاں اس کی بینڈیج تبدیل کی اور پرانی پٹیاں وہاں پھینکنے کے لئے انہیں ایک پولی تھن کے لفافے میں بند کر کے کمرے کی کھڑکی سے باہر اس نالے میں گرا دیا تھا جو پہاڑوں سے بہتا ہوا اس ڈاک بنگلے کی پشت سے گزرتا تھا۔ طاہر نے اسے اطمینان دلانے کے لیے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو اچھی طرح جنبش دی تھی تاکہ کامنی کو اطمینان ہو کہ اس کا زخم مندمل ہو چکا ہے اور ہاتھ بھی صحیح کام کر رہا ہے۔

کامنی نے بطور خاص دیکھا تھا کہ زخم نارمل تھا اور اس میں پیپ وغیرہ نہیں پڑی تھی۔ جو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بہت اچھا شگون تھا اب وہ اگلے روز اطمینان سے اس کے ٹانکے نکلوا سکتی تھی۔

دونوں رات دیر گئے تک آتش دان کے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کامنی نے اسے اپنے ماضی کی کہانیاں سنانی شروع کیں اور سناتی چلی گئی۔

اس نے اپنے بچپن لڑکپن جوانی اور عملی زندگی کا ایک ایک ورق کھول کر طاہر کے سامنے رکھ دیا تھا۔

طاہر ایک ماہر نفسیات کی طرح اس کی ایک ایک بات کا تجزیہ کر رہا تھا اور آدھی رات گئے جب بوجھل دل اور رندھے ہوئے گلے کے ساتھ اپنی کہانی ختم کرتے ہوئے بے اختیار وہ طاہر کے سینے سے جا لگی تو طاہر کو احساس ہوا کہ کامنی کے ساتھ کتنی زیادتی ہوئی ہے۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کامنی اپنے سماج میں کبھی مطمئن تھی ہی نہیں اور بچپن ہی میں اس کے اندر قدرتی طور پر ایک انقلاب جنم لے چکا تھا۔ یہ تبدیلی بہرحال رونما ہونی تھی۔

اس نے بہرحال حق سچ پر لبیک کہا تھا۔

طاہر کے بضد ہونے پر وہ بستر پر لیٹ گئی جبکہ طاہر زمین پر آتشدان کے نزدیک کمبل پھینک کر لیٹ گیا۔

دونوں تھوڑی دیر ہی سوئے تھے جب صبح ہو گئی۔

صبح کا ناشتہ بھی انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا۔ پھر ایک ٹیکسی وہیں منگوا کر اس کے ذریعے بظاہر یہاں کے سول ہسپتال کا رخ کیا کیونکہ انہوں نے یہی تاثر دیا تھا جیسے یہاں ان کا تبادلہ ہوا ہے۔

ٹیکسی کو رخصت کرنے کے بعد ہسپتال کے دوسرے دروازے سے نکل کر دونوں پیدل چلتے بازار کے ایک کونے میں بس سٹینڈ تک پہنچے۔ جہاں سے ایک بس کے ذریعے اب وہ ڈلہوزی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر شیلا معمول کے مطابق اپنے کلینک سے فارغ ہو کر کچھ دیر ستانے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آئی تھی۔ وہ دوپہر کو تین گھنٹے کا وقفہ کرتی تھی۔ اس دوران لنچ اور کچھ دیر سونے کے بعد پھر رات دیر گئے تک وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔

کامنی کو یہاں سے گئے آج دوسرا دن تھا اور اس کا دل کہتا تھا کہ وہ دونوں جہاں بھی ہیں' ضرور اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گئے ہوں گے۔

ڈاکٹر جیکب کا کورس وہی چل رہا تھا اور آج ہی اس نے شملہ سے فون کر کے شیلا کی خیریت بھی معلوم کی تھی۔

ڈاکٹر شیلا نے اپنی دانست میں کوئی ایسا نشان گھر میں نہیں رہنے دیا تھا جس سے کامنی اور طاہر کی یہاں موجودگی کا شائبہ بھی گزرتا ہو۔

آج مقامی میلہ ہونے کی وجہ سے مریض کچھ زیادہ ہی آئے تھے اور دو تین شدید زخمیوں کو داخل کرنا پڑا تھا۔ شیلا قدرے تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی اور اب اپنے بستر پر گر کر لمبے لمبے سانس لے کر گویا تھکاوٹ دور کر رہی تھی۔ آج وہ اتنا تھک گئی تھی کہ اب اس کا دل کچن میں جا کر لنچ تیار کرنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

جیسے تیسے اس نے رات کے سالن کے ساتھ ایک روٹی زہر مار کی اور کپڑے بدل کر اپنے بستر پر گر گئی۔

اس نے اپنے اسسٹنٹ واڈیکر سے کہہ دیا تھا کہ شدید ضرورت پر بھی اسے نہ اٹھائے۔ واڈیکر خود ایک مکمل ڈاکٹر تھا اور اپنی مالکن ڈاکٹر شیلا کی انسان دوستی کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

اس نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر شیلا جیسی درد دل رکھنے والی ڈاکٹر نہیں دیکھی تھی جو بظاہر تو یہ پرائیویٹ ہسپتال چلا رہی تھی لیکن عملاً" صورت حال یہ تھی کہ یہاں آنے والے مریضوں کو کسی بھی جنرل ہسپتال سے زیادہ سہولیات حاصل تھیں۔

آدھے سے زیادہ مریضوں کا علاج یہاں مفت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی واڈیکر کو مریضوں پر غصہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بھی آتا کہ وہ جان بوجھ کر جنرل ہسپتال جانے کے بجائے یہاں کیوں چلے آتے ہیں کیونکہ ڈاکٹر شیلا ان کو ادویات بھی خود خرید کر دیا کرتی تھی۔

اس نے جب بھی ڈاکٹر شیلا کو اپنا رویہ بدلنے کے لیے کہا۔ شیلا مسکرا کر رہ جاتی۔ اس نے واڈیکر سے ایک روز کہا کہ مقامی آبادی کی غربت کا اندازہ کیا اسے نہیں ہے؟ یہ لوگ کہاں سے اتنے مہنگے علاج کے لئے پیسے لائیں؟ اور ڈاکٹر شیلا کی مجبوری یہ تھی کہ اسے یہ ہل سٹیشن بہت پسند آیا تھا اور وہیں بسیرا کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت ہسپتال میں واڈیکر اور دو نرسیں اپنے کام میں مصروف تھیں اور ڈاکٹر شیلا اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اچانک وہاں ایک طوفان بدتمیزی گھس آیا۔

چار جیپیں یکے بعد دیگرے وہاں آ کر رکیں جن میں سے سویلین کپڑوں میں ملبوس آٹھ دس جوان جنھوں نے ہاتھوں میں آٹو میٹک اسلحہ تھام رکھا تھا' ہسپتال میں گھس آئے۔ انہوں نے یہاں داخلے کے لیے جو غیر مہذب طریقہ استعمال کیا تھا' اس نے واڈیکر کا پارہ چڑھا دیا۔

تین چار دیوار پھاند کر' باقی سامنے اور پیچھے کے دروازے سے اندر آئے اور انہوں نے ہسپتال کے مختلف کونوں میں ایسے پوزیشن سنبھال لیں جیسے اچانک ہونے والے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی جاتی ہے۔

پردیپ سنگھ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ اوپر ایمرجنسی روم میں گھس آیا جہاں تین مریضوں کو گلوکوز کی بوتلیں لگی ہوئی تھیں اور ایک کونے میں واڈیکر اور دو نرسیں اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالے بیٹھے تھے۔

"شیلا کہاں ہے؟"

اس نے اندر گھستے ہی واڈیکر سے بڑی بدتمیزی سے دریافت کیا۔

"آپ کون ہیں؟"

واڈیکر نے قدرے خوف اور غصے سے ملے جلے جذبات سے پوچھا کیونکہ اس کے دونوں ساتھیوں نے وہاں لیٹے مریضوں کے نزدیک پہنچ کر انہیں گھورنا شروع کر دیا تھا جیسے وہی ان کے مطلوبہ ملزم ہوں۔

"شٹ اپ ـــــ تم ہے جو پوچھا جائے' اس کا جواب دو۔"

پردیپ سنگھ نے واڈیکر کو گالی دیتے ہوئے کہا۔

واڈیکر کو اس سے گالی کی توقع نہیں تھی۔ اس نے زندگی میں شاید ہی کسی سے گالی کھائی ہو۔ بے عزتی اور نرسوں کے سامنے ـــــ اس صورتحال نے اس کا دماغ گرم کر دیا۔

"کیا بکتے ہو؟ تمیز سے بات کرو۔ یہ ہسپتال ہے۔ تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ بات کیسے کی جاتی ہے؟"

واڈیکر نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"سالے تجھے تو پہلے سیدھا کر لوں۔"

یہ کہہ کر پردیپ سنگھ نے واڈیکر کے منہ پر اتنا زور سے تھپڑ مارا کہ وہ سامنے کی دیوار سے ٹکرا کر گر پڑا۔

دونوں نرسیں خوفزدہ ہو کر اسے لعن طعن کر کے واڈیکر کی مدد کو آگے بڑھیں تو پردیپ سنگھ نے انہیں بازوؤں سے جھٹکے دے کر الگ کر دیا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے ان کی طرف بندوقیں تان لی تھیں۔

حیرت انگیز طور پر واڈیکر خوف زدہ ہونے کے بجائے غصے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور پردیپ سنگھ کی طرف بڑھا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے...... اگر تم کوئی سرکاری آدمی ہو تو یاد رکھنا' تمہیں اس تھپڑ کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں.... تمہیں کیا کام ہے.....؟ اور یہ کیا طریقہ ہے؟"

اس نے بدقت تمام اپنے منہ میں پردیپ سنگھ کے لیے آنے والی گالیوں کو روک کر محض یہی کہا۔

"کہاں ہے اس کا کمرہ......؟"

پردیپ سنگھ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

دونوں نرسیں جو سہم کر خوف سے کانپ رہی تھیں' اب ان میں سے ایک باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

دوسری نے اس مصیبت سے نکلنے کی شاید یہی آسان ترکیب سوچی کہ واڈیکر کے مزید کسی اشتعال نما جواب سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"اوپر ـــــ میڈم اوپر رہتی ہیں۔"

"دیکھو تمہیں جو بھی بات کرنی ہے' مجھ سے کرو۔ اس وقت میڈم کو......"

واڈیکر کی بات نامکمل ہی رہ گئی۔ جب پردیپ سنگھ نے اسے دھکا دے کر ایک طرف کیا جدھر نرس نے اشارہ کیا تھا۔ اس طرف کی سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے ابھی تک ان کی طرف بندوقیں تانی ہوئی تھیں۔

○ ○ ○

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

شیلا کی ابھی بمشکل آنکھ ہی لگی تھی جب ایک زوردار جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگ جیسے اچانک زوردار دھماکہ ہوا ہو اور شیلا کے پلنگ نے اسے سپرنگوں پر اچھال کر بٹھا دیا۔

یہ دھماکہ کسی بم کا نہیں بلکہ اس کے بیڈ روم کے دروازے کا تھا جو کسی نے بدتمیزی اورزور سے کھولا تھا کہ وہ اندر کی دیوار سے ٹکرایا اور زوردار آواز پیدا ہوئی۔ پریشان کن اور حیرت زدہ آنکھوں کے ساتھ ڈاکٹر شیلا نے دیکھا۔ دروازے کے عقب میں ایک لڑکی اس کی طرف پستول تانے کھڑی ہے۔

یہ نیلم تھی.....!

پردیپ سنگھ کی ماتحت..... جسے اپنے باس کی طرح کارنامے دکھانے کا شوق تھا۔

ابھی شیلا بمشکل سنبھل پائی تھی جب نیلم کے عقب میں اسے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا پردیپ سنگھ دکھائی دیا۔

ان کی شکلوں پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر شیلا کو بہت کچھ سمجھ آگیا۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اوسان بحال رہے۔

"تم ڈاکٹر شیلا ہو؟"

پردیپ سنگھ نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

"یس..... تم لوگ کون ہو؟"

جواب کے ساتھ اس نے پردیپ سنگھ سے بڑے کرخت لہجے میں اس کی شناخت بھی دریافت کر لی۔

پردیپ سنگھ نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کی ڈاکٹر نہیں ہے اور وہ قدرے محتاط ہو گیا تھا۔

"ہمارا تعلق آئی۔ بی سے ہے اور ہمیں آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔"

اس نے تربیت کے مطابق اپنی ایجنسی غلط بتائی۔

"کیا آئی۔ بی والے اس طرح شریف شہریوں کے گھروں میں داخل ہوتے ہیں۔"

شیلا کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔

"ہمیں افسوس ہے میڈم' لیکن یہ معاملات بہت سیریس ہیں۔ ہم دو خطرناک اور ملک دشمن ایجنٹوں کا تعاقب کرتے یہاں تک آئے ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ آپ کے پاس

موجود ہیں۔"

پردیپ سنگھ نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ میرے گھر میں بغیر تلاشی وارنٹ کے تمہیں داخل ہونے کی ہمت کیسے ہوئی؟"

شیلا نے نفسیاتی حربہ آزمایا۔

"دیکھئے میڈم..... یہ وقت ایسے سوالات کا نہیں ہے۔ آپ برائے مہربانی ہمارے ساتھ تعاون کریں اور میرے سوالات کے جوابات دیں۔ ہمیں قانونی طور پر آپ سے سوالات کرنے کی اجازت ہے اور اپنی حدود کا علم بھی ہے۔"

نیلم کے لئے اپنے باس کا یہ لہجہ قطعی اجنبی تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ پردیپ سنگھ کو اتنی تمیز سے گفتگو کرتے سنا تھا۔

شیلا اس دوران بستر سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھو مسٹر..... تم جو کوئی بھی ہو۔ میں صرف اس لیے تمہاری باتوں کے جواب دے رہی ہوں کہ میں ایک وطن دوست بھارتی ناگرک (شہری) ہوں اور میری وجہ سے اگر کوئی "دیش دروہی" (ملک دشمن) پکڑا جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔ لیکن تمہارے یہاں گھسنے کا طریقہ مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔"

اس نے بڑے نارمل لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری میڈم..... لیکن میں نے آپ کو بتایا ناں....."

پردیپ سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... میرے خیال' سے تمہارے سوراؤں نے اب تک میرے مریضوں کو خاصا ہراساں کر لیا ہو گا اور میرے گھر کی تلاشی بھی لے لی ہو گی۔ اس لئے برائے مہربانی تم لوگ سامنے ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ میں وہاں آکر تم سے بات کرتی ہوں۔ کسی خاتون کے بیڈ روم میں گھسنا سوائے بدتمیزی کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

یہ کہہ کر اس نے پردیپ سنگھ کا جواب سنے بغیر دروازہ ٹھک سے بند کر دیا۔

○ ○ ○

نیلم نے چاہا کہ دوبارہ دروازے کو لات مار کر کھولے..... لیکن پردیپ سنگھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے نارمل کر دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اس نے نیلم کو اشارے سے دوسرے کمرے میں آنے کے لیے کہا اور دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

"سالی پہنچ والی لگتی ہے۔ کوئی اور پھڈا نہ پڑ جائے۔ یہ بھی تو ممکن ہے ہمارا اندازہ غلط ہو۔"

اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نیلم سے کہا۔

دونوں یہ بات تو جانتے ہی تھے کہ ان کے ساتھیوں نے اب تک اس ہسپتال کا چپہ چپہ چھان مارا ہوگا۔

ڈاکٹر شیلا نے بظاہر تو باتھ روم کا رخ کیا تھا لیکن اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالنے کے فوراً" بعد اس نے بیڈ روم کے فون سے مقامی ایس پی کو جس کی ساری فیملی دونوں میاں بیوی کی مریض تھی' بڑی خاموشی سے اپنے ساتھ ہونے والی ایمرجنسی سے باخبر کر کے فوراً" پہنچنے کی درخواست کی تھی.....

اور.....

ایس پی نے اسے مطمئن رہنے کے لئے کہا تھا۔

تین چار منٹ بعد جب وہ بظاہر نارمل ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے یوں انہیں مخاطب کیا جیسے اپنے مریضوں سے بات کیا کرتی ہے۔

پردیپ کے اشارے پر نیلم نے اس کی طرف دونوں تصویریں بڑھا دیں..... دونوں کو وہ پہچانتی تھی۔

"آپ ان لوگوں کو جانتی ہیں؟"

پردیپ سنگھ نے دریافت کیا۔

"میں..... یہ تو میری بچپن کی سہیلی کامنی ہے۔ دوسری تصویر کس کی ہے' میں نہیں جانتی۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"غور سے دیکھئے۔ میڈم شاید آپ اسے بھی پہچان جائیں۔"

اس مرتبہ زہر خندہ مسکراہٹ کے ساتھ نیلم نے کہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں اور آپ سے بہتر اپنی نظر کے متعلق جانتی ہوں۔ میری آنکھیں بھی بھگوان کی کرپا سے بالکل صحیح ہیں۔"

اس نے قدرے تلخی سے جواب دیا۔

"آل رائیٹ..... آپ یہ بتا دیجئے کہ کل کامنی یہاں کیا کرنے آئی تھی۔" اپنی دانست میں پردیپ سنگھ نے بڑا زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

"کل..... یہ آپ سے کس نے کہہ دیا..... کاش! وہ میرے پاس آئے۔ اس نے تو میرے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔ ایسی بے وفا نکلی..... گھر والوں کی طرح اس نے بھی ملنا چھوڑ دیا۔ مجھے اس کی امید نہیں تھی۔ بہرحال دنیا شاید اسی کا نام ہے....." ڈاکٹر شیلا نے سوگوار لہجے میں کہا۔

"گویا آپ کو یقین ہے کہ وہ کل یہاں نہیں آئی تھی؟"

پردیپ سنگھ نے زہر خندہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"لک مسٹر..... میں ایک بات کا جواب ایک مرتبہ ہی دیا کرتی ہوں۔ شادی کے بعد سے میں کامنی کی شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں..... سمجھے تم..... وہ میری بچپن کی دوست ہے۔ میں نے اس سے کب انکار کیا۔ اب تو وہ انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ اگر وہ کوئی قاتلہ بھی ہوتی تو بھی میرے اس کے لیے یہی جذبات ہوتے۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں اسے جانتی بھی نہیں..... لیکن وہ یہاں کبھی نہیں آئی..... شادی کے بعد کبھی نہیں آئی۔ حرام خور..... الو کی پٹھی..... کاش.....! ایک مرتبہ مل جائے۔"

ڈاکٹر شیلا کالج کے زمانے میں بہترین اداکارہ مانی جاتی تھی اور آج اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کر رہی تھی۔

"دیکھئے میڈم..... ہمارے پاس اس بات کے مکمل ثبوت موجود ہیں کہ وہ آپ کے پاس آئی تھی اور اب وہ کوئی انٹیلی جنس آفیسر نہیں' ایک غدار ہے۔ جس نے اپنے دیش کو تباہ کرنے کی سازش میں حصہ لیا ہے۔"

پردیپ سنگھ قدرے جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔

"اگر تمہارے پاس ثبوت ہیں تو اسے یہاں سے برآمد کر لو..... اور خبردار میرے سامنے کامنی کے متعلق کوئی غلط بات نہ کہنا۔"

شہلا کے آخری نفسیاتی حملے نے تو اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ پردیپ سنگھ اگلا سوال کرے' سیڑھیوں سے مقامی ایس پی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اوپر آتا دکھائی دیا۔

○ ○ ○

"وٹس پرابلم.....؟"

اس نے ڈاکٹر شیلا سے ہاتھ ملاتے ہوئے دریافت کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"آپ کے یہ بہادر افسران یہاں مجرم ڈھونڈنے آئے ہیں..... شاید میں کوئی دہشت گرد ہوں کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔"

شیلا نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

پردیپ سنگھ کو اس دوران اطمینان ہو چکا تھا کہ واقعی وہ لوگ یہاں نہیں آئے اور اسے اس طرح حملہ آور نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"کون ہیں جناب آپ؟"

ایس پی نے پردیپ سنگھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اس طرف آیئے۔"

پردیپ سنگھ نے شاید اسے کوئی خاص اشارہ کیا تھا۔ دونوں دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی' اس کا اندازہ تو ڈاکٹر شیلا کو نہ ہو سکا لیکن تین چار منٹ بعد جب وہ باہر نکلے تو پردیپ سنگھ نے اس سے معذرت کرتے ہوئے درخواست کی تھی کہ وہ اس سارے واقعہ کو اپنے تک ہی محدود رکھے۔ اس نے شیلا سے کہا تھا کہ کامنی اگروال ایک غیر ملکی دہشت گرد کے ساتھ ملک کا بہت بڑا نقصان کر کے فرار ہو گئی ہے اور وہ لوگ اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگ وہ یہاں آئے تو برائے مہربانی انہیں خبر کر دے۔ اس کے ساتھ اس نے ڈاکٹر شیلا کو اپنا مقامی فون نمبر بھی دیا تھا۔

ایس پی نے خود بھی اس سے درخواست کی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک میز پر چائے پی رہے تھے جو ڈاکٹر شیلا نے ان کے لئے تیار کی تھی۔ اس دوران پردیپ سنگھ خود کو بہت شرمندہ محسوس کر رہا تھا اوراس نے واڈیکر کے ساتھ ہونے والے سلوک پر معذرت بھی کی تھی۔

لیکن..... پردیپ سنگھ نے یہ سب کچھ ٹھنڈے پیٹوں نہیں کہا تھا..... رائے قائم ہی نہیں کی جا سکتی۔ جب پردیپ سنگھ نے اسے کہا کہ کامنی نے اسے اصل صورت حال کہاں بتائی ہو گی' وہ اسے دھوکے میں رکھ کر اس کی مدد حاصل کرنا چاہتی ہو گی تو ایس پی نے یہ کہہ کر اسے لاجواب کر دیا تھا کہ ڈاکٹر شیلا کو ایک مرتبہ یہ علم ہونے کے بعد کہ کامنی اور اس کا ساتھی کون ہیں؟ اس سے چھپانے کی ضرورت نہیں اور وہ کامنی کی اصلیت جاننے کے بعد ضرور اسے بتا دیتی کہ وہ یہاں آئی تھی یا نہیں۔

اس علاقے میں ڈاکٹر شیلا اور اس کے خاوند کی سماجی حیثیت جاننے کے بعد ایک بات کا اندازہ تو "را" والوں کو ہو گیا تھا کہ اگر ڈاکٹر شیلا کے متعلق یہ ثبوت بھی مل جاتا کہ مفرور یہاں آئے تھے' اور شیلا نے ان کی مدد کی تھی تب بھی وہ ڈاکٹر شیلا کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر

لتے تھے۔

ان کے لیے صرف ایک ہی چانس تھا کہ وہ کامنی اگروال اورطاہر کو یہاں سے گرفتار کر یتے اور یہ چانس وہ کھو چکے تھے۔

گو کہ پردیپ سنگھ وہاں سے ناکام لوٹ آیا تھا' لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اور کٹر شیلا کی مستقل نگرانی کے لئے اپنے دو ماتحت وہاں چھوڑ آیا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ ہے بھی ممکن ہو' شیلا کے خلاف اس بات کا ثبوت حاصل کر لے کہ اس نے دونوں کو پناہ دی ی۔

یہ بات تو ثابت تھی کہ ان دونوں میں سے ایک زخمی ضرور ہے جس کا ثبوت انہیں وری میں مل چکا تھا۔ اب انہیں صرف اسی ایک کلیو کو بنیاد بنا کر انہیں تلاش کرنا تھا۔

اور..... یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک مرتبہ پھر دونوں ڈلہوزی کی طرف عازم سفر تھے۔

کامنی نے ابھی تک طاہر سے اپنی اگلی منزل نہیں پوچھی تھی' نہ ہی اس نے اپنی طرف سے طاہر کو ابھی تک کوئی صلاح دی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ طاہر کے ذہن میں تیار شدہ پلان کے مطابق ہی عمل کیا جائے کیونکہ وہ طاہر کو اپنا سب کچھ مان چکی تھی اور یہ سچائی اس پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ طاہر کو اپنا رہنما ماننے کا فیصلہ شاید اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔

علی الصبح جب وہ ڈلہوزی جانے والی بس پر سوار ہوئے تو انہیں دس فٹ کے فاصلے پر بھی کوئی شے ڈھنگ سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

دھند اور برف کے گالوں نے سارے منظر کو دودھیا کر دیا تھا اور طاہر کا دل اس وقت ڈاکٹر شیلا کے لیے بے پناہ احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو جاتا جب اسے احساس ہوتا کہ اگر شیلا زبردستی اسے لمبا گرم کوٹ نہ دیتی تو شاید اس کی ہڈیاں منجمد ہو جاتیں۔

اس نے کامنی کو زبردستی اپنی جیکٹ بھی پہنا دی تھی۔

سردی سے بچنے کے لئے انہوں نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنے جسم پر اتنا کچھ پہن رکھا تھا کہ ڈھنگ سے کسی کی شکل مکمل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

کامنی نے سر پر بھی گرم اونی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور اپنے منہ کو گرم مفلر سے اس طرح ڈھانپا ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں ہی بمشکل دکھائی دے رہی تھیں۔ طاہر کی طرح اس نے بھی ہاتھوں میں گرم اونی دستانے پہن رکھے تھے۔

طاہر نے تو اس سے بھی زیادہ اہتمام کیا تھا۔

شاید وہ زندگی میں کبھی وہ گرم ٹوپی نہ پہنتا جو کامنی اگروال نے ایک طرح زبردستی سے اسے پہنا دی تھی۔ جس نے اسے سر سے گردن تک ڈھانپ دیا تھا اور اس کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں جن پر عینک موجود تھی۔

طاہر نے بھی کامنی کی طرح گرم دستانے پہنے ہوئے تھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو خصوصاً

زیادہ حدت پہنچائے رکھنے میں کوشاں تھا۔

لیکن..... سردی جو ہڈیوں میں اتر رہی تھی' اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔ اسے اپنے ہاتھ ں درد کا احساس ہو رہا تھا۔

بہرحال یہ کوئی ایسا درد نہیں تھا جو اسے پریشان کرتا۔ یوں بھی اسے اب خود کو نارمل کھنا تھا کیونکہ کامنی کے لیے یہ اطلاع بڑی پریشان کن ہوتی کہ اس کے ہاتھ میں درد ہونے لگا ہے۔

بس ڈرائیور نے شاید بہت پہلے سے انجن سٹارٹ کیا ہوا تھا کیونکہ ڈیزل کی بو دور تک یل گئی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اسے دوبارہ بس کا انجن سٹارٹ کرنے میں کافی دقت پیش تی۔ یہاں تو سردی سے یہ عالم تھا کہ خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ڈیزل کی تو بات ا اور تھی.....

خدا خدا کر کے بالآخر بس چل پڑی۔

حیرت انگیز طور پر سواریاں پوری تھیں۔ ان میں زیادہ تعداد ملازم پیشہ یا پھر وہ نوبیاہتا ڑے تھے' جو ہنی مون منانے کے عزم سے ڈلہوزی جا رہے تھے۔ یہی روپ ان دونوں نے بھی ارا تھا۔

بس چلی تو کامنی نے بیگ سے گرم شال نکال کر طاہر اور اپنی ٹانگوں پر ڈال دی۔ طاہر اہر اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن کامنی کا جو تعلق اس سے بندھ گیا تھا' اس کے بعد طاہر کی ی بھی تکلیف سے بے خبر رہنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

"درد تو نہیں ہو رہا اب.....؟"

اس نے اچانک ہی طاہر سے دریافت کیا۔

"نہیں.....!"

طاہر نے بے ساختہ کہہ دیا۔

اور..... کامنی نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس نے طاہر ے ناں ناں کرنے کے باوجود کھڑکی کے ساتھ گرم چادر کی ایک ٹیک بنا کر طاہر کو اس کے ساتھ ں طرح بٹھا دیا تھا کہ اسے گرم چادر کی گرمائش کا احساس ہوتا رہے۔ اس کے بائیں طرف وہ د طاہر سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس طرح اس نے اپنی دانست میں طاہر کے بدن کو گرم کھنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ اب اس نے طاہر کا بایاں بازو اپنی گود میں رکھ کر آہستہ ستہ دبانا شروع کیا تو طاہر کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہونے لگا۔

اس کا درد کم ہونے لگا تھا.....!

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

قریباً" آدھ گھنٹہ تک بس رینگ رینگ کر چلتی رہی۔ اب وہ شہر سے باہر اسی پہاڑی سڑک پر آ گئے تھے جو ڈلہوزی جاتی تھی۔ انہیں آٹھ گھنٹے کا سفر طے کرنا تھا اور یہی وہ واحد بس تھی جو اپنی اچھی سروس کے لیے مشہور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شدید سردی میں بھی جب اپنے بستروں سے نکلنا ممکن نہیں' ڈلہوزی جانے والے مسافر اس بس تک پہنچ چکے تھے۔

کامنی کی نظریں بار بار اپنی گھڑی کے ڈائل پر جاتی تھیں۔ گھڑی کی سوئیاں جیسے ہی آٹھ پر پہنچیں' اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے تین مختلف گولیاں نکالیں۔ اپنے قدموں میں دھرے تھرماس سے چائے ایک کپ میں انڈیلی اور گولیاں طاہر کی طرف بڑھا دیں..... طاہر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"کم از کم دوران سفر تو نرسنگ بھول جایا کرو۔"

"چپ چاپ اچھے بچوں کی طرح نگل جاؤ۔ تمہیں ابھی یہاں کی سردی کا اندازہ نہیں۔ امید ہے کہ مجھے تمہارے منہ میں خود دوا نہیں ڈالنی پڑے گی۔"

کامنی نے تھرماس کا ڈھکن بند کرتے ہوئے کہا۔

طاہر اب اسے اپنی محبوبہ سے زیادہ محسنہ جاننے لگا تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن..... کامنی نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ مسیحائی کا جو انداز اپنایا تھا' اس نے طاہر کو بہت متاثر کیا۔

اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب کامنی کے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ گزشتہ تین دنوں سے اس کے چہرے پر جو سکون ٹھہر گیا تھا' اور جس طرح اس کی آنکھیں پرسکون رہنے لگی تھیں' اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اب اس کا ضمیر اپنے کسی بھی عمل پر مطمئن ہے اور اس کے دل اور دماغ میں اگر کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے کوئی جنگ جاری تھی تو وہ اب ختم ہو چکی تھی۔

ڈلہوزی تک کے سفر میں بس دو تین مرتبہ رکی تھی۔

خیریت گزری کہ راستے میں کوئی لینڈ سلائیڈنگ نہیں ہوئی تھی جس نے انہیں بروقت ڈلہوزی پہنچا دیا۔

دوران سفر انہوں نے صرف ایک جگہ چائے کے ساتھ بسکٹ کھائے تھے ورنہ تو کامنی بھی اس کی طرح سفر خالی پیٹ کرنے کی عادی تھی۔

○ ○ ○

ڈلہوزی میں بس جہاں رکی' وہاں تین چار بسیں پہلے سے موجود تھیں۔ یہاں خاصی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ سہ پہر کے چار بج رہے تھے اور دھوپ اپنے پورے جوبن پر تھی۔ ان کی نظروں کے سامنے تاحد نگاہ ڈھلان پر برف روئی کے گالوں کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ قدرت نے بڑی مہارت سے سارے منظر پر جیسے سفید چادر تان دی تھی' جس پر سورج کی سنہری کرنوں کا رقص آنکھوں کے لیے بڑا طمانیت بخش تھا۔

گرمیوں میں تو یہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی لیکن شدید سردی کے اس موسم میں یہاں کچھ زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ بس کے کلینر نے ان کا سامان جو دو بیگ پر مشتمل تھا' بس کی چھت سے اتار دیا۔

کامنی کے لیے ڈلہوزی کوئی نئی جگہ نہیں تھی۔ اپنی سٹوڈنٹ لائف میں اور پھر دوران سروس وہ متعدد بار یہاں آ چکی تھی۔ ایسے ہل سٹیشن ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہے تھے۔

طاہر کے لیے البتہ یہ جگہ اجنبی تھی۔ اسے ہماچل پردیش کا صرف نقشے کی حد تک ہی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے یہاں آنے سے پہلے ہی کامنی کو اپنا رہنما بنا لیا تھا اور اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اب یہاں انہوں نے جو تین دن گزارنے ہیں' وہ کامنی کی ہدایات کے مطابق ہی گزاریں گے۔

طاہر نے اپنے ذہن میں جو پلان بنایا تھا' اس کے مطابق انہیں یہاں تین چار دن گزارنے تھے۔ اس طرح اپنی دانست میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کر رہا تھا جب کہ کامنی کے لیے اس کا یہاں تین چار روز قیام اس لیے باعث طمانیت تھا کہ اس کے زخم کے ٹانکے کھلنے کے بعد اس طرح اس کا زخم مندمل ہو سکتا تھا۔

اب طاہر بھی مستقل دستانے پہنے رکھنے سے کافی الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ کیونکہ اس نے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اپنے جسم اور ہاتھوں پر کپڑوں اور دستانوں کا اتنا زیادہ بوجھ لادا تھا۔

طاہر کے منع کرنے کے باوجود کامنی نے ایک بیگ خود اٹھا لیا تھا جب کہ سفری بیگ پہلے ہی سے اس نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ تو طاہر کو بوجھ اٹھانے ہی نہیں دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔

دونوں آہستہ آہستہ بس اڈے سے باہر آ رہے تھے۔

کامنی اگروال کے ساتھ ساتھ اب وہ اس سڑک پر پیدل چل رہا تھا جس نے انہیں کامنی کے ذہن میں محفوظ ہوٹل تک لے جانا تھا۔

دھوپ اب ڈھلنے لگی تھی.....!

ڈھلتی ہوئی مدھم دھوپ کے ساتھ فضا میں شاہبری' آخرے' رسونت اور خودرو بیلوں کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ملی جلی خوشبو تیر رہی تھی۔

دیودار کے گھنے جنگلوں کا سلسلہ سڑک کے دونوں اطراف پھیلتا چلا گیا تھا۔ خوشبو کی یہ لہر ان درختوں اور پالک نما بچھو بوٹی سے ٹکرانے کے بعد ان کے دل و دماغ میں اتر رہی تھی۔

طاہر کو قدرے آسودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

سڑک کے ایک کونے پر ایک قطار میں تین چار ڈھابے بنے ہوئے تھے اور اس بس کے مسافر ان ڈھابوں کے سامنے رکھے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھ کر سستا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چھ سات جوڑے اور بھی اس طرف آ گئے تھے۔

یہ سب لوگ یہاں ہنی مون منانے آئے تھے اور وہ بھی فی الوقت ایک نوبیاہتا جوڑے کی حیثیت سے یہاں وارد ہوئے تھے۔

ڈھابوں کے اندر تیل کے چولہے جل رہے تھے جن پر دھری لوہے کی کڑاہیوں میں بڑی بڑی توندوں والے بھاپے سکھ گوبھی' آلو' بینگن اور سبز مرچوں کے پکوڑے تل رہے تھے۔ پوری بھاجی' آلو کے پراٹھے اور ٹکیاں۔۔۔۔۔۔ ان کڑاہیوں سے نکال نکال کر لوہے کی بڑی بڑی چھلنیوں پر پھینکتے چلے جاتے جو پلک جھپکنے میں سامنے بنچوں پر موجود کھانے والوں کے سامنے پہنچ جاتیں۔

ان کے ملازمین جنہوں نے اپنے سرخ رنگین مفلروں میں لپیٹ رکھے تھے' میلے کچیلے سویٹر اور کوٹ پہنے بھاگ بھاگ کر گاہکوں تک گرم گرم پلیٹیں پہنچا رہے تھے۔ اس دوران ڈھابے کے مالک انہیں برابر صلواتوں سے بھی نوازتے جا رہے تھے تاکہ ان کی کارکردگی کسی طور پر کم نہ پڑے۔

مٹی کے تیل کی بو ڈھابوں سے اٹھ کر فضا میں موجود خوشبو کے ساتھ مل کر اپنا الگ تاثر بنا رہی تھی۔

کامنی کے ساتھ طاہر ایک بنچ پر بیٹھ گیا تھا۔ ان کے سامنے دو انگریز ٹورسٹ بیٹھے تھے جن میں ایک قدرے درمیانی عمر کا مرد اور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ دونوں پر یہاں کی سردی کچھ زیادہ اثر انداز نہیں ہو رہی تھی کیونکہ انہوں نے باقی لوگوں کے برعکس صرف ایک ایک جیکٹ اور پتلون پہننے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

اپنی کمر سے بندھے بوجھ کو انہوں نے اتار کر ایک طرف رکھ دیا تھا اور اپنے سامنے دھرے چائے کے مگ اپنے ہونٹوں سے لگائے ان پکوڑوں کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جو کامنی نے اپنے اور طاہر کے لیے منگوائے تھے۔ شاید وہ اپنے مخصوص بجٹ سے اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

طاہر نے ان کی اس کمزوری کو جان لیا تھا اور تھوڑی دیر ایک دوسرے سے علیک سلیک کے بعد اب دونوں ٹورسٹ ان کے ساتھ پکوڑے کھانے میں شامل ہو گئے۔

پندرہ بیس منٹ کی اس ملاقات نے انہیں آپس میں دوست بنا دیا تھا۔ دونوں جرمن تھے اور گذشتہ تین ماہ سے بھارت کی سیاحت پر نکلے ہوئے تھے۔

طاہر نے دائیں ہاتھ کا دستانہ اتار دیا تھا اور کامنی کو فکر دامن گیر تھی کہ کب وہ دوبارہ دستانہ پہن لے۔

طاہر نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اسے اب دستانے پہننے سے الجھن سی ہونے لگی جب کامنی نے بالآخر اسے متوجہ کیا اور دستانہ پہننے کی تلقین کی۔

"کیا کہہ رہی ہے؟"

جرمن سیاح لڑکی نے پوچھا۔

کامنی نے اسے انگریزی میں بتایا کہ اپنے خاوند سے کہہ رہی ہے کہ دستانہ پہنے رہے ورنہ اسے انفلوئنزا ہو جائے گا۔

وہ لوگ حیرانگی سے کامنی کی طرف دیکھنے لگے جسے خود سے زیادہ اپنے "خاوند" کی فکر دامن گیر تھی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے جرمن جوڑا رخصت ہو گیا۔ طاہر جانتا تھا کہ انہیں کسی سستی رہائش کی تلاش ہو گی جس کے بعد وہ گانجے کی تلاش میں نکل جائیں گے۔

کامنی اسے اب اوپر لے جا رہی تھی۔ قریباً ایک فرلانگ مزید اوپر جانے کے بعد وہ کامنی کے مطلوبہ ہوٹل "سنی ویو" میں پہنچ گئے۔

مسلسل سیڑھیاں چڑھنے سے ان کے جسموں کو قدرے گرماہٹ نصیب ہوئی تھی اور اب وہ دونوں بھاری بھرکم کپڑوں میں قدرے الجھن سی محسوس کرنے لگے تھے۔

مسٹر اینڈ مسز آکاش ملہوترہ کے نام پر طاہر نے کمرہ بک کرایا اور کمرے میں پہنچتے ہی اپنے کوٹ' ٹوپی' مفلر اور دستانوں سے نجات حاصل کر لی۔

کمرے کے ایک کونے میں چمنی کے نیچے آتش دان میں آگ روشن تھی۔ دونوں وہیں دھری کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کامنی نے سامان سلیقے سے لگا دیا تھا اور اب بیرے کو کافی لانے کا آرڈر دے کر طاہر کے پاس آ گئی تھی.....

"آج آپ کو اپنے ٹانکے کھلوانے ہیں۔ میرے خیال سے کسی مقامی ڈاکٹر سے مل لیتے ہیں۔ یہاں کے سرکاری ہسپتال کا بھی مجھے علم ہے۔"

اس نے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"نو..... کامنی ہمیں معمولی سا خطرہ بھی مول نہیں لینا۔"

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا مطلب.....؟" کیا آپ اپنا ہاتھ ایسے ہی رکھیں گے؟"

"نہیں کامنی اس طرح تو زخم خراب ہونے کا خطرہ ہے----- یہ ٹانکے آج ہی کھلیں گے لیکن انہیں ڈاکٹر نہیں' میں خود کھولوں گا۔"

طاہر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے' خدانخواستہ....."

کامنی نے پہلی مرتبہ "خدانخواستہ" اپنے منہ سے کہا تھا اور بات نامکمل چھوڑ دی۔

"مطمئن رہو..... کچھ نہیں ہوتا۔ یہ معمولی کام ہے..... پہلے اطمینان سے کافی پی لو۔"

طاہر نے اسے تسلی دی۔

کامنی اب بھی یہی کہہ رہی تھی کہ انہیں خطرہ مول نہیں لینا چاہیے لیکن طاہر نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا کہ اس نے مکمل ڈسپنسنگ کا کورس کیا ہوا ہے۔ اور کامنی نے اس کی بات کا یقین کر لیا کیونکہ طاہر کے ہاتھوں اس نے انجکشن لگوایا تھا اور یہ بھی مان لیا تھا کہ وہ ادویات کا علم بھی جانتا ہے۔

اس سب کے باوجود وہ بادل نخواستہ ہی اس کام کے لئے تیار ہوئی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ بیرا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ طاہر اپنا ہاتھ اس سے چھپانے کے ارادے سے باتھ روم میں چلا گیا۔

کامنی نے برتن میز پر رکھوا کر بیرے کو بل اور ٹپ دے کر فارغ کر دیا اور "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سائن کمرے کے باہر لٹکا کر دروازہ بند کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں آگ کے سامنے بیٹھے کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

○ ○ ○

"آؤ اب اس سے نجات حاصل کر لیں۔"

طاہر نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا اور کامنی نے بیگ میں رکھا ہوا سارا سامان نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

طاہر نے اس کے سامنے ایک پیالے میں سپرٹ ڈال کر اس میں اپنے پاس موجود چھوٹی سی قینچی ڈالی اور کامنی نے اس کے ہاتھ سے پٹی اتار کر زخم ننگا کر کے اس کی ہدایات کے

مطابق زخم پر میڈی-سن پاؤڈر چھڑک دیا۔

"شاباش----- اب یہ قینچی پکڑو اور احتیاط سے اوپر والی آخری سٹچ کا دھاگہ کاٹ دو۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

"طاہر مجھ سے نہیں ہو گا۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔"

وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔

"ارے پھر کیا----- یہ جو کچھ تم کر رہی ہو' کیا ایسے پہلے بھی کیا تھا-----؟ بھئی حالات اور وقت کے مطابق سب کچھ کرنا پڑتا ہے..... کم آن کامنی.....! تم انٹیلی جنس چیپ Chap ہو۔ تمہیں تو سب کچھ کرنے کے لیے تیار رکھا جاتا ہے..... کیری اون.....!"

اس نے اس انداز سے کہا کہ کامنی بے ساختہ ہنس دی۔

اور..... حیرت انگیز طور پر اس نے طاہر کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اس کی تمام سٹچز بڑی آسانی سے نکال دیں۔

ڈاکٹر شیلا تو ویسے ہی کمال کی سرجن تھی لیکن طاہر کے لئے تو اس نے بطور خاص بڑی مہارت دکھائی تھی۔ کیا مجال جو ٹانکے نکلنے کے بعد ہاتھ پر معمولی سے نشان بھی باقی رہے ہوں۔

"ویل ڈن کامنی..... ویل ڈن ڈاکٹر شیلا..... تھینک یو.....! تھینک یو ویری مچ.....! اگر زندہ رہے تو تمہارے اس احسان کا شکریہ ضرور ادا کریں گے۔"

طاہر نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو باری باری جنبش دیتے ہوئے کہا۔

کامنی کا دل بھر آیا۔

اسے شیلا بے اختیار یاد آ گئی۔ تب اس نے دل ہی دل میں اپنا یہ عہد دہرایا کہ وہ بھی اس سہیلی سے کبھی الگ نہیں ہو گی۔

اس کی آنکھوں میں اچانک نمی سی اتر آئی تھی۔ اپنی دلی کیفیات جو اب چہرے پر آنے لگی تھیں' طاہر سے پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے سارا سامان اٹھا کر باتھ روم کا رخ کیا اور وہاں پیالہ وغیرہ دھو کر وہ باہر نکلی تو بالکل نارمل ہو چکی تھی۔ طاہر کے زخم پر معمولی سی مرہم پٹی کرنے کے بعد اس نے طاہر کے ہاتھ سے اترنے والا سب کچھ ٹوکری سے نکال کر ایک پولی تھین بیگ میں بند کیا جو اس مقصد کے لئے اس نے پہلے ہی سے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے اور ٹیپ سے بند کر کے باتھ روم والی ٹوکری میں رکھ آئی۔

طاہر کی ہتھیلی باہر سے صاف تھی۔ اندرونی طرف البتہ دوا لگانے کے بعد کامنی نے ڈاکٹر کی طرف سے ملی ہوئی بینڈیج لگا دی تھی جس کو مٹھی بند کر کے چھپانا بہت آسان تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"تمہاری دوست بہت عظیم عورت ہے کامنی...... اسے واقعی تمہاری ہی دوست ہونا چاہیے تھا۔ کامنی اپنا دل بوجھل نہ رکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ زندگی میں تم دونوں ضرور آپس میں ملتی رہو گی اور میں اپنی بساط بھر کوشش کے ساتھ ایسا ممکن بناؤں گا۔"

کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے دور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

کامنی خاموشی سے اس کے برابر آ کر کھڑی ہو گئی۔۔۔۔ کھڑکی کے سامنے سے پردہ ہٹا کر وہ باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔

ان کی کھڑکی کے سامنے ہوٹل کا طویل گہرا سبز لان موجود تھا' جہاں رنگ برنگی کیاریاں دھنک کا سا سماں باندھ رہی تھیں۔

سورج کی کرنیں شاید سارے ڈلہوزی سے سمٹ کر سنی ویو ہوٹل کے اسی لان پر مرتکز ہو گئی تھیں جہاں بھارت کے مختلف کونوں سے آئے نوبیاہتا جوڑے اور کچھ فیملیز اپنے بچوں سمیت قیام پذیر تھیں۔

ان کی نظر بھی سرداروں کے ان کینوپیوں پر ٹکی تھیں جو ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کرتے لان میں بچھی کینوپیوں کے گرداگرد چکر کاٹ رہے تھے۔

طویل لان کے کونوں پر خوبصورت ریلنگ موجود تھی جس کے بعد پہاڑیوں کے چھوٹے چھوٹے سلسلے شروع ہو جاتے تھے۔

ان پہاڑیوں کے دامن سے جھانکتے جنگلوں کی اوٹ میں سورج ڈھل رہا تھا۔ سبز درختوں پر اس کی سنہری کرنیں شام کا آخری سلام کر رہی تھیں اور پہاڑیوں کی سرسبز چوٹیاں سورج کا کرمزی پیرہن اوڑھ رہی تھیں۔

سبز پہاڑوں کے دامن میں کہیں کہیں جمی برف پر سورج کی کرنوں کا رقص جاری تھا اور اس رقص کے دامن سے سنہری روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

○ ○ ○

سطح سمندر سے دو ہزار میٹر کی بلندی پر واقعہ ڈلہوزی سلسلہ کوہ دھولدار میں پانچ پہاڑیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ بیلوں' ٹھکام' پترہن' لنڑا اور بکروٹہ۔۔۔۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں خوبصورت وادیاں' گھنے جنگلات' بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں انسانی آنکھ کے لیے بے پناہ حیرت اور سبحان تیری قدرت کے نظارے وا کرتی چلی جاتی ہیں۔

ڈلہوزی کی وادیوں کے گہرے سرمئی شبالی پہاڑیوں کا پانی جتنا گدلا ہے' راوی کا اتنا ہ

دودھیا اور شفاف۔۔۔۔!

گرمیوں میں چمکتے اور سنہرے دنوں میں ان شبالی پہاڑیوں کے درمیان سے بہتے ان دریاؤں کو دیکھنے کے لیے سارا بھارت یہاں امڈا چلا آتا ہے۔ مقامی اور غیر مقامی سیاح دریاؤں سے پھوٹتے ندی نالوں کے کنارے گھنٹوں بیٹھے قدرت کی اس فیاضی سے جی بھر کے لطف اندوز ہوتے ہیں۔۔۔۔ جہاں کہیں دریا قدرے میدانی علاقوں میں گزرتے ہیں' وہاں ساحلوں پر ریت اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کی تہہ بچھائے چلے جاتے ہیں۔

کسی نامعلوم جذبے کے اسیر طاہر نے کھڑکی کا پٹ کھول دیا تھا اور باہر سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے مشام جان کو معطر کر گیا تھا۔

کامنی اس کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔۔۔۔۔

دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا سننا چاہتے تھے۔

لیکن..... دونوں خاموش تھے..... سامنے لان میں کھیلتے بچوں پر دونوں کی نظریں ٹکی تھیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں کے معمول کے مطابق سورج ایک دم سے اپنے پیچھے سرخ رنگ کی لکیر چھوڑتا سبز پہاڑیوں کے عقب میں غائب ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی آسمان سے برفیلی خنکی اتر کر چپکے سے ہواؤں میں شامل ہو گئی۔۔۔۔۔

چھتنار درختوں سے لدے جنگل کی تاریکی اور ان سے لپٹے حشرات الارض کا شور ایک دم سے جاگ اٹھا۔

ہوٹل کی بیرونی روشنیاں جلنے لگی تھیں اور باہر لان میں بیٹھے جوڑے اور فیملیز ایک ایک کر کے اپنے کمروں میں سمٹ رہے تھے۔

ہوٹل کا ہیٹنگ سسٹم صرف مرکزی ہال کمرے کے لیے ہی تھا۔ پھر بھی اس نے اندر کے ماحول کو خاصا آرام دہ بنا دیا تھا۔

کامنی نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔

"منجمد ہونے کے ارادے ہیں کیا؟"

اس نے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔۔ واقعی سردی زیادہ ہی ہو گئی۔"

طاہر نے چونک کر جواب دیا۔

دونوں سامنے آرام دہ صوفے پر ڈھیر ہو گئے۔ کامنی نے ہیٹر کا سوئچ آن کر دیا کیونکہ اب سردی سے اس نے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"کامنی تمہیں علم ہے ہماری منزل کون سی ہے؟"

اچانک ہی طاہر نے اپنی دانست میں کامنی کو چونکانے کے لیے یہ سوال کر دیا تھا۔

لیکن...... حیرت انگیز طور پر کامنی جیسے پہلے ہی سے اس کے جواب کی تیاری کر رہی تھی۔

"ہاں..... میں جانتی ہوں۔ دراصل وہی میری منزل ہے۔"

کامنی نے بڑے پرسکون لہجے میں اطمینان سے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"کامنی ہمارے ہاں ایک کہاوت ہے کہ دوست کی پہچان مشکل وقت یا پھر سفر میں ہوتی ہے۔۔۔۔ اتفاق سے ہم نے دونوں جتجتیں پوری کر لی ہیں۔ میں اپنی کوئی بات دہرانا نہیں چاہتا کیونکہ میں عظمت کی ان بلندیوں کو چھو بھی نہیں سکتا جو تمہارا مقدر بننے والی ہیں۔۔۔۔ کامنی! تم عافیت میں آ گئی ہو۔۔۔۔ محفوظ ہو گئی ہو۔ تمہاری جستجو تمام ہوئی۔۔۔۔ شاید تمہارے لیے یہ اچنبھے کی بات ہو کہ میرے ملک کی طرف سے مجھے اب بھارت آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس مرتبہ وہ لوگ اس کے لیے تیار نہیں تھے..... لیکن میں نے زبردستی یہ فیصلہ کروایا..... میرا موجودہ سفر میرے پروگرام میں کبھی شامل نہیں رہا..... اب سوچتا ہوں کہ قدرت کے فیصلے کتنے اچانک اور جامع ہوتے ہیں..... انسان کی سوچ ان کا احاطہ کبھی نہیں کر سکتی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے کچھ تامل نہیں ہے کہ اصل میں یہ سارا گورکھ دھندا کاتب تقدیر نے مجھے تم سے ملانے کے لیے پھیلایا تھا۔"

اس نے کامنی کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

کامنی مبہوت ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھی......

اس نے بے اختیار اپنا سر طاہر کے کشادہ سینے پر رکھ کر اس کی بات کا جواب دیا کیونکہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

○ ○ ○

طاہر نے ڈنر ہوٹل کے مین ہال میں کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ یہاں سمٹ کر بیٹھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ کمرے میں بند رہ کر کسی کے لیے بھی سوالیہ نشان بن سکتے تھے۔

دونوں ہال کمرے میں آ گئے۔

ایک کونے میں دھری میز جس کے گرد دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، انہوں نے سنبھال لی ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا مین ہال بھر گیا۔۔۔۔۔

اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو، موسیقی اور ہال کے عین وسط میں بنے گول سٹیج پر کمر لچکاتی ناچتی لڑکیاں......

اب طاہر کو اچھی طرح سمجھ آ رہی تھی کہ یہاں زیادہ تر فوجی جوان کیوں آ رہے ہیں۔ ہوٹل کا بار روم اسی ہال سے منسلک تھا، جہاں لوگ باری باری جاتے اور شراب کے جام انڈیل کر کھانے پر ٹوٹ پڑتے۔

انہوں نے ہوٹل کا مینو دیکھنے کے بعد اپنے لیے مناسب کھانا منگوا لیا تھا..... دونوں دیر گئے تک یہاں بیٹھے کھانے کے بعد چائے سے دل بہلاتے رہے۔ جوں جوں رات ڈھل رہی تھی، ہال کے مرکزی سٹیج پر موجود رقاصاؤں کے کپڑے مختصر ہونے لگے تھے..... ان کے ڈانس ہیجان انگیز ہو رہے تھے۔

سٹیج رقاصاؤں کے ساتھ ساتھ شراب کے نشے میں بدمست لڑکے اور لڑکیاں بھی ہال میں گونجتی موسیقی کی دھنوں پر ناچ رہے تھے۔

شاید اب کامنی کے لیے ایسے مناظر میں دلچسپی کا عنصر باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے برعکس وہ خاصی بوریت محسوس کر رہی تھی۔

آج سے چند روز پہلے تک یہ ماحول اس کے لئے آئیڈیل تھا لیکن اب اُسے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے چہرے پر ابھرے ناگواری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ طاہر بڑی گہری نظروں سے اس کے نفسیاتی اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

یہ تبدیلی خوش آئند اور کامنی کے اندر پیدا ہونے والے انقلاب پر دلالت کرتی تھی۔

اس نے مسکرا کر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"چلو یہاں سے چلیں۔"

بالآخر کامنی نے کہہ ہی دیا۔

"کہاں.....؟"

طاہر نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

"کہیں بھی..... یہاں سے اٹھو۔"

کامنی نے باقاعدہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے..... جیسے تمہاری مرضی۔"

طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

رات انہوں نے کمرے میں بسر کی۔ طاہر فرش پر اور کامنی بستر پر سوئی تھی۔ خاصی دیر تک وہ بضد رہی کہ طاہر پلنگ پر لیٹے کیونکہ اسے زیادہ آرام کی ضرورت تھی' لیکن طاہر نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

علی الصبح جب طاہر اٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا تو کامنی اپنے بستر سے اٹھ کر زمین پر بیٹھ گئی اور اسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے طاہر نے بطور خاص اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ جس طرح صدق دل سے کامنی نے دین کی حقیقت کو جان کر قبول کر لیا ہے' اللہ اس کی مدد کرے اور اس کا ایمان مضبوط بنائے۔

کامنی بسا اوقات بالکل بچوں کی طرح ضد کرنے لگتی تھی۔ آج وہ بضد تھی کہ طاہر اسے بھی نماز پڑھائے' جس پر اس نے بالآخر کامنی کو اپنے پیچھے پیچھے قرآنی آیات دہراتے ہوئے نماز پڑھانی شروع کر دی۔

جس وقت کامنی نماز کے خاتمے پر دعا مانگ رہی تھی' اس کے چہرے پر بنا نور کا ہالہ آنکھوں کے راستے طاہر کے دل پر نقش ہو گیا۔ اس نے اپنے بزرگوں سے جن کرامات کی باتیں سنی تھیں' انہیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

کامنی نے دل ہی دل میں بڑی لمبی دعا مانگی تھی.....

اس کی شدید خواہش پر آج اسے کلمہ طیبہ پڑھانے کے بعد طاہر نے باقاعدہ دائرہ اسلام میں داخل کر لیا تھا۔

اس نے اپنی ایک مسلمان کلاس فیلو مریم کے نام پر اپنا اسلامی نام مریم تجویز کیا تھا۔ طاہر کو اس میں کیا اعتراض ہوتا۔ اس کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ البتہ اس نے کامنی سے ایک درخواست ضرور کی تھی کہ وہ ابھی سب کچھ صیغہ راز میں رکھے۔

ناشتہ انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا تھا-----

طاہر نے محسوس کیا کہ اب اس کے سر پر چادر مستقل ٹک گئی تھی اور اس نے شلوار قمیص پہن لی تھی۔

طاہر کی درخواست اور حالات کے پیش نظر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے میک اپ میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ دونوں کی کوشش تھی کہ وہ اپنی تصویروں سے کسی بھی طرح مختلف نظر آئیں اور اس میں ابھی تک وہ کامیاب بھی تھے۔

طاہر نے اب پگڑی اتار دی تھی لیکن ڈاڑھی برقرار رکھی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں کا سٹائل بڑی محنت کے بعد سر کے درمیان سے مانگ نکال کر کامنی نے تبدیل کر دیا تھا۔ اور

آنکھوں پر سفید شیشوں کی عینک لگانے کے بعد وہ اس عمر میں بھی خاصا سنجیدہ قسم کا کوئی سرکاری افسر دکھائی دیتا تھا.....!

کامنی نے اپنے بال ہائیڈروجن سے رنگ لیے تھے اور ڈاکٹر شیلا کے ہاں سے رولر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس کے گہرے کالے رنگ کے سیدھے بال اب بھورے رنگ کے گھنگھریالے بالوں میں تبدیل ہو چکے تھے اور جین جیکٹ پہننے کے بعد وہ کسی ماڈرن گھرانے کی ایسی بھارتی ناری بن گئی تھی جس کے ماں باپ نے زبردستی اس کی شادی ایک سنجیدہ سے سرکاری افسر سے کروا کر اپنی جان چھڑا لی ہو۔

اس مرتبہ اس نے جان بوجھ کر کمرے کے باہر مغربی اطوار اپنائے تھے۔ اور اپنے کانوں میں لمبے لمبے بندے ڈال کر ایسی مغربی دوشیزہ بننے کی اداکاری کی تھی' جس نے اپنے اوپر مشرقیت زبردستی طاری کر لی ہو۔

صبح کا ناشتہ انہوں نے اپنے کمرے میں کیا اور سورج نکلنے کے بعد باہر آ گئے۔ انہوں نے اب شام کا وقت کمرے سے باہر ہی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اپنے ایک بیگ میں کامنی نے ہر ایسی چیز ڈال لی تھی' جس سے اس کی پہچان ممکن ہو سکے اور وہ بیگ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

اپنے کمرے میں انہوں نے صرف کپڑے اور غیر ضروری سامان ہی چھوڑا تھا۔ رات والی بینڈیج انہوں نے باہر پھینکنے کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لی تھی کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں کمرے کی صفائی ممکن تھی۔

○ ○ ○

دونوں ہوٹل سے پیدل چلتے پتھنی چکر تک آ گئے جہاں سے انہوں نے باقی لوگوں کی لکھا دیکھی سفر کا آغاز کیا۔

ابھی زیادہ لوگ اس طرف نہیں آئے تھے اور سڑک قدرے ویران نظر آ رہی تھی۔ بتہ سڑک کے کنارے موجود ڈھابوں کے چولہے ضرور روشن تھے۔ سڑک کی خستہ حالی اس کی ٹ پھوٹ سے عیاں تھی۔ دونوں کناروں پر لگے درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے سوکھے پتے ا کے ساتھ سڑک پر کھڑکھڑاتے پھرتے تھے۔ فضا میں چاروں طرف ایک یاسیت سی طاری تھی۔

کامنی کے لیے یہ راستہ اجنبی نہیں تھا۔ وہ یہاں سے درجنوں مرتبہ گزری تھی لیکن آج بہا سفر جانے زندگی میں کب نصیب ہو؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے سوچا------

شاید یہ ڈلہوزی میں اس کی زندگی کا آخری سفر تھا۔ کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی اور کامنی نے چاہا کہ جی بھر کے اس ملکہ کہسار کے ایک ایک منظر کو اپنی آنکھوں کے راستے اپنے دماغ پر نقش کر لے۔

طاہر کو یہاں ہر شے شکست خوردہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ گہرے سبز پہاڑ کی روئیدگی والے کنجوں میں کہن سالی' دور قدیم کے بنے مقبروں کے حوض پانی سے خالی تھے اور ان پر کائی آلودہ شکستگی کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

سڑک کنارے لکڑی کے بنچ کئی جگہ درمیان سے ٹوٹ چکے تھے' البتہ ان کی لوہے کی ٹانگیں ابھی تک قائم تھیں جن کا رنگ کالے سے اب زنگ آلود ہونے کے بعد بادامی سا دکھائی دے رہا تھا۔ طاہر کو یوں لگا کہ جیسے وہ ان میں سے کسی سالخوردہ بنچ پر بیٹھے گا' وہ ٹوٹ کر نیچے گر جائے گی۔

کناروں کے ساتھ ساتھ البتہ قدرت کی فیاضی اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔ سڑکوں کے کنارے گہرے جنگلات کے ساتھ ساتھ دست قدرت نے رنگ برنگ شگوفوں والی گہری بیلوں کے جال تان رکھے تھے' جن سے جھانکتے یہ رنگارنگ پھول عجیب بہار دکھا رہے تھے۔

پہاڑوں کی گہرائیوں سے اٹھنے والی خوشبودار اور پھولوں سے لدی پھندی خوش رنگ بیلیں گھاٹیوں' کھائیوں اور گڑھوں سے اٹھ کر شکستہ اور ویران سڑک سے گلے ملتی دکھائی دیتی تھیں۔

گھنے درختوں کے جھنڈ اب مقامی محکمہ جنگلات کی مہربانیوں سے کہیں کہیں خالی خالی دکھائی دینے لگے تھے۔ درمیان سے درخت کاٹ کر فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ لکڑی کی چوری یہاں کی سب سے بڑی اور اہم ترین کرپشن تھی۔

ایک بات طاہر نے بطور خاص محسوس کی کہ یہاں بھارت کے باقی حصوں سے بھی کچھ زیادہ ہی غربت دکھائی دی تھی۔ راستے میں انہیں جتنے مقامی اور غیر مقامی لوگ آتے جاتے دکھائی دیئے' ان سب کے چہروں سے ایک بے نام سی نحوست ٹپک رہی تھی۔ رنگ و روپ سے عاری مرجھائے ہوئے بے رونق چہرے.....

سڑک کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں اگر کوئی عمارت دکھائی دیتی تو وہ بوسیدہ اور کائی آلود ہوتی۔ کبھی انگریزوں نے ذوق و شوق سے یہاں جو بنگلے اور ڈاک بنگلے بنائے تھے' اب وہ کھنڈرات کے ڈھیر بنتے جا رہے تھے۔ ان کے گرد جھاڑ جھنکار کے جنگل اگے ہوئے تھے۔

ڈاک بنگلوں کے بڑے بڑے لانوں پر خوبصورت اور خوش رنگ پھولوں کی جگہ ناتراشیدہ

اڑیوں نے لے لی تھی۔

دونوں ایک چھوٹی سی مارکیٹ میں داخل ہوئے تو وہاں موجود تمام دکانداروں کی للچائی ہوئی یرانہ قسم کی نظروں نے انہیں اپنے حصار میں جکڑ لیا.....

ہر دکاندار کی خواہش تھی کہ وہ اس کی دکان پر آئیں۔ کسی کسی دکان پر اکا دکا گاہک ائی دیتا تھا' ورنہ تو زیادہ تر دکاندار یہاں خالی ہاتھ مکھیاں ہی مار رہے تھے۔ طائرانہ نظروں سے ٹی چھوٹی دکانوں کا جائزہ لینے کے بعد بالآخر وہ ایک دکان میں جا گھسے۔

دکان کا مالک اپنے عقب میں لٹکی کسی دیوی کی تصویر کے نیچے "دھوف" جلا کر شاید لکشمی منتظر تھا۔

کامنی نے یہاں سے دو گہرے رنگوں کی عینکیں اور مقامی طور پر بنی دو الگ الگ قسم کی اں خریدیں۔ کچھ اور چیزیں بھی اس نے خریدی تھیں' اور طاہر کے جیب میں ہاتھ ڈالنے سے ، اس نے بڑی پھرتی سے اپنے پاس موجود پیسوں سے بل کی ادائیگی کر دی تھی۔

اس نے دکاندار کی ڈیمانڈ سے آدھی قیمت پر یہ چیزیں خریدی تھیں۔ جن میں دو شاندار م زنانہ چادریں بھی تھیں جو مقامی کاریگروں کی تیار کردہ اور یہاں کی سوغات دکھائی دے رہی ں۔

طاہر کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ ان چادروں کا مصرف کیا ہے لیکن اس نے خاموشی اختیار رکھی۔

دکان سے باہر آ کر جب کامنی نے گہرے رنگ کے بڑے بڑے شیشوں والی عینک اپنے ے پر لگا کر سر پر یہاں سے خرید کردہ فینسی گرم ٹوپی جمائی تو طاہر کے لئے بھی اسے پہلی نظر پہچاننا ممکن نہ رہا۔

"ونڈر فل.....!"

اس نے بے اختیار کامنی کو داد دی۔

اسے یقین تھا کہ اب وہ واپس بٹواری کیمپ بھی چلی جائے تو کوئی آسانی سے اسے ت نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی شناخت نہ کروائے۔

"طاہر مجھے یہ کچھ اب بالکل پسند نہیں۔ صرف تمہاری خواہش کے احترام میں اپنا بھیس ں کرنے کے لیے میں نے یہ سوانگ رچایا ہے..... مجھے اب صرف تمہارے حکم کی تعمیل کرنی ۔"

اس نے باہر آنے پر کہا۔

"اوہ کامنی..... تم مجھے مار ڈالو گی..... دیکھ لینا تم مجھے مار ڈالو گی۔"

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس نے بے اختیار کامنی کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔

دونوں نے تھوڑی دیر بعد ایک ڈھابے سے چائے اور سبزی کے پکوڑے کھائے۔ ان کا یہ ایک طرح سے لنچ تھا۔

شام تک کا وقت انہوں نے اسی طرح مٹرگشت کر کے گزارا اور سورج ڈھلنے پر اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔

ان کے کمرے سے ملحقہ دو تین کمروں میں نوبیاہتا جوڑے ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ سب ان کے ساتھ ہی واپس آئے تھے۔

دن بھر مسلسل پیدل چلنے سے وہ قدرے تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے لیکن یہاں بیٹھ کر وقت گزارنے سے بہرحال باہر گھومنا پھرنا زیادہ بہتر تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد کامنی نے سب سے پہلے اپنے بیگ سے پستول نکال کر سرہانے رکھا۔ یہ سرکاری پستول ابھی تک اسی کے پاس محفوظ تھا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اسے چھپانے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ طاہر کے کہنے پر پستول وہ اپنے بیگ میں رکھتی تھی۔ دونوں نے کمرے میں آ کر اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ان کے بعد کہیں کسی شک کی بنیاد پر کمرے کی تلاشی تو نہیں لی گئی یا پھر کسی نے یہاں کوئی "بگ سسٹم" تو نہیں لگایا ہوا۔ دونوں انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ تھے اور اپنی اپنی تربیت کے مطابق دونوں نے اطمینان کر لیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا.....

طاہر نے کمرے میں کافی منگوانے کے بعد دروازے کے باہر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سائن لٹکا دیا تھا اور اب وہ کامنی کی طرف متوجہ تھا۔ اسے اب کامنی پر معمولی سے شک و شبہ بھی باقی نہیں رہا تھا کیونکہ کامنی نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور اب ان کا جینا مرنا ساتھ تھا۔

اس نے اپنے ذہن میں ترتیب دیئے پروگرام سے اسے آگاہ کرتے ہوئے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ مناسب سمجھے تو اس میں رد و بدل بھی ہو سکتا ہے۔ کامنی نے ذہنی طور پر اس کی برتری بٹواری کیمپ میں تربیت کے دوران ہی تسلیم کر لی تھی۔ خاص طور سے پوسوال سے اس کی لڑائی کے بعد اسے کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔ یوں بھی بٹواری کیمپ سے فرار ہونے کے بعد سے اس کے ساتھ گزارے ایک ایک لمحے نے کامنی کو طاہر کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا معترف بنا دیا تھا۔ اس نے طاہر کی تجویز پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسے بتایا کہ جس علاقے سے اس نے سرحد عبور کرنے کا پروگرام بنایا ہے' اس ایریا سے کامنی اگروال نے اپنی سروس کا آغاز کیا تھا اور اسے وہاں سے متعلق خاصی معلومات بھی حاصل ہیں۔

"ہمیں اپنے اور دشمن کے درمیان کم از کم آٹھ دن کا وقفہ رکھنا ہے۔ میرا خیال ہے ٹھ دن انہیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہوں گے کہ اب ہم ان کی دست برد سے بچ نکلے ہیں ر اب انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے----- کم از کم یہ ضرور ہو گا کہ انہوں نے اری تلاش پر جو اضافی فورسز لگا رکھی ہیں' وہ واپس آ جائیں گے۔ اور نارمل حالات سے ہم شاء اللہ نمٹ ہی لیں گے..... معمولی کی نگرانی اور چوکسی تو کبھی ختم نہیں ہو گی' لیکن وہ لوگ ن چار روز کے بعد زیادہ چوکس نہیں رہیں گے....."

طاہر نے کہا۔

"انہیں دھوکہ دینے کی ایک سکیم میرے ذہن میں آئی ہے۔"

کامنی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا.....؟"

طاہر نے پوچھا۔

اور اب کامنی نے اسے جو سکیم بتائی' اس پر وہ دل ہی دل میں اسے داد دیئے بغیر نہ ۔ کامنی نے یہ منصوبہ اس بنیاد پر تیار کیا تھا کہ اس کے والدین کی کڑی نگرانی ہو رہی ہو گی انہوں نے "را" کی اسی "چوکسی" کو اپنے حق میں استعمال کرنا تھا۔

"ونڈر فل..... کامنی..... میرے ذہن میں تو یہ بات آئی ہی نہیں تھی۔ کل ہی اس پر شروع کرتے ہیں۔"

طاہر نے کہا۔

کامنی نے حساب لگایا تھا کہ طاہر ابھی مزید چار پانچ روز بھارت میں ضائع کرنا چاہتا ہے اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ان کے پاس اتنا زاد راہ بھی ہو گا یا نہیں.....؟ لیکن..... اس نے طاہر سے یہ سوال کرنے کے بجائے اپنے پرس میں موجود ساری رقم باہر نکالی اور ہاتھ میں سونے کے کنگن کے ساتھ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ کیا.....؟"

طاہر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"دیکھو طاہر اب تمہاری یا میری والی تو کوئی بات رہی نہیں..... میرا جو کچھ ہے' وہ تمہارا تو ہے۔ میں بہرحال ایک مشرقی عورت ہوں' جو یہ چاہے گی کہ اپنا سب کچھ اپنے پتی کے لے کر دے----- یوں بھی اس رقم کا مناسب استعمال تم ہی کر سکتے ہو۔"

طاہر اس کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔ شاید کامنی نے اخراجات کا اندازہ لگا کر یہ نہ سوچا ہ طاہر کے پاس پیسے ختم نہ ہو جائیں۔ کامنی کی اس بات پر مسکراتے ہوئے اس نے کامنی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کی ساری رقم واپس کر کے اپنے ہاتھ سے وہ کنگن اس کے بازو میں پہنا دیا۔

"کامنی..... میرا تعلق ایک چھوٹے لیکن غیرت مند ملک کی فوج سے ہے جو اپنے ساتھی کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے۔ اول تو میرے پاس کافی رقم ہے۔ اگر خدانخواستہ ضرورت پیش آ گئی تو اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ ایک دن کے مارجن پر ہمیں مطلوبہ رقم مل سکتی ہے' لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور ہاں..... کہیں اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے تم خوامخواہ کنجوسی نہ کرتی رہنا۔ اپنے معمولات کے مطابق سب کچھ کرو..... بے فکر رہو اور کچھ نہ بنا تو ہم دونوں ناگزیر حالات میں کسی بھی لالہ جی کو لوٹ کر اپنا کام چلانا جانتے ہیں۔"

کامنی اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

پہلی مرتبہ طاہر نے اسے پرسکون اور ہنستے ہوئے دیکھا تو اسے روحانی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اگلا روز بھی انہوں نے ایسے ہی گزار دیا اور آج انہیں تیسرا دن تھا' جب طاہر نے مقامی پی۔ سی۔ او سے ایک کال اپنے کھٹمنڈو میں موجود دوست پرتاپ مہرہ کے لئے بک کروائی۔ وہ اب کامنی کے بتائے ہوئے منصوبے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

کھٹمنڈو کے گرینڈ ہوٹل میں موجود ایک ٹریول کمپنی کے منیجر مسٹر پرتاپ مہرہ نے اس کی کال موصول کی تھی۔ طاہر نے اس سے مختصر بات کرتے ہوئے اپنا پیغام اسے اس طرح لکھایا کہ اگر یہ فون کہیں ریکارڈ بھی ہو رہا ہو تو کسی کے کچھ پلے نہ پڑے۔ البتہ مسٹر پرتاپ مہرہ نے یہ کال سنی اور پیغام بھی نوٹ کر لیا۔

○ ○ ○

پردیپ سنگھ سولان سے واپس ضرور آ گیا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اس نے ڈاکٹر شیلا سے اپنے معمول کے مطابق تفتیش نہیں کی تھی' لیکن دو روز تک اس کے ایجنٹوں نے مقامی سپیشل برانچ کی مدد سے سر توڑ کوشش کر ڈالی تھی کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسا ثبوت لگ جائے کہ یہاں کامنی اور طاہر آئے تھے' لیکن انہیں یہاں سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اب اس نے اپنا ایک چالاک اسسٹنٹ اس امید پر یہاں چھوڑ دیا تھا کہ شاید آئندہ کبھی کامنی اپنی دوست ڈاکٹر شیلا سے ملنے یا مدد لینے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ تھا کہ ابھی وہ دونوں اس ملک میں ہی ہیں۔ اتنی جلدی وہ فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ "را" نے اطلاع ملتے ہی نزدیک ترین نیپال کی سرحد قریباً" سیل کر دی تھی۔

چکراتا سے گنگوتری نامی بھارت کے سرحدی علاقے کو جانے والے راستے کو انہوں نے

ایک طرح سے لینڈ لاک کر دیا تھا۔ صرف ایک چانس تھا کہ اگر واردات کی پہلی رات ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے تو عین ممکن ہے' وہ نکل چکے ہوں۔ ورنہ مقامی انٹیلی جنس اور سرحدی پولیس تو ان کی غلام تھی جو ان کے حکم پر زمین کا چپہ چپہ چھان سکتی تھی۔

پردیپ سنگھ نے کامنی کے ماضی کے حوالے سے جتنے تعلق تلاش کئے تھے' ان سب کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔

ان سب کی ڈاک چیک ہو رہی تھی۔

ان کے ٹیلی فون "بگ" ہو رہے تھے۔

ان کی نقل و حرکت' میل ملاپ پر کڑی نظر رکھی جا رہی تھی۔

"را" کے ہیڈ کوارٹر سے پچاس ایجنٹوں پر مشتمل ایک ٹیم اسی مشن پر لگی تھی جن کی طرف سے ملنے والی تمام اطلاعات کی مانیٹرنگ مرکزی کمپیوٹر سیکشن میں ہو رہی تھی۔ پردیپ سنگھ اس ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے دہلی میں موجود تھا۔

کامنی کے تمام تعلق والوں کے ایک ایک پل کی حرکات و سکنات اور معمولات کی خبر بھی اسے مل رہی تھی۔ اس کے گھر والوں سے متعلق تو ہر ایجنٹ حلف اٹھا کر کہنے کے لئے تیار تھا کہ کامنی نے انہیں دھوکہ دیا ہے اور ایک دھارمک ہندو گھرانہ ہونے کی وجہ سے جب سے انہوں نے اپنی "پتنی" کی کرتوت جانی ہے' وہ سب اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کامنی اگروال کا بھائی امریش اگروال مقامی ہندو وشو پریشد برانچ کا سیکرٹری جنرل تھا۔ ان کے گھر پر ہر وقت "بھگوا" (متعصب ہندوؤں کا پیلے رنگ کا پرچم) لہراتا رہتا تھا۔ سورج اگروال کے دوست دشمن سب اس بات پر متفق تھے کہ وہ مر تو سکتا ہے' لیکن اپنے دھرم اور ریتی رواج کے خلاف اپنی بیٹی کی بغاوت برداشت نہیں کر سکتا۔

امریش اگروال نے وچن دیا تھا کہ وہ اپنی بہن کو جب بھی دیکھے گا' اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالے گا۔ وہ آر۔ ایس۔ ایس کے مقامی غنڈوں کے ساتھ الگ سے اس کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔

اس نے خود پردیپ سنگھ سے رابطہ کر کے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس خاندان کے ایک ایک فرد کی تفتیش کے بعد "را" کو یقین ہو چلا تھا کہ کامنی اگروال کے جرم میں یہ لوگ ہرگز شامل نہیں' البتہ ایک مفروضے پر وہ ابھی تک قائم تھے کہ کامنی اگروال شاید اپنے گھر والوں یا اپنی کسی سہیلی سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔

اور..... اس روز جب پردیپ سنگھ کو اپنے موبائل پر ایک "انتہائی اہم کلو" کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً" انسپکٹر آتما رام کو اپنے پاس بلا لیا' جس کے ہاتھ میں ایک ٹیلی گرام تھا جو کامنی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے نیپال کے شہر کھٹمنڈو سے بھیجا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خط کی شکل میں لکھا ٹیلی گرام اس کی میز پر موجود تھا۔

○ ○ ○

کامنی نے دراصل یہ اطلاعی معافی نامہ اپنے والد کے ایڈریس پر پوسٹ کیا تھا۔ شاید اسے یہ امید تھی کہ اس کے باپ کے آفس کی نگرانی نہ کی جا رہی ہو۔ اس نے یہ بات خط میں بھی لکھی تھی کہ وہ اسی لیے خط والد کے آفس پر روانہ کر رہی ہے۔

اس ٹیلی گرام لیٹر میں اس نے اپنے والدین سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے معاف کر دیں اور بھول جائیں۔ وہ شاید اب زندگی میں کبھی انہیں دوبارہ نہ مل سکے کیونکہ اس نے اپنا دھرم بھی تبدیل کر لیا تھا اور بھارت کو چھوڑ کر کسی اور دیش میں جا چکی تھی۔

جس دیس میں وہ گئی تھی' اس کا نام کامنی نے نہیں لکھا تھا۔ لیکن وہ سب جانتے تھے کہ یہ کون سا ملک ہو سکتا ہے۔

خط اگلے لمحے درجنوں کاپیوں کی صورت میں تمام اہم شخصیات کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

"را" کے متعدد ایجنٹوں نے اگلے تین گھنٹوں میں اس بات کا کھوج بھی لگا لیا تھا کہ یہ ٹیلی گرام کھٹمنڈو کے کس پوسٹ آفس سے بھیجا گیا ہے۔

شام تک "را" کے سات آٹھ ایجنٹ کھٹمنڈو میں طویل سر کھپائی کے بعد اپنے ہیڈ آفس کو جو رپورٹیں بھیج رہے تھے' ان کا خلاصہ یہ تھا کہ کامنی نے ایک عیسائی نام کی لڑکی کے ساتھ نیپال کے جعلی پاسپورٹ کے ذریعے پڑوسی ملک کی ایئر لائن سے سفر کیا ہے۔ اس نے یہ ٹیلی گرام ایئر پورٹ کے پوسٹ آفس سے اپنی پرواز کی روانگی کے بمشکل آدھ گھنٹہ پہلے پوسٹ کروایا تھا اور معمول کے مطابق پرواز کی روانگی سے قریباً" چھ گھنٹے بعد یہ خط متعلقہ ایڈریس پر بھارت میں پہنچا دیا گیا تھا.....

ان معلومات کے حصول کا ذریعہ ایک ٹریول ایجنسی کا دفتر تھا جہاں "را" کے ایک ڈبل ایجنٹ کے ذریعے کامنی کی تصاویر دکھانے پر یہ اطلاع حاصل کی گئی تھی۔

اس ڈبل ایجنٹ نے جو نام بتایا تھا' ایئر لائن کے مسافروں کی لسٹ سے وہ نام بھی مل گیا۔ گویا "را" کو ہر ممکن طریقے سے یہ اطلاع پہنچا دی گئی تھی کہ "چڑیا" ان کے ہاتھوں سے نکل کر اب محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔

اگلے مزید چوبیس گھنٹے کی سر کھپائی کے بعد ان کے پاس ایسی کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اس ٹیلی گرام لیٹر کو دشمن انٹیلی جنس کی "دھوکے کی چال" کہہ سکیں کیونکہ ان کے متعدد ایجنٹوں کو ایسے تمام شواہد مل گئے تھے جو اس خط کی ایک ایک سطر کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتے۔

"ڈیم اٹ.....ا"

پردیپ سنگھ نے حتمی نتیجے پر پہنچنے کے بعد اپنا سر قریباً" میز پر پٹختے ہوئے کہا۔

اگلے روز انہوں نے بادل نخواستہ اپنے آپ کو کوستے ہوئے اس سرچ آپریشن کو ختم کیا' البتہ "معمول کی نگرانی" ابھی مزید ایک ماہ تک جاری رہنی تھی کیونکہ وہ اپنے اصولوں کے مطابق احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرتے تھے۔

کامنی کی بنائی ہوئی سکیم پر طاہر کے ساتھیوں نے بڑی کامیابی سے عمل کر کے "را" کو چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تین دن اور چار راتیں انہوں نے اکٹھے گزاری تھیں لیکن کامنی کے لیے یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا کہ اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی اس کا ذہن نہیں بھٹکا.....!

اس نے زندگی میں مرد کا ایک ہی روپ دیکھا تھا جو بڑا بھیانک اور تکلیف دہ تھا۔ اس کا واسطہ زندگی میں صرف جنسیت زدہ مردوں سے رہا تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے ساری زندگی کا گیان حاصل کر لیا تھا۔ اسے ادراک ہو چکا تھا کہ آج سے پہلے کی زندگی اس نے کفران نعمت میں بسر کی ہے۔ قدرت کے ودیعت کردہ اس عظیم عطیہ کو اس نے کس طرح ضائع کر دیا.....

جب بھی یہ پچھتاوا اسے ستانے لگتا' فوراً" ایک احساس تفاخر اس پر غالب آ جاتا تھا کہ بالآخر اس نے راز حیات پا ہی لیا۔ اس کی تپسیا رنگ لے ہی آئی۔ اس کی کھوج مکمل ہو گئی اور اب وہ احساس جرم کے بغیر باقی زندگی جئے گی۔

کبھی کبھی جب اس کا ماضی سوال بن کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا تو وہ گھبرا جاتی۔ ان لمحات میں طاہر کسی مسیحا کی طرح اس کے اور ماضی کے درمیان دیوار بن جاتا۔

"کامنی ہمارے ہاں سوچنے کا یہ انداز نہیں ہے۔ اس دین مبین میں ہر بات حال اور مستقبل کی ہوتی ہے۔ ہمارا ماضی کیا ہے..... اسے بھول جاؤ۔ کیونکہ تمہارا جنم ہی اب ہوا ہے۔ جو زندگی تم نے جی..... وہ کوئی جینا نہیں تھا کامنی..... وہ تو سزا تھی۔ زندگی کے نام پر تم نے جیل کاٹی ہے' جیل..... اب تم رہا ہو چکی ہو۔ اب تم آزاد ہو گئی ہو۔ تم جہاں جا رہی ہو' وہاں کوئی تم سے تمہارا ماضی دریافت نہیں کرے گا۔ سب تمہارے لیے دیدہ دل فرش راہ کریں گے کیونکہ تمہاری خصوصی اہمیت ہے..... میں نے تو جنم ہی مسلمان گھرانے میں لیا..... لیکن تم نے ہدایت پائی ہے۔ گمراہی کے اندھیرے سے ہدایت کی روشنی میں آئی ہو..... اب تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔"

اور..... وہ مطمئن ہو جاتی۔

اب انہیں رخت سفر باندھنا تھا۔

آج وہ ڈلہوزی سے رخصت ہو رہے تھے۔ طاہر نے اگلی منزل پٹھانکوٹ بتائی تھی.....

ہماچل اور پنجاب کی سرحد پر واقع پٹھانکوٹ جموں کا دروازہ بھی تھا۔ طاہر نے یہاں سے پنجاب کی طرف قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے کو کامنی کی مکمل رضامندی حاصل تھی۔

پٹھانکوٹ سے ڈلہوزی کا سفر تین گھنٹے پر مشتمل تھا۔ طاہر نے اگلی ہی رات ٹکٹ بک کروا لیے تھے اور صبح ناشتے کے بعد انہوں نے سفر کا آغاز کر دیا۔ اس کے ہاتھ کا زخم قریباً" مندمل ہو چکا تھا۔ ہتھیلی کے اندرونی طرف کا گھاؤ بھرنے لگا تھا اور اب اس پر ایسی بینڈیج ہو رہی تھی جسے با آسانی دوسروں سے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے چھپایا جا سکتا تھا۔ کامنی نے خود کو نوبیاہتا ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس نے ڈلہوزی سے ایسے نقلی زیورات خریدے تھے جو بظاہر اصلی دکھائی دیں اور اپنے گلے میں ہار اور ہاتھوں میں نقلی سونے رولڈ گولڈ کی چوڑیاں پہننے کے بعد وہ سر پر شاہ توش کی سرخ چادر اوڑھے کسی ماڈرن گھرانے کی نئی نویلی دلہن دکھائی دے رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر سفر شروع ہوا۔ اس دفعہ وہ چڑھائی کے بجائے نشیب کی طرف سفر کر رہے تھے۔ پہاڑوں کے گرد بل کھاتی سڑک پر ڈرائیور کہیں کہیں بس کا انجن بند کر دیتا۔

سرسبز پہاڑوں کے بعد اب سنگلاخ پہاڑی سلسلے شروع ہو گئے تھے۔ ایسے ہی چھ سات پہاڑی سلسلے عبور کرتے ہوئے جن پہ کہیں کہیں سرسبز اور چٹیل میدان بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ بالآخر وہ پٹھانکوٹ بھی پہنچ گئے۔

○ ○ ○

پٹھانکوٹ وہ اس سے پہلے بھی تین چار مرتبہ آ چکا تھا اور یہ علاقہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔ وہ رات انہوں نے ایک مقامی ہوٹل میں بسر کی۔ شام دیر گئے وہ ہوٹل پہنچے تھے' جہاں انہوں نے نئے نام سے بکنگ کروائی تھی۔

سرحدی اور دفاعی لحاظ سے حساس نوعیت کے حامل اس علاقے میں ایڈوانس انٹیلی جنس یونٹوں نے خصوصی انتظامات کیے تھے۔

پٹھانکوٹ پنجاب اور جموں و کشمیر کا نقطہ اتصال تھا۔ دونوں طرف کے حریت پسندوں کی یہاں آمد کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں بھارت کی تمام مرکزی اور صوبائی انٹیلی جنس ایجنسیاں سرگرم عمل رہتی تھیں اور خصوصاً" بس سٹینڈز' ریلوے سٹیشن وغیرہ پر تو انہوں نے کڑے اور فول پروف بندوبست کئے ہوئے تھے۔

گذشتہ دو ماہ میں یہاں تین بم دھماکے ہو چکے تھے جن میں بس سٹینڈ پر ہونے والا دھماکہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کو یہاں ہر دوسرا چہرہ مشکوک دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں اب آسانی سے نہیں پہچانے جا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی دانست میں اپنی شناخت ختم کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ یوں بھی عورت اور مرد جوڑی پر شاید وہ لوگ زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔

طاہر نے جان بوجھ کر رات بسر کرنے کے لیے یہاں سب سے مہنگے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ جہاں عموماً" پٹھانکوٹ سے گاڑی یا بس تبدیل کر کے اپنی اگلی منزل پر جاتے یا پھر سرکاری آفیسرز ہی قیام کیا کرتے تھے۔ دونوں یہاں ڈاکٹر میاں بیوی کی حیثیت سے مقیم تھے۔ رات کا کھانا انہوں نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھایا اور جلدی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے' کیونکہ یہاں آنے والا ہر دوسرا یا تیسرا گاہک کوئی سرکاری آدمی ہی دکھائی دیتا تھا اور کامنی نے خصوصاً" اپنے محکمے کے دو لوگوں کو تو شناخت بھی کر لیا تھا۔

صبح جان بوجھ کر انہوں نے دیر گئے ناشتہ کیا۔ پھر وقت گزاری کے لیے مقامی سول ہسپتال چلے گئے کیونکہ دونوں نے اپنی معمول کی نگرانی کے اندیشے کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور ڈاکٹر ہونے کے ناطے ان کا ہسپتال جانا ہی زیادہ مناسب تھا۔

سول ہسپتال کے مختلف خالی کمروں میں مریضوں کے لواحقین کے ساتھ انہوں نے چار بجے تک کا وقت گزارا۔ یہی ہوٹل کا "چیک آؤٹ" ٹائم تھا۔

اب ان کی اگلی منزل گورداسپور تھی.....!

ڈیڑھ دو گھنٹے میں ٹرین نے انہیں گورداسپور پہنچا دیا۔ رات انہوں نے یہاں ایک ہوٹل میں گزاری اور اگلے روز دوپہر کے بعد امرتسر کی طرف عازم سفر ہوئے۔

امرتسر کے رانی بازار میں جب طاہر اور کامنی باجوہ رائس شاپ پر پہنچے تو ان کی نظر نوجوت سنگھ پر پڑی جو اپنے بھائی کے ساتھ دکان کے کاؤنٹر پر کھڑا تھا۔ شاید وہ یہاں کسی کام سے آیا تھا۔

جیسے ہی اس نے طاہر اور کامنی کو دیکھا "ویر جی..... بھابی جی" کا نعرہ لگا کر ان کی طرف لپکا۔

طاہر نے اس سے زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے باقاعدہ معانقہ کر لیا تھا۔

"ہم لوگ پٹھانکوٹ اپنے کزن کے پاس آئے تھے۔ موسی جی سورگباش ہو گئیں۔ میں نے سوچا' جب پنجاب میں آئے ہیں تو ماں جی کو ملے بغیر جانا بہت غلط بات ہو گی۔"

کامنی نے نوجوان سے کہا۔

نوجوت سنگھ کا بھائی اوتار سنگھ باجوہ حیرانگی اور استعجابیہ نظروں سے اپنے ان بے تکلف رشتہ داروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جن سے اس کا چھوٹا بھائی گرم جوشی سے ملا تھا۔ اوتار سنگھ سے جب اس نے طاہر کا تعارف کروایا تو اس نے بھی خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا اور دونوں کو نوجوت کے ساتھ نزدیک ہی ایک محلے میں موجود اپنے گھر بھیج دیا تھا۔

○ ○ ○

سرداراں گھر پر نہیں تھی۔ ان کی زبانی علم ہوا کہ وہ اٹاری میں ہے۔ نوجوت سنگھ اپنی ماں کے ساتھ "اٹاری" میں رہتا تھا۔ سرحدی علاقے میں موجود اس قصبے میں ان کی زمین تھی جہاں سرداراں نے اپنے خاوند کی موت کے بعد مستقل ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

اوتار سنگھ کی زبانی انہیں علم ہوا کہ اگر وہ اپنی ماں کو کبھی زبردستی امرتسر لے بھی آئیں تو دو چار دن بعد ہی وہ واپس جانے کے لیے بضد ہو جاتی ہے۔ اس نے رات ان دونوں کو اپنے گھر مہمان رکھا اور ساری رات طاہر سے ایک ہی بات کہتا رہا کہ کسی طرح وہ اس کی ماں کو امرتسر میں اس کے گھر رہائش رکھنے پر رضامند کرے۔

طاہر نے اندازہ لگایا کہ سرداراں کے بیٹوں کو اپنی ماں سے عشق تھا۔ اس کے دو بیٹے اوتار سنگھ باجوہ اور کرتار سنگھ باجوہ امرتسر شہر میں رہتے اور اپنا بزنس کرتے تھے۔ دونوں اچھے کھاتے پیتے معلوم ہوتے تھے۔ دونوں میں سے ایک کی بیوی مستقل ان کی ماں کے ساتھ اٹاری میں رہتی تھی۔

اگلے روز نوجوت سنگھ اپنی ماروتی کار پر ان دونوں کو اٹاری لیے جا رہا تھا۔ اس نے بطور خاص دونوں کو امرتسر میں "دربار صاحب" کے درشن کروائے تھے۔ دونوں نے اس کے ساتھ بڑی عقیدت سے یہاں خاصا وقت گزارا تھا اور دوپہر کا لنگر دربار صاحب میں کھانے کے بعد ہی اٹاری کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

اوتار سنگھ کی پتنی نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ واپسی پر ان کے ہاں دو تین دن قیام کریں گے۔ سارا خاندان خاصا مہمان نواز دکھائی دیتا تھا۔

اوتار سنگھ کی بیوی پر جیت کا بھائی فوج میں کیپٹن تھا اور اس کی پوسٹنگ سہارنپور ہی میں تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور ان سے ملنے سہارنپور آئے گی کیونکہ کامنی نے اسے اپنا بھی ایڈریس دیا تھا۔

امرتسر میں داخلے سے پہلے ایک مرتبہ پھر طاہر کے سر پر پگڑی سج گئی تھی۔ اب اس کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ڈاڑھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ آسانی سے خود کو سکھ کہہ سکتا تھا۔

دونوں میاں بیوی نے بڑی گرم جوشی سے انہیں اپنی ماں کی طرف روانہ کیا تھا اور نوجوت سنگھ کو ہدایت کی تھی کہ کار ذرا احتیاط سے چلائے۔ ان کا تیسرا بھائی کرتار سنگھ جالندھر کسی کام سے گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی میں ابھی دو روز باقی تھے۔

نوجوت سنگھ نے انہیں قریباً" ایک گھنٹے بعد اٹاری سے ملحقہ ایک گاؤں میں پہنچا دیا' جہاں ایک کونے میں ان کی حویلی بنی ہوئی تھی' جس کے باہر سنگ مرمر کی تختی پر اس کے باپ سورگباشی سردار کاہن سنگھ باجوہ کا نام کندہ تھا۔

حویلی کا دروازہ ہارن کی آواز پر ان کے ایک مزارع نے کھولا تھا۔ سامنے برآمدے میں ایک چارپائی پر اس کی ماں اور بھابی شاید سبزی کاٹ رہی تھیں۔ نوجوت سنگھ کے ساتھ کار میں مہمانوں کو دیکھ کر دونوں چونکیں اور اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جب دونوں گاڑی سے نکل کر باہر آئے اور سرداراں کی نظر ان دونوں پر پڑی تو وہ دونوں بازو پھیلائے ان کی طرف بڑھی اور باری باری دونوں کو گلے لگا کر آشیرباد دیا۔

کامنی نے اسے بھی وہی کہانی سنا دی جو اس کے بیٹے کو امرتسر میں سنا کر آئی تھی کہ کس طرح حادثاتی طور پر وہ گورداسپور میں آئے اور پھر اس کی ضد پر ہی طاہر نے یہاں تک کا پروگرام بنایا۔

"ماتا جی میری زندگی کی تو بہت بڑی خواہش تھی کہ پنجاب کے کسی سرحدی دیہات میں زندگی کے کچھ پل گزاروں..... شکر ہے بھگوان کا جس نے بالآخر یہ موقعہ دے دیا۔"

کامنی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی سروس کا آغاز بھارت کے اس سرحدی قصبے سے کیا تھا اور یہاں تین چار سال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ طاہر کے لیے بھی یہ علاقہ دیکھا بھالا تھا لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں۔ اس نے یہاں پہنچنے تک نوجوت سنگھ سے اس علاقے کے متعلق نامحسوس انداز میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی تھیں۔

کامنی نے اسے بتایا تھا کہ سرحد پر باڑ لگانے کا کام گذشتہ سال ہی شروع ہوا ہے کیونکہ پنجاب کی سرحد پر خالصتانی حریت پسندوں کی نقل و حرکت اب بھارتی بارڈر سیکورٹی کے قابو سے باہر ہو رہی تھی اور علیحدگی پسندوں کی جدوجہد میں خاصی تیزی بھی آ گئی تھی۔

یہ امر دونوں کے لیے باعث طمانیت تھا کہ ابھی سرحدی علاقے کی وہ باڑ جو بھارتی حکومت نے کانٹے دار تاروں کی صورت میں جموں سے راجستھان تک لگانے کا فیصلہ کیا ہے' یہاں تک نہیں پہنچی لیکن اگلے آٹھ دس روز کے بعد اس علاقے کی باری بھی آنے والی تھی

کیونکہ یہاں سے قریباً" دس بارہ کلومیٹر دور تک سرحد پر خاردار تاروں کا جال بچھایا جا چکا تھا۔ طاہر نے خدا کا شکر ادا کیا ورنہ تو پنجاب کی سرحد بالکل ہی سیل ہو چکی تھی۔ بارہ فٹ بلند خاردار تاروں کے دوہرے نظام میں بھارتی بارڈر سیکورٹی فورس شام کے بعد بجلی دوڑا دیتی تھی اور ان خاردار تاروں میں مطلوبہ وقفے کے بعد نصب کیے گئے سرچ لائٹ ٹاورز پر جب روشنیاں ہوتیں تو دوسری طرف تین چار کلومیٹر تک کا علاقہ روشن دکھائی دیتا' جس میں ہونے والی کوئی بھی نقل و حرکت نگاہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔

○ ○ ○

نوجوت سنگھ کے ساتھ ان کے گھر کے اونچے چوبارے پر بیٹھے طاہر نے بڑے حساب کتاب سے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔

نوجوت سنگھ نے اسے بتا دیا تھا کہ یہاں سے کس طرف بی ایس ایف والوں کی پوسٹ بنی ہوئی ہے۔ سرحد کس طرف ہے اور یہ بھی کہ آئے روز یہاں بی ایس ایف کا چھاپہ پڑتا رہتا تھا۔ وہ لوگ ہر دوسرے تیسرے روز یہاں کے کسی نہ کسی گھر سے کسی نوجوان کو خالصتانی حریت پسند یا اس کا کوئی ساتھی ہونے کے الزام میں گرفتار کر کے لے جاتے تھے..... کامنی بظاہر ان کی گفتگو سے بے نیاز اس کی بھابی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی' لیکن اس کے کان ان کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

وہ اپنی یادداشت تازہ کر رہی تھی اور جیسے جیسے نوجوت سنگھ طاہر کو بتا رہا تھا' اس کے ذہن میں ماضی کے حوالے سے اس علاقے کے نقوش واضح ہو رہے تھے۔

شام ڈھلنے کے بعد جب نوجوت سنگھ کسی کام سے بازار گیا ہوا تھا اور کامنی اس کی بھابی سمندر کور کے ساتھ باتیں کر رہی تھی' تو دوسرے کمرے میں موجود طاہر کی زبان پر نجانے وہ سوال کیوں آ گیا تھا جو اس نے کسی مصلحت کے تحت ابھی تک نہیں پوچھا تھا۔

"ماں جی آپ نے اس روز مسلمانوں جیسی کچھ آیتیں پڑھ کر کامنی پر دم کیا تھا۔ آپ کو یہ کس نے سکھائی تھیں؟"

سرداراں پہلے اس کی طرف بغور دیکھتی رہی' پھر ایک زہرخندہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور اچانک طاہر کو اس کی آنکھوں میں نمی کا احساس ہوا۔

"ہاں بیٹا..... مجھے علم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے.....!"

اس نے بطور خاص لفظ "تم" پر کچھ زور دیا تو طاہر چونکا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"میں..... میں جی..... میں تو....."

طاہر نے کچھ کہنا چاہا لیکن سرداراں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میری بات دھیان سے سننا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم وہی ہو جو میں سمجھ رہی ہوں اور آج تک میرے دل نے مجھے کبھی گمراہ نہیں کیا..... بیٹا میرا جنم ایک مسلمان گھرانے میں ہوا تھا۔ کاہن سنگھ اور میرا باپ بچپن کے دوست تھے۔ دونوں کا یارانہ مثالی تھا۔ ہم لدھیانہ کے رہنے والے ہیں۔ جب ملک تقسیم ہوا تو میری عمر شاید دس بارہ سال تھی۔ کاہن سنگھ کا باپ فوج میں صوبیدار تھا۔ ان دنوں وہ اپنی ڈیوٹی پر تھا جب ہمارے گاؤں پر حملہ ہوا۔ بلوائیوں نے درجنوں لوگوں کو مار ڈالا۔ عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔ ان اغوا ہونے والوں میں' میں بھی شامل تھی۔ کسی نہ کسی طرح میں ان ظالموں کے چنگل سے نکل گئی اور کاہن سنگھ کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی' جو میرے دوسرے گاؤں میں رہتا تھا۔ کاہن سنگھ کی ماں نے مجھے اپنے پاس چھپا لیا اور میرے گھر والوں کی تلاش میں نکل گئی..... بلوائیوں نے میرا سارا خاندان جس میں میری ماں' ایک بہن اور دو بھائی تھے' مار ڈالا۔ کاہن سنگھ کا باپ گھر واپس آیا تو بہت پریشان ہوا۔ اس نے میرے والد کو ڈھونڈنے کے لیے زمین و آسمان ایک کر دیا۔ لیکن میرا باپ نہیں ملا۔ شاید وہ بھی راستے میں بلوائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ میرے ننھیال جالندھر کے رہنے والے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کاہن سنگھ کے باپ نے ان کی تلاش میں دو مرتبہ پاکستان کی خاک چھانی۔ جب تک وہ زندہ رہا' انہیں ڈھونڈتا رہا۔ مجھے اس کی موت کے بعد علم ہوا کہ وہ پاکستان میرے ایک ماموں کے پاس پہنچ گیا تھا' جس نے اسے پہچاننے یا مجھے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ اس عظیم شخص نے مجھے یہ بات کبھی نہیں بتائی۔ دن مہینوں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے' لیکن مجھے کوئی لینے نہ آیا۔ بالآخر کاہن سنگھ کا باپ ایک روز مر گیا' لیکن اس نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اس کی روح کو بہت شانتی ملے گی' اگر وہ مرتے دم تک میری حفاظت کرے۔ کاہن سنگھ نے مجھ پر شادی کے لئے دباؤ نہیں ڈالا جب کہ سارا گاؤں ان کے خون کا پیاسا رہا..... بادل نخواستہ میری جان بچانے کے لیے اس نے مجھ سے شادی کر لی کیونکہ یہی ایک صورت میرے زندہ رہنے کی باقی رہ گئی تھی۔ تین سال ہوئے کاہن سنگھ کو فوت ہوئے۔ اس نے پندرہ بیس سال پہلے اپنے باپ کو فوجی نوکری سے ملی اس زمین کے ساتھ کچھ اور زمین خرید کر یہاں کھیتی باڑی شروع کر دی۔ اللہ نے کرم کیا اور حالات اچھے ہو گئے..... میری جان بچانے کے لیے اسے لدھیانہ سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہونا پڑا۔ تین بچے ہوئے۔ یہ تینوں میری اصلیت جانتے ہیں۔ ان کے دل میں اپنے ننھیال کو دیکھنے کی تڑپ زندہ ہے لیکن جب میں ہی بدقسمت رہی تو انہیں کون ملے گا۔ ہر سال جب یہاں سے جتھہ جاتا ہے تو یہ لوگ انہیں میرے رشتہ داروں کے نام بتا کر بھیجتے

ہیں' لیکن کوئی نہیں ملتا۔"

یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

اس صورت حال نے طاہر کو بھی جذباتی کر دیا تھا۔

سرداراں بہت حوصلہ والی عورت تھی۔ بالآخر اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

لیکن..... اچانک ہی وہ طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے مکان کی چھت پر لے گئی..... اور سامنے کی سمت اشارہ کر کے کہنے لگی۔

"بیٹا ساری زندگی میں اس امید کے ساتھ مر جاؤں گی..... یہ حسرت میرے ساتھ قبر میں جائے گی کہ میں سرحد کے اس طرف نہ جا سکی۔ بس تقدیر کے آگے کس کا زور چلتا ہے..... میں بے بس تھی بیٹا..... تقدیر کے آگے میں..... بے بس ہوں' لیکن تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہو گا۔"

اس نے اچانک ہی بڑے ڈرامائی انداز میں کہا اور طاہر کا دل دھک سے رہ گیا۔

"آپ کا کیا مطلب ہے ماں جی.....؟"

اس نے بظاہر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بیٹا..... تم جو کوئی بھی ہو' وہ ہرگز نہیں جو بننے کی کوشش کر رہے ہو..... میں نے پونما صاحب ہی میں تمہاری اصلیت جان لی تھی۔ میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتی' لیکن تمہیں کچھ باتیں بتا رہی ہوں۔ ممکن ہو تو میرا یہ پیغام ادھر پہنچا دینا۔ بیٹا یہاں ہزاروں بدقسمت مسلمان عورتیں غیر مسلموں کو جنم دے رہی ہیں۔ ان بدبختوں کو گردش حالات نے یہ دن ضرور دکھائے تھے' لیکن اس کی ذمہ داری سے اس طرف کے لوگ بری الذمہ نہیں ہو سکتے..... یہ عورتیں' ان کے بچے جو بظاہر غیر مسلم ہیں' آج بھی کسی مسیحا کے منتظر ہیں۔ جو آئے اور انہیں ان کی اصلیت کی طرف واپس لے جائے..... لیکن دکھ کی بات تو یہ ہے کہ جنہیں یہ فرض ادا کرنا تھا' وہ خود ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ جب ادھر سے مسلمانوں کے آپس میں کٹنے مرنے کی خبریں آتی ہیں تو یہاں ہم بے نواؤں کے کلیجے کٹنے لگتے ہیں..... یہ ایک سرداراں کا نہیں' مجھ جیسی ہزاروں مسلمان عورتوں کا دکھ ہے۔ جنہیں اپنوں نے درندوں کے آگے شکار کے لیے چھوڑ دیا۔ قدرت کا اپنا عمل تو جاری ہے..... جو بچے ایسی مسلمان ماؤں سے جنم لیتے ہیں' جنہیں زبردستی غیر مسلم بنایا گیا۔ ان کے دلوں میں کبھی کبھی شمع ایماں فروزاں ہو جاتی ہے۔ ایک روز ایسا ضرور آئے گا جب یہ روشنی ظلمت کے اندھیروں میں اپنا راستہ بنا لے گی۔ کاش.....! کوئی میرے اس پیغام کو سمجھ لے..... کاش کوئی جان لے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

طاہر کے رگ و پے میں جیسے آگ سی سرایت کر گئی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ سرداراں کا دکھ سمجھ رہا تھا.....!

لیکن..... بے بس تھا..... کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

"ماں جی..... آپ نے مجھے شناخت کیا ہے۔ میں آپ سے کوئی وعدہ تو نہیں کرتا لیکن ایک بات ضرور کہوں گا کہ مسلمان کا خون ہمیشہ سفید نہیں رہتا۔ ہم نہیں تو ہمارے بعد کی نسل اپنی ان ہزاروں ماؤں کا قرض ضرور چکائے گی جو آپ جیسے حالات کا شکار ہوئی ہیں..... ایک روز ایسا آئے گا جب ان کی غیرت ایمانی جاگے گی..... ضرور جاگے گی۔"

اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"ہاں بیٹا..... اسی ایک امید پر میں بھی زندہ ہوں۔ اور یہی امید اپنی اولاد کو دے کر مروں گی۔"

سرداراں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

○ ○ ○

ابھی تک اس نے طاہر سے اس کا تعارف نہیں پوچھا تھا لیکن اس کے عزائم جان لیے تھے اور وہ اس کی مدد پر کمربستہ بھی تھی۔

"بیٹا! یہ پوہ کی طوفانی راتیں ہیں..... میرا وجدان کہتا ہے کہ آج جس طرح بادل چھائے ہوئے ہیں' کل زیادہ شدت سے بارش ہو گی۔ میں نوجوت اور شمندر کور کو کل دوپہر کسی کام سے امرتسر بھیج دوں گی۔ تم کل رات نکل جانا..... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آخری دم تک تمہارے ساتھ دوں گی..... بیٹا! نوجوت اور شمندر کور کی اور بات ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں اصلیت کا علم ہو۔ میں انہیں کہہ دوں گی کہ تم شام کو اچانک چلے گئے تھے..... یہاں تمہارا زیادہ قیام شاید تمہارے لیے بہتر نہ ہو کیونکہ آئے روز یہاں پولیس اور بارڈر سیکورٹی والے چھاپے مارتے رہتے ہیں۔ کاہن سنگھ سابق فوجی تھا۔ ہمارا اس علاقے میں خاصا سنمان (عزت) کیا جاتا ہے' کسی کی جرات نہیں کہ اس طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھے لیکن پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گی..... تم سے زیادہ مجھے تمہاری بیوی کی فکر لگی ہے۔"

اس نے بڑے حوصلے اور تدبر کا مظاہرہ کیا۔

"ماں جی..... آپ کا بے حد شکریہ۔ معلوم نہیں کہ زندگی میں کبھی دوبارہ ہم مل پائیں لیکن آپ کا یہ احسان میری قوم کبھی نہیں بھلا پائے گی۔"

طاہر نے کہا۔

دونوں نیچے آ گئے جہاں شمندر کور ان کے لیے رات کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ کامنی اس کی گہری سہیلی بن چکی تھی اور دونوں ایک دوسرے کا رسوئی (باورچی خانہ) میں ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

رات دونوں نے ایک ہی کمرے میں بسر کی۔ طاہر نے اسے سرداراں سے ہونے والی گفتگو نہیں بتائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کامنی یہ بات سنتے ہی اپنی اخیلی جنس تربیت کے مطابق اسے فوراً" یہاں سے کھسک جانے کا مشورہ دے گی۔ اس کی تربیت یہی تھی۔ لیکن..... حالات نے اسے سکھا دیا تھا کہ زندگی میں بعض اصول اور ضابطے وقت آنے پر صحیح ثابت نہیں ہوتے.....

"کل رات قسمت آزمائی کریں گے۔"

اس نے کامنی سے کہا۔

"ڈن.....!"

کامنی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

صبح سب نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ نوجوت سنگھ کالج چلا گیا۔ جب واپس آیا تو سرداراں نے اسے دونوں کو اپنی زمین کی سیر کروانے کے لیے کہا۔

"ماں جی بارش سے راستہ خراب ہے..... اچھا میں سرون سنگھ سے کہتا ہوں' وہ ٹریکٹر پر آپ کو لے جائے گا۔"

نوجوت سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم شمندر کو امرتسر لے جاؤ۔ آج چھٹی وار (ہفتہ) ہے اور کل اس نے دربار صاحب بھی جانا ہے۔ کرتار سنگھ آیا تو اسے بھیج دینا۔ ابھی یہ دونوں یہاں دو تین دن رہیں گے۔ انہیں کہاں پھر ایسا دیہاتی ماحول دیکھنے کو ملے گا۔"

سرداراں نے نوجوت سنگھ سے کہا۔

"چنگا ماں جی.....!"

نوجوت سنگھ جیسا فرمانبردار بچہ انہوں نے کب دیکھا تھا۔

آسمان بادلوں سے سیاہ ہو رہا تھا' جب وہ شمندر کور کے ساتھ ماروتی کار میں امرتسر جانے لگا۔ شمندر نے کامنی سے گلے لگ کر جلد واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔

○ ○ ○

دونوں کی روانگی کے بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد سرداراں نے طاہر کو تیاری کا سگنل دے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دیا تھا' جس نے بڑی پھرتی سے ایک بیگ ٹریکٹر کی اس سیٹ کے نیچے چھپا دیا جو اضافی طور پر بنائی گئی تھی۔ جس کے بعد سرداراں نے سرون سنگھ نامی اپنے کسی ملازم کو آواز دی.....

"ان دونوں کو اپنی زمینوں پر لے چل۔ وہاں انہیں حویلی پر چھوڑ آنا۔ شام کو بلکارا سنگھ ان کے لیے لنگر لے جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی واپس آ جائیں گے..... ان شہر کے لوگوں کے بھی کیا شوق ہوتے ہیں۔"

اس نے لاپرواہی سے اپنے ملازم سے کہا۔

"اچھا ماں جی.....!"

سرون سنگھ نے ٹریکٹر سٹارٹ کر دیا۔

سرداراں نے دونوں کو باری باری گلے لگا کر ان کے منہ سر دیوانہ وار چومے تو کامنی کا جی ٹھنکا۔ اسے دال میں کالا دکھائی دے رہا تھا' لیکن وہ مصلحتاً" خاموش رہی.....

شدید سردی نے سارے گاؤں پر سکوت طاری کر رکھا تھا۔ دونوں سکڑ سمٹ کر ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور پندرہ بیس منٹ میں بخیر و عافیت سرحد سے بمشکل دو ڈھائی کلومیٹر دور کاہن سنگھ کی زمینوں پر پہنچ گئے۔

"ٹھیک ہے۔ شام کو جلدی آ جانا۔ موسم اچھا نہیں لگتا۔"

طاہر نے وہاں لگے ٹیوب ویل پر بنے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ جس میں دو چارپائیاں' کرسیاں اور فرش پر چٹائی بچھی تھی۔ دو تین کمبل ایک کونے میں دھرے تھے۔ اس نے اپنی سیٹ کے نیچے سے بیگ اتنی ہوشیاری سے نکالا تھا کہ سرون سنگھ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یوں بھی وہ نشئی سا دکھائی دے رہا تھا اور شاید یہ اس کے افیون کھانے کا وقت تھا۔

دونوں کو "فتح" بلا کر وہ چلا گیا اور دونوں کمرے میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اسے سرداراں نے یہاں سے سرحد کا سارا نقشہ اس پوسٹ سمیت سمجھا دیا تھا' جو راستے میں آتی تھی۔

"کیا چکر ہے پارٹنر.....؟"

سرون سنگھ کے جاتے ہی کامنی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے دریافت کیا۔

"کامنی.... تمہارے دم قدم کی برکت ہے۔ اللہ نے ہمیں سرداراں کے روپ میں رحمت کا فرشتہ ملا دیا ہے۔"

اور اس نے کامنی کو ساری کہانی سنا دی۔

"واہ..... کتنا عظیم رشتہ ہے۔ کتنا مضبوط ناطہ ہے۔"

بے ساختہ کامنی کی زبان سے نکلا۔

دونوں اب سرحد پار کرنے کی حکمت عملی طے کر رہے تھے۔ حیرت انگیز طور پر طاہر پر انکشاف ہوا کہ اس مسئلے پر کامنی اس پر برتری رکھتی ہے۔ دراصل وہ انسٹرکٹر تھی اور سرحد عبور کروانے میں اس نے خصوصی کورس کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں کو اس کورس کی خصوصی مشق کروایا کرتی تھی۔

○ ○ ○

سرون کو گئے ابھی بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا تھا' جب اچانک موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اچانک تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ آسمانی بجلی کے کوندے' بادلوں کے ٹکرانے کی گڑگڑاہٹ' بجلی کے خوفناک دھماکے اور جھکڑوں کی چیخ چنگھاڑ نے دوپہر کو گہری رات کا لبادہ پہنا دیا۔

یوں لگتا تھا جیسے اچانک سورج نے اپنا رخ تبدیل کر لیا ہو۔

"پارٹنر..... کم آن..... موو۔ Come on Move"

کامنی نے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ابھی.....!"

طاہر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"Yes Now..... کم آن"

کامنی اس وقت بالکل ایک سخت گیر انسٹرکٹر لگ رہی تھی۔

"او۔کے.....!"

طاہر نے بیگ اپنی کمر کے گرد کس کر باندھ لیا..... وہ تو خالی ہاتھ آنا چاہتا تھا لیکن نجانے کیوں کامنی اس بیگ کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

کامنی نے پستول پوزیشن کر لیا تھا اور اس کے آگے آگے چل رہی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہی تیز بارش میں لپٹے ہوا کے برفیلے طوفان نے ان کا استقبال کیا۔

دونوں کو اپنی رگوں میں خون منجمد ہونے کا احساس ہوا لیکن کیا مجال جو دونوں ایک لمحے کے لیے بھی کمزور پڑے ہوں۔

سرداراں کے بتائے ہوئے راستے پر وہ اسی طوفانی رفتار سے چل رہے تھے.....

بارش ان کے کپڑوں کے راستے جسم کے مساموں میں در آئی تھی' لیکن دونوں بڑی مضبوطی' چوکسی اور عزم سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

ذرا سی آہٹ پر کامنی پوزیشن میں آ جاتی اور طاہر اس کی تقلید کرتا۔ آدھے گھنٹے کے بعد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

Click on http://www.Paksociety.com for More

انہیں وہ مٹی کا بند دکھائی دیا جو دونوں ممالک کے درمیان سرحد کی آخری نشانی تھی.....

شاید سہ پہر کے اسی عالم میں جب شدید بارش اور طوفانی جھکڑوں نے جانوروں کو بھی اپنے ٹھکانوں میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ بی ایس ایف کو ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ کوئی سر پھرا اس عالم میں سرحد عبور کرنے کی دیوانگی کرے گا۔

اور..... ان کی یہی بے خبری دونوں کے لیے عطیۂ خداوندی ثابت ہوئی۔

اگلے پندرہ منٹ بعد وہ اپنی پوسٹ پر پہنچ چکے تھے جہاں رینجرز کے تیار بر تیار جوان ان کا استقبال کر رہے تھے۔

شام ڈھلنے سے پہلے دونوں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں وہ اپنے افسران کو اپنی اور ان کی زندگی کا بہترین سرپرائز دے رہا تھا۔

کامنی نے یہاں موجود ہر نگاہ میں اپنے لیے بے پناہ عقیدت و احترام پایا تھا۔ یہ لوگ اسے واقعی اپنے لوگ دکھائی دے رہے تھے.....

اصل میں یہی اس کے اپنے تھے.....

یہاں اس کے لیے اجنبیت نہیں' اپنائیت تھی۔ عزت تھی اور وہ سب کچھ تھا جو کسی بھی مشرقی عورت کا اعزاز ہوتا ہے۔

جب وہ اپنے گھر داخل ہوا تو فخر و انبساط کے جذبات سے مریم کو اپنا سراپا ہوا میں اڑنے کا احساس ہوا۔

اس کے گھر کا ہر فرد اسے گلے لگا کر چوم رہا تھا۔ یہاں اس کے لیے وہ سب کچھ تھا جس کے خواب وہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ یہیں طاہر پر انکشاف ہوا کہ کامنی (مریم) نے ایک بیگ زبردستی اپنے پاس کیوں رکھا تھا۔

اس بیگ میں ڈلہوزی سے خرید کردہ وہ دو شالیں تھیں جو وہ اپنی ہونے والی ساس' اور دیورانی کے لیے اپنی جان پر کھیل کر لائی تھی۔

○ ○ ○

دس سال بعد.....

لندن کے "گٹ وک" ہوائی اڈے پر برٹش ایئر ویز کی پرواز نے جیسے ہی زمین کو چھوا' مریم نے فوراً" اپنی سیٹ بیلٹ کھول دی.....

"Not Yet مما....."

اس کے اور طاہر کے درمیان بیٹھے ان کے پانچ سالہ بیٹے ٹیپو نے کہا۔

"چپ.... ہر وقت ماں کو نہ سمجھاتا رہا کر....."

اس نے پیار سے اپنے بیٹے کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

طاہر جانتا تھا کہ گذشتہ دس سال سے وہ اس لمحے کا کتنی شدت سے انتظار کرتی آئی تھی۔ اس کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ اڑ کر لندن پہنچ جائے' جہاں گذشتہ ڈیڑھ سال سے ڈاکٹر شیلا اور اس کا خاوند پریکٹس کر رہے تھے اور مستقل آباد ہو چکے تھے۔

جہاز کی سیڑھیوں سے ایئر پورٹ لاؤنج تک پہنچنے کے تمام مراحل مریم نے جس بے قراری سے طے کیے تھے' اس نے طاہر خان کو قدرے بے چین کیے رکھا۔

لاؤنج میں جیسے ہی اس کی نظر شیلا پر پڑی' اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹرالی چھوڑ کر وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکی۔

شیلا کی بانہیں پہلے سے پھیلی تھیں' دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر آنسو بہاتی رہیں' بالآخر شیلا نے اسے آہستگی سے الگ کیا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کے بیٹے ٹیپو کو گود میں اٹھا کر اس کا منہ چومنے لگی۔

مریم نے بھی اس کی بیٹی مارتھا کو اٹھا لیا تھا.....

ڈاکٹر جیکب اور طاہر ایک دوسرے سے گرم جوشی سے بغل گیر ہو گئے تھے اور تھوڑی دیر بعد وہ سب ڈاکٹر شیلا کی گاڑی میں اس کے گھر کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ ٹیپو کو شیلا نے ڈیڑھ دو گھنٹے لمبے سفر میں اپنی گود میں ہی لٹائے رکھا اور وہ اس کی گود میں ہی سو گیا تھا۔۔۔۔۔

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال میں کوئی ایسا ویک اینڈ نہیں تھا' جس پر شیلا اور اس کے درمیان ٹیلی فون پر گھنٹوں باتیں نہ ہوئی ہوں۔ دونوں نے اپنے ایک ایک لمحے کا احوال ایک دوسرے کو فون پر ہی سنا دیا تھا' لیکن دونوں محسوس کر رہی تھیں کہ ابھی ایک دوسرے کو کہنے سننے کے لیے ان کے پاس صدیوں جتنی باتیں وجود ہیں۔

گاڑی چلاتے ہوئے ڈاکٹر جیکب کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے طاہر نے دونوں کے چہرے پر ری باری نظر ڈالی اور طمانیت کا لمبا سانس بھر کر اپنی ٹانگیں سامنے کی طرف پھیلا دیں۔

دس سال سے انہوں نے ڈاکٹر شیلا سے رابطہ نہیں توڑا تھا۔ گذشتہ ڈیڑھ سال سے شیلا ر جیکب مستقل لندن آن بسے تھے۔ تب سے اب تک طاہر کی ایک ہی کوشش تھی کہ جتنی لدی ممکن ہو وہ مریم کو شیلا تک پہنچا دے۔

اور..... آج بہت سے ناممکنات کی طرح اس نے مریم کو یہ کچھ بھی ممکن کر دکھایا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM